HINDUSTANI ACADEMY
Urdu Section
Date of Receipt 15-1-31

نگار

قیمت فی جلد عہ

قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے
۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا
۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے - جنپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں
۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے
۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہئے
۶ سالانہ قیمت پانچ روپیہ - ششماہی تین روپیہ - بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۳ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) ہیاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۸ روپیہ	۵ روپیہ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

نگارستان

(دوسرا اڈیشن)

حضرت نیاز کے ادبی متعدد مضامین اور افسانے شامل کئے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے -

قیمت ..... عـهـ

گہوارۂ تمدن

(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیا ے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے - اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے، قیمت علاوہ محصول عـ

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے - آسا زبان کی اسکی تخییل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچی ہے قیمت علاوہ محصول عـ

فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص آسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھکر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال موت و حیات صحت و بیماری، شہرت و نیکنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کرسکتا ہے قیمت علاوہ محصول عـ

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں علاوہ محصول ۱۰/

جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک بحث تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کرکے انکی ایسی تشریح کی ہے کہ اصل کتاب ہوجاتا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲/

صحابیات

جسمیں عہد رسالت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات لکھے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نے خاص اپنی انشاء سے لکھا ہے، قیمت علاوہ محصول ۸/

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ عبدالباری آسی جسمیں ۳۰ سے اندر اردو و فارسی کے ظریف شعراء کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و نیچرل کلام کے درج ہیں قیمت معہ محصول ہے

نگار

جلد ۱۹ فہرست مضامین ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء شمار (۱)

علم فراست التحریر سید یامین ہاشمی ایم اے ——— ۳
داستان حسن وعشق کا ورق خونیں افسانہ ——— ۶۵
ہمارے علمائے کرام کا عجیب غریب نظریۂ دینی ——— ۸۶
خواب وخیال افسانہ مجنوں گورکھپوری ——— ۱۱۰
انجام وآغاز ——— ۱۳۲

فراست التحریر

کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو اُردو رسم الخط سے متعلق ہے اور دوسرا انگریزی طرز تحریر سے۔ اس ماہ میں صرف پہلا حصہ اُردو کے متعلق شائع کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ جو انگریزی خط سے تعلق رکھتا ہے فروری کے نگار میں شائع ہوگا۔

یہ دونوں حصے یکجا کتابی صورت میں بھی مل سکیں گے۔ قیمت معہ محصول ایک روپیہ تجویز ہوئی ہے اور ۵ ار فروری کے بعد سے روانگی شروع ہو سکے گی۔

منیجر "نگار"

(جملہ حقوق بہ حق نگار بک ایجنسی محفوظ ہیں)

علم فراست التحریر

مرتبہ

سید یاسین ہاشمی ام اے، ال ال بی،

فہرست مضامین

۱۔ تمہید۔

۲۔ مقدمہ۔ (۱) اسباب ایجاد

(۲) علم فراست التحریر کی تاریخ

(۳) متعلم کو چند مشورے

(۴) تحریر کے اقسام

۳۔ علم فراست التحریر

باب اول۔ فن کا مفید پہلو

باب دوم۔ اندرونی کیفیات کا اثر تحریر پر

باب سوم۔ مخصوص علامات

باب چہارم۔ آپکا مستقبل

باب پنجم۔ جعل اور ماہران فراست التحریر

باب ششم۔ علم فراست التحریر کا مستقبل

ضمیمہ الف۔ (۱) تحریر۔ شان وطرز

(۲) حروف۔ شان وطرز

(۳) نمونے اور مثالیں۔

ضمیمہ ب۔ (۱) دستخط۔ اسکے علامات واثرات

(۲) نمونے اور مثالیں۔

علم فراست التحریر

(یعنی ایک شخص کی تحریر کو دیکھکر اُسکی سیرت اور اُسکے مستقبل پر حکم لگانیکا علم)

تمہید

ایک زمانہ وہ تھا جب انسان اور اُس کی زندگی کے تمام واقعات و حوادث اتفاقات پر محمول سمجھے جاتے تھے، لیکن صدہا سال کے تجربات و تحقیقات نے آخر یہ ثابت کر دیا کہ اس کے ظاہری و باطنی قوی سب مرتب و معین اصول پر قائم ہیں، اور جن میں تغیر و تبدل بھی انسانی قدرت سے باہر نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دریافت کے ساتھ ساتھ مصنوعی زندگی کا دور شروع ہوا جس نے انسان کے فطری قوی کو نئے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اور ہماری یہ مصنوعی زندگی اگر کبھی فریب و کذب کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوئی تو اس سے زیادہ اتفاقات ایسے بھی پیش آئے جب اوس نے باطن کو ظاہر سے مطابقت دینے کے لئے ہماری اخلاقی زندگی کو بہتر بنانیکی کامیاب کوشش کی۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ اس مصنوعی دور حیات نے قیاسی علوم کی تحقیق و دریافت میں صدہا حجابات پیدا کئے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان مشکلات کے ساتھ ساتھ ان علوم و فنون کی اہمیت روز افزوں ترقی پر نہیں۔

انسان پرتو "الہی" ہے۔ اوسکی کوشش بھی ہمیشہ یہی رہی کہ وہ خدا بن کر زندہ رہے۔ انسانی زندگی کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہمیشہ اسی کوشش میں مصروف رہا، اوس کی یہ زندگی تین دور میں تقسیم کیجاسکتی ہے اور ہر دور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے۔

(۱) دور اول۔ یہ وہ دور تھا جب انسان نے اپنی جاہ حشمت و دولت کے نشہ سے مدہوش ہو کر خدائی کا دعوے کیا۔ اوس کی پشت پناہی کے لئے نہ مادی ترقیاں تھیں اور روحانی قول، چونکہ یہ زعم باطل جہالت پر مبنی تھا اس لئے اس کے تار و پود فوراً بکھر گئے۔ ہر فرعون کی سرکوبی کسی موسیٰ نے کر دی اور معاملہ وہیں کا وہیں ختم ہوگیا۔ مگر یہ جذبات بالکل فنا نہ ہو سکے۔ ادعائے الوہیت نے خدا سازی کی صورت اختیار کی اور ہر شخص نے اپنا خدا

علیحدہ بنا لیا۔ میں بت پرستی کی تاریخ پر جہاں تک غور کر سکا ہوں، اسی نتیجہ پر پہونچا کہ اس کی ابتدا انسان نے اس وقت کی جب وہ خود کو خدا ثابت کرنے سے معذور و مجبور سمجھنے لگا۔ علما فن نے اس دور کو دور اوہام پرستی سے بھی موسوم کیا ہے۔

دوسرا دور مذہبیت کا تھا اور اس میں انسان نے روحانی ترقیوں سے خدا بننے کی خواہش کی۔ گزشتہ تجربات نے اوسکو مجبوریوں سے واقف کر دیا تھا، اس لئے گو اوس نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا لیکن اوسکی سعی تمامتر اسی طرف رہی، کبھی وہ کہتا کہ "ہمہ اوست" اور یہ کہکر وہ خود کو اوسکی ذات کا جزو قرار دینے کی کوشش کرتا۔ اور کبھی "انا الحق"، "قم باذنی" سے اس خواہش کو بالا علان بھی ظاہر کر دیتا۔ مگر اوس کی خواہشات کا یہ دور بھی دور اول کی طرح ناکامیاب رہا۔

تیسرا دور مادیت کا ہے، اور اس دور میں انسان اپنی مادی ترقیوں سے خدا بننے کی خواہش میں مصروف ہے، وہ چاہتا ہے کہ اوسکی موت و حیات اوس کے اختیار میں ہو جائے، اوسکی خواہش ہے کہ وہ اپنے سامان رزق پر حاوی ہو جائے۔ اوس کی تمنا ہے کہ وہ مصنوعی ابر سے پانی برسائے۔ الغرض اوسکی زندگی قانون فطرت کے خلاف ایک جنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اوس کی ان کوششوں میں سب سے زیادہ اہم کوشش یہ ہے کہ وہ غیب پر بھی حاوی ہونا چاہتا ہے، وہ ایسے آلے ایجاد کر چکا ہے جس سے وہ طوفان کی آمد کا پتہ چلا لیتا ہے، موسم کے آئندہ تغیر و تبدل کا بھی اوس کو علم ہو جاتا ہے۔ اور وہ گرمی و زلزلہ کا حال بھی بہت پہلے سے جان لیتا ہے۔

یہ تو اوسکی واقفیت انسانی زندگی کے گرد و پیش سے تھی۔ اب انسان کی خود ذات کو لیجیے۔ نجوم جفر و رمل سے وہ ہماری آئندہ زندگی کے تفصیلی واقعات بتاتا ہے، وہ ہماری زندگی کے آئندہ اہم واقعات کے متعلق کامیاب پیشین گوئیاں کرتا ہے۔ علم قیافہ سے وہ ہمارے بشرہ کو دیکھکر ہمارے اخلاق کو بتاتا ہے، ہاتھوں کی لکیروں سے ہماری گزشتہ و آئندہ زندگی کا پتہ دیتی ہیں۔ ہمارے سر کی ساخت سے وہ ہماری عقل و فہم کا اندازہ کرتا ہے۔

اسی طرح اوسکی یہ کوشش بھی ہے کہ وہ ہماری تحریروں سے ہمارے خیالات و جذبات کا پتہ بتائے اس خاص صنف میں انسان نے اب تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کی ہے۔ اور یہ بھی دیگر قیاسی فنون کی طرح تحقیق کا محتاج ہے، اسی طرح کے دیگر فنون کی طرح ایک فن یہ بھی ہے کہ انسانی تحریر دیکھ کر اس کی سیرت پر حکم لگایا جائے اور آج مغرب میں اس فن کے کاملین انسانی زندگی کی ترتیب و تدوین میں اچھا خاصہ حصہ لے رہے ہیں۔ میں نے اس مضمون کی ترتیب میں متعدد مغربی مصنفین کی گرانقدر تصنیفات سے مدد لی ہے، لیکن چونکہ اردو اور مغربی زبان کے خطوط میں نہ صرف صوری فرق ہے، بلکہ طرز تحریر بھی جدا ہے، اس لئے مجھے بیحد دقتوں کا سامنا

کرنا پڑا۔ اور کامل تین سال تک تجربہ کرنے کے بعد میں اسے رسالہ کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔

اس رسالہ میں جو تحریر یا دستخط ہیں، وہ اس معنی میں فرضی ہیں کہ ادن سے کسی خاص شخص کو تعلق نہیں۔ یہ تحریر اور دستخط صرف علمی و تحقیقی اعتبار سے درج کئے گئے ہیں۔ کسی خاص شخص کی توہین و تذلیل کبھی اس کا مقصود نہیں۔ تحریروں میں تو اخفائے نام ممکن تھا، لیکن دستخطوں میں یہ صورت ناممکن تھی، اسلئے میں نے ان کو بالکل فرضی صورتوں میں پیش کیا، کسی شخص خاص سے نہ اس کو تعلق ہے اور نہ یہ دستخط جعل د فریب کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اگر دستخط یا تحریر کسی شخص خاص سے ملتی ہوئی ہو تو مجھے امید ہے کہ وہ اسے میری بدنیتی پر محمول نہ فرمائیں گے۔

مقدمہ

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیا کروں۔ گو مجھے آئے ہوئے ایک ماہ گزر گیا، لیکن تمہیں چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ اودہر بالڈو کے متعدد خطوط طلبی کے آچکے۔ اگر تم کہو تو علالت کا بہانہ لکھکر ہفتہ دو ہفتہ اور رہجاؤں پیارے روڈالف! تم نے مجھے اپنا کرلیا"۔

"مگر تمہاری علالت کی خبر سُن کر وہ فوراً چلا آئے گا۔ اور وہ تم کو بیمار نہ پاکر نہ صرف مشتبہ ہوگا بلکہ اوس وقت تم کو بجبر ساتھ لے جائے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ پھر وہ تم کو یہاں آنے کی کبھی اجازت نہ دے"۔

یہ گفتگو شہر وینس (ملک اطالیہ) کے ایک دور افتادہ قصبہ (میلان) کے معمولی پھوس کے مکان میں ہو رہی ہے شب کے بارہ بج چکے ہیں۔ سارا عالم سو رہا ہے۔ دنیا پر خاموشی طاری ہے۔ حسین لوسیانا کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور اوسکے سامنے اوسکا چچازاد بھائی روڈالف آتش خانہ پر جھکا ہوا کوئلہ ڈال کر آگ کو مشتعل کر رہا ہے۔

لوسی۔ "تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں چلی جاؤں"۔ یہ کہکر وہ رونے لگی۔ **روڈالف** نے اپنے ہاتھ کے کوئلے پھینکدئے اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

روڈو۔ "نہیں میرا یہ مقصد نہیں کہ تم چلی جاؤ"۔ یہ کہتے ہوئے اوس نے لوسی کو سینہ سے لگالیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ "میں یہ چاہتا تھا کہ تم ضرور رہو لیکن اس طرح کہ بالڈو کو ہماری محبت کا شبہ نہ ہو"۔

لوسی۔ افسوس! روڈالف، افسوس! ...."

روڈو نے لوسی کو کرسی پر بٹھا دیا اور خود سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ سوچکر اوس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑلیا اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔

لوسی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ بالڈو میری علالت کی خبر سُن کر مجھے لینے ضرور آئے گا۔

روڈو۔ میرا یہی خیال ہے...........

لوسی۔ اور وہ تنہا آئے گا۔

روڈو۔ ہاں......... کیا اوس وقت؟

یہ کہکر روڈالف کھڑا ہو گیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کبھی اوسکی نگاہ لوسی پر پڑتی اور کبھی وہ کمرے کی ہر سمت دیکھتا۔ تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد اوس نے شمعدان ہاتھ میں لے کر دروازہ کھولا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔

لوسی۔ تو پھر کیا رائے ہے.........." دونوں نے ایک دوسرے کو غور سے دیکھا۔

گفتگو خیالات کے اظہار کا عام طریقہ ہے، لیکن بقول شریڈن ایک بھدا طریقہ ہے۔ بعض حکماء کا خیال ہے کہ انسان کا موجودہ نطق کسبی ہے فطری نہیں۔ اگر ایک تعلیم یافتہ کوئی خیال بذریعہ گویائی ظاہر کرتا ہے تو وہ صاف ہوتا ہے اور جلد سمجھ میں آجاتا ہے لیکن وہی خیال اگر کوئی جاہل بذریعہ گویائی ظاہر کرنا چاہتا ہے تو وہ ناصاف ہوتا ہے اور اوسکے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوت کسبی ہے اور تربیت کی محتاج ہے۔ اب دوسرے طریقے اظہار کے ملاحظہ ہوں۔ آپ کو خوشی ہوتی ہے تو آپ ہنستے ہیں۔ آپ کو ملال ہوتا ہے تو آپ روتے ہیں۔ آپ خشمگیں ہوتے ہیں تو آپ کے ابرو پرشکن ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں۔ آپکو شرم آتی ہے تو آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ آپ ممنون ہوتے ہیں تو آپ کا چہرا تمتما اوٹھتا ہے اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر آتے ہیں۔ آپ کچھ مانگتے ہیں تو آپ کی آنکھیں ملتجی ہوتی ہیں۔ یہ ہے وہ خاموش ذریعہ اظہار خیال کا جسے فطرت نے ودیعت کیا ہے۔ اور یہ خاموش گفتگو ایک نگاہ میں اتنی باتیں کہہ جاتی ہے جو شاید آپ اپنی زبان سے گھنٹوں میں بھی بیان نہ کرسکیں۔ نہ لوسی نے کچھ کہا اور نہ روڈالف نے۔ دونوں خاموشی سے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کا منھ دیکھتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ خوں آشام نگاہیں کسی زبردست سازش کا پتہ دیتی تھیں۔ ولی ممکن ہے کہ ولی کو نہ پہچانے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اخلاقی مجرم اپنے ہمخیال کو فوراً پہچان لیتا ہے۔ لوسی نے روڈالف کا اور روڈالف نے لوسی کا مطلب سمجھ لیا۔ لوسی دوڑ کر روڈو سے یہ کہتی ہوئی لپٹ گئی "بس روڈو۔ بس۔ میں تیرے لئے سب کچھ کرنیکو آمادہ ہوں"

تھوڑی دیر تک کمرہ میں خاموشی طاری تھی۔ دونوں ایک ہی خیال میں محو تھے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ لوسی کے چہرہ سے اطمینان ظاہر تھا اور روڈو متفکر و پریشان۔ بالآخر اس سکوت کو روڈو نے توڑا۔

روڈو۔ تو پھر اسی وقت خط لکھدو تاکہ صبح کسی شخص کی معرفت بھیجدیا جائے۔

لوسی۔ خط تم لکھدو، دستخط میں کردوں گی۔ اس سے مری علالت بھی قابل یقین ہوجائے گا۔

روڈو اٹھا۔ میز پر بیٹھکر ایک خط لکھا اور دستخط کے لئے لوسی کے سامنے رکھدیا۔

روڈو۔ خط پڑھ لو۔ صحیح ہے یا نہیں۔

لوسی۔ نہیں۔ میں خط نہیں پڑہوں گی۔ میں صرف دستخط کردوں گی۔ یہ کہکر اوس نے روڈالف کے ہاتھ سے قلم لے لیا۔ اوسکا ہاتھ کانپنے لگا۔ دونوں نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا۔

روڈو۔ ذرا دم لے لو۔ گھبراؤ نہیں۔

لوسی نے پھر لکھنا چاہا۔ اس مرتبہ بھی اوس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ روڈو سے پانی منگا کر پینے کے بعد اوس نے سہ بارہ ہمت کی۔ اور گو اوس کا ہاتھ اب بھی مرتعش تھا لیکن اوس نے ہاتھ روک کر دستخط کر ہی دیئے۔

روڈور (دستخط دیکھکر) مگر اس میں کسی قدر تموج ہے۔

لوسی۔ "یہ بھی میری علالت کی وجہ سے ہے۔" یہ کہکر لوسی مصنوعی ہنسی ہنسنے لگی۔

بالڈو خط پڑھ کر بیحد پریشان ہوا۔ اوسی لوسی سے بیحد محبت تھی۔ شادی کے بعد سے اس وقت تک اوس نے لوسی کو علیحدہ ہونے نہیں دیا تھا۔ میز پر خط رکھ کر بالڈو کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ اوس نے دوبارہ پھر خط اوٹھا کر پڑھا۔ دستخط کو غور سے دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا۔

"ابھی دو روز ہوئے میرے پاس خط آیا تھا۔ دو روز میں اس درجہ ہاتھوں میں کمزوری نہیں آسکتی۔ مرض بھی معمولی۔ پھر یہ حروف میں تموج اور سانپ کی سی لہریں کیسی؟" بالڈو نے ہاتھ میں خط لے کر ٹہلنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد۔

کیا لوسی بیوفا نکل گئی؟ مگر پھر مجھے بلایا کیوں۔ کیا ...."

بالڈو پروفیسر تھا اور اس پیشہ کی ساری خصوصیات اوس میں موجود تھیں۔ وہ بہت کم چیزوں کو دلچسپی سے دیکھتا۔ لیکن جب کوئی شے اوسکی توجہ منعطف کرلیتی تو وہ پھر اوس پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ لوسی کا دستخط اس وقت اوس کے پیش نظر تھا۔ خط کے متن میں اوس کو کوئی مشکوک صورت نظر نہ آتی تھی اس لئے کہ روڈالف کا خط دیکھنے کا وہ عادی نہ تھا۔ لیکن لوسی کے دستخط اوسے بیحد مشتبہ معلوم ہوئے۔ وہ پورے دو گھنٹہ تک کمرہ میں خط ہاتھ میں لئے ہوئے ٹہلتا رہا۔ وہ دستخط کو بار بار دیکھتا اور خاموش ہو جاتا۔

"نہیں۔ میں کبھی نہیں تسلیم کرسکتا کہ وہ بیمار ہے۔ لوسی بیوفا نکل گئی۔"

انسان جبتک کسی امر کی جانب بے توجہ رہتا ہے اوسوقت تک اہم امور بھی اوس کی توجہ منعطف کرنے سے معذور رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ متوجہ ہو جاتا ہے تو اوس کے خیالات زنجیر کی باریک سی باریک کڑی سامنے لاکر پیش کر دیتے ہیں اور اوس کو اپنی غفلت پر حیرت ہوتی ہے۔ اب بالڈو کی آنکھیں کھلیں۔ گذشتہ بار روڈو کے دوران قیام میں لوسی کے ساتھ اوسکی بے تکلفی۔ گھنٹوں دونوں کا خلوت میں باتیں کرنا۔ دونوں کا تنہا چراگاہ و باغ میں ٹہلنا۔ ایک بار دونوں کا ہم آغوش ہونا۔ روڈو کا لوسی کو ساتھ لیجانے کیلئے اصرار۔ لوسی کی جاتے وقت خوشی۔ جسوقت یہ واقعات پیش ہوتے رہے۔ اوس وقت بالڈو نے اُنھیں کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن آج یہ تسلسل ایک مستقل نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ دونوں مجھے مل کر مار ڈالیں گے۔" تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد "مگر آخر اون کے اس ارادہ کی تصدیق کیسے ہو؟"

بالڈو نے جانے کا ارادہ کر لیا مگر اوسوقت اوس نے لکھدیا کہ وہ نہیں آسکتا۔ تیسرے دن وہ مغالطہ دے کر پہونچا۔ دونوں کو شب میں مجرمانہ بے تکلفی میں مشغول پایا۔ روڈو نے خنجر سے حملہ کیا۔ بہ مشکل بالڈو اپنی جان بچا کر بھاگا۔

اس واقعہ کے بعد بالڈو نے یہ فن ایجاد کیا۔

اس فن کی تاریخ

انسان کا ہر فعل اوسکے اخلاق و ذہنیت کا روشن آئینہ ہے، اگر وہ تصنع یا مکر و فریب سے کام نہ لے تو اوسکی زندگی کا ہر پہلو اوس کے افعال و حرکات سے نمایاں ہو سکتا ہے اور اوس کے ہر عمل سے اوس کی تربیت ذہنی کا پتہ چل سکتا ہے۔ وہ اگر متین ہے تو اوس کے ہر فعل سے سنجیدگی نمایاں ہوگی۔ اگر وہ عجلت پسند ہے تو اوس کی ہر حرکت سے جلدی مترشح ہوگی۔ اگر وہ متکبر ہے تو اوس کا ہر انداز مغرورانہ ہوگا اور اگر وہ منکسر المزاج ہے تو اوسکے ہر طرز عمل سے فروتنی ظاہر ہوگی۔

جس طرح آپ ایک شخص سے گفتگو کرکے اوس کے اخلاق و اطوار کے متعلق رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ تحریر سے بھی تحریر کنندہ کے خیالات و ذہنیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ تحریر "لکھی ہوئی گفتگو" کا نام ہے۔ البتہ جس طرح گفتگو میں تصنع و ریا کو دخل ہے اوسی طرح تحریر بھی مصنوعی ہو سکتی ہے اور اس وقت بے شک آپ کے نتائج غلط ہوں گے۔ لیکن اگر تحریر کنندہ اپنی عادت و طرز کے مطابق لکھے تو یقیناً اوس کی تحریر اوس کی فطرت کا آئینہ ہوگی۔

کسی شخص کی تحریر سے اوسکے خیالات، اطوار، اخلاق اور ذہنیت کا پتہ چلانا ایک فن ہے۔ جسے سب سے پہلے سیوٹانیس (SUETONIUS) نے ایجاد کیا۔ شاہنشاہ آگسٹس کے متعلق وہ لکھتا ہے:-

> "میں نے اوس کی تحریر میں یہ خاص بات دیکھی کہ وہ الفاظ کو جدا جدا نہیں لکھتا تھا۔ اور اگر آخر سطر میں جگہ نہیں بھی رہتی تب بھی وہ باقی الفاظ کو سطر کے نیچے لکھدیتا اور اونکے گرد ایک دائرہ کھینچ دیتا"

گو سوٹانیس کے نتائج ہم تک نہیں پہونچے ہیں، لیکن خیال ہے کہ اوس نے ان علامات سے ضرور یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ شہنشاہ آگسٹس کے خیالات متحد و منظم تھے۔ اور اوسکی ذہنیت میں ایک قسم کا ربط تھا۔ اوسکی شجاع طبیعت مواقع کی منتظر نہ رہتی تھی بلکہ وہ خود اسکے مواقع پیدا کر لیتا تھا۔

آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ سیوٹانیس کے بعد یہ فن مدتوں تک کس مپرسی کے عالم میں پڑا رہا۔ بالآخر ایک

اطالوی پروفیسر مسمی بالڈو نے سنہ ۱۶۲۲ء میں اس فن پر ایک مبسوط کتاب لکھی۔ بالڈو کا خیال ہے کہ "چونکہ تحریر اک گونہ محرر کی فطرت کا آئینہ ہے۔ اس لئے اوس کے ذریعہ سے ہم اوس کے اخلاق کو دریافت کرسکتے ہیں"۔ اس کتاب نے ملک میں اک ہیجان پیدا کردیا، مختلف ومتعدد لوگوں نے اس فن کا مطالعہ شروع کردیا۔ یہانتک کہ سنہ ۱۶۴۲ء پٹرس ویلیس (PETRUS VELLIUS سے) نے بالڈو کی معرکۃ الآرا تصنیف کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔

گو ماہران فن کا خیال ہے کہ بالڈو ہی اس فن کا موجد ہے۔ لیکن اوسکی تصنیف سے قبل سرورینس (SERVERINUS سے) بھی اس فن پر ایک کتاب لکھنے میں مشغول تھا، مگر افسوس کہ اوسکی تصنیف اوسکی زندگی میں طبع نہ ہوسکی اور وہ سنہ ۱۶۵۶ء میں انتقال کرگیا۔ ہمیں پٹرس کے ترجمہ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ بالڈو کی تصنیف بھی ہم تک پہونچ گئی۔ کیونکہ اصلی کتاب جو اطالوی زبان میں تھی وہ ناپید ہے۔

اس کے بعد اس فن کا مطالعہ دو سو برس تک پھر معرض التوا میں رہا۔ یہانتک کہ سنہ ۱۸۷۵ء میں ایک فرانسیسی شخص ابی میچن (ABHE MICHON سے) نامی نے بالڈو کے ترجمہ کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد تو تحقیق ومطالعہ کا دروازہ یورپ کے لئے کھل گیا۔

اہل جرمنی ابی میچن کی کوششوں کے قائل تھے۔ اس لئے کہ اون کا خیال ہے کہ خود جرمنی میں گراہمین (GROHMAUN سے) نامی ایک عالم نے سنہ ۱۹ء میں انھیں نظریات کو پیش کیا تھا۔ اوس کا خیال ہے کہ:۔

> "علم قیافہ اور فراست التحریر میں بعید تعلق ہے۔ کیونکہ اس سے بھی انسان کی اندرونی کیفیات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم ایک شخص کی تحریر دیکھ کر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ اوس کے بالوں کا رنگ کیسا ہے، اوسکی آنکھیں کیسی ہیں۔ اوس کا رنگ سیاہ ہے، سانولا ہے یا گورا، اور اوس کا قد کیسا ہے، اور اوسکی جسمانی صحت کس حالت میں ہے؟

گراہمین غالباً اپنے حدود سے متجاوز تھا۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں ہنزی (HENZE) نامی ایک جرمن نے ایک نہایت مبسوط کتاب اس فن پر لکھی، لیکن اوسکی ضخامت اوس کی عدم مقبولیت کا سبب ہوئی۔

گیٹے اور لوئٹر کے خطوط اس فن پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ موخرالذکر کا خیال ہے کہ ایک شخص کی تحریر اوسکے دماغی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے، لوئٹر کا یہ بھی خیال ہے کہ ہر قوم وملک کا طرز تحریر مختلف ہوتا ہے۔

ہماری خوش قسمتی سے اڈگرالن پو (EDGAR ALLEN POE) نے اس فن پر متعدد مضامین شائع کئے۔ جن سے ہمیں بعید مدد ملتی ہے۔ سنہ ۱۸۲۵ء میں ایک مستقل مدرسہ فرانس میں اس فن کی تعلیم

کے لئے قائم کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت دنیا میں جتنی کتابیں اس فن پر فرانسیسی زبان میں ملتی ہیں اوتنی کسی زبان میں نہیں ملتیں۔

متعلم کو چند مفید ہدایات

اس فن کے جاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد جب اس کے عام اصول ذہن نشین ہو جائیں۔ تو آپ اپنی تحریر کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ آپ کے جذبات وخیالات وغیرہ کیونکر اوس میں منعکس ہیں۔ اس زینہ کو طے کرنے کے بعد آپ اب کسی ایسے شخص کی تحریریں۔ جسے آپ بخوبی جانتے ہیں۔ اوس کے خیالات وحالات کی روشنی میں آپ اوس کی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ اپنی تحریر کے مطالعہ کے بعد جو نتائج آپ اخذ کر چکے ہیں۔ اونکو اس تحریر سے مطابقت دیجئے۔ اس طرح جب آپ متعدد اشخاص کی تحریر دیکھ چکیں تب کسی اجنبی کی تحریر اوٹھائیے اور اپنے گذشتہ تجربات کی روشنی میں اوس کو دیکھئے۔

یہ اون علوم میں نہیں ہے جو ہندسہ یا حساب کی طرح معین ہوں اور جن کے عام اصول سے خاص نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ علم فراست التحریر ایک قیاسی علم ہے اور اس کے اصول متعدد تحریروں کی مشترک خصوصیات کی روشنی میں مرتب ہوئے ہیں۔ ایسے علوم شخصی تجربات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپکا تجربہ خود آپ کی رہبری کرے گا۔ اور بعد چندے آپ اس میں مہارت تامہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ کی تحریر میں بزدلی کے علامات ہیں اور آپ میں یہ نقص نہیں ہے تو فوراً آپ اس کو فن کے نقص کی دلیل نہ سمجھیں۔ اگر آپ جسمانی جرات رکھتے ہیں، تو پھر بھی یہ سوال رہجاتا ہے کہ آیا آپ اخلاقی جرات کے بھی حامل ہیں یا نہیں۔ اگر آپ میں یہ بھی موجود ہے تو پھر آپ دیکھیں کہ آیا آپ میں اعتقادی جرات کی کمی تو نہیں۔ آپ کا تجربہ آپ کو بتا دے گا کہ نقائص ومحاسن کے مختلف مدارج واقسام ہوا کرتے ہیں۔

ابتدا میں آپ کے دوست اپنی تحریر دکھا کر ایسے سوالات پوچھیں گے۔ اگر اون میں نقائص ہیں تو آپ کہتے ہوئے رکیں گے۔ لیکن اگر آپ ایسا کریں تو یہ آپ کی اخلاقی کمزوری ہوگی۔ اگر آپ اپنے نتائج میں قطعی نہیں ہیں تب تو جواب بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ بلا ضرورت کسی کو خیالی تکلیف دینی معیوب ہے۔ اگر آپ ایک شخص کے نقائص اوس سے بیان کر رہے ہیں، تو آپ کا فرض ہے کہ ہر ممکن متانت اور نرمی سے آپ اوس کو متنبہ کریں۔ آپ کی حیثیت ایک حکیم کی ہے۔ آپ کی تلخ دوائیں مریض کو ضدی بنا کر ترک دوا پر نہ مجبور کردیں۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا ہر شخص اس فن کو سیکھ سکتا ہے؟ قبل اس کے کہ میں اس کا جواب دوں۔ مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک طبیب اپنے شاگرد کے ساتھ کسی مریض کو دیکھنے گئے۔ سرہانے چنے پڑے ہوئے تھے۔ نبض پر ہاتھ رکھتے ہی حکیم صاحب نے فرمادیا کہ مریض نے کوئی ثقیل غذا مثل چنے کے کھائی ہے مرض

نے اسے شرمندگی سے تسلیم کیا۔ گھر پر آکر شاگرد نے اس غیب دانی کے اسباب دریافت کئے۔ بعد اصرار کے بعد معلوم ہوا کہ سرہانے جو چنے پڑے ہوئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا۔ یہ سبق شاگرد کو یاد رہا۔ فارغ التحصیل ہو کر جب کسی مریض کو دیکھنے گئے تو ادھر ادھر بہت دیکھا۔ کوئی شئے نظر نہ آئی۔ سرہانے چارپائی کے نیچے ایک نمدہ کا ٹکڑا رکھا تھا۔ دیکھنا تھا کہ چلا اوٹھے۔ "تمنے نمدہ کھایا ہے"۔

بالکل یہی حال قیاسی فنون کا ہے "یک من علم را دہ من عقل باید" جس قدر ان علوم سے متعلق ہے اوس قدر معین علوم سے متعلق نہیں۔ یوں تو اس فن کی اصولی باتیں ایک بچہ بھی سیکھ سکتا ہے لیکن صرف اس فن میں صرف اونھیں کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جن کی مرتب ذہنیت انسانی زندگی کے گرد و پیش پر عبور کامل رکھتی ہے۔ مثلاً اگر ایسی تحریر آپ کے سامنے موجود ہے، جس میں تموج ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ کاتب کی عمر ۲۵ سال کی ہے تو آپ کبھی بھی اس تموج کو رعشہ یا خامی کتابت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ماہران اخلاقیات کا جدید نظریہ یہ ہے کہ ۲۰ سے ۳۰ سال کی عمر تک مجرمانہ ذہنیت جعل و قتل میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ اس اُصول کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ لازماً اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ کاتب ان عیوب میں بتلا ہے یا اون کی جانب راغب ہے۔

اس فن پر عبور کامل حاصل کرنے کیلئے علم النفس و علم قیافہ کی واقفیت بھی ضروری ہے۔ گراہین (جرمن مصنف) علم قیافہ کے مطالعہ کو زیادہ مفید قرار دیتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک علم النفس اس فن سے زیادہ متعلق ہے۔ لوٹیر (مشہور عالم فرانسیسی فلسفی) کی رائے میری تائید کرتی ہے۔ علم قیافہ کا جہاں تک تعلق ہے یہ مسئلہ اب تک ماہران فن کے درمیان مابہ النزاع ہے کہ ذہنیت کا اثر جسم کی ساخت کا ذمہ دار ہے یا جسم کی ساخت اپنے مطابق ذہنیت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن علم النفس کا تعلق تو اس علم سے ظاہر ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے آمادہ ہوں کہ بغیر واقفیت علم النفس، علم فراست التحریر پر عبور ناممکن ہے۔ چونکہ انسانی تحریر اوس کے "دماغی عمل" کا پرتو ہے، اس لئے جبتک ہم موخر الذکر کو نہ معلوم کر لیں، اول الذکر پر عبور محال ہے۔

اس علم کی اہمیت یورپ میں روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ بعض ممالک میں تو خفیہ پولیس نے جرائم کی تحقیقات کا اس کو مفید و معین ذریعہ بنالیا ہے۔ جسے اطباء کا ایک گروہ "تحلیل تخیلات" کو علاج کا بہترین ذریعہ سمجھنے لگا ہے، اوس وقت سے مریضوں کی تحریر، عدالت کے بیان سے زیادہ "گویا" ثابت ہوئی ہے۔ کاروباری اشخاص امیدواروں سے ملازمت کے لئے اون کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی درخواست لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اس طرح وہ اون کے صحیح خیالات اور چال چلن سے واقف ہو سکتے ہیں۔ جعل کے دریافت

میں یہ علم سب سے زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ماہران تحریر صرف ظاہری صورتوں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ہر دو تحریروں کے کاتبوں کے اخلاقی حالات پر بھی غور کریں۔ ممکن ہے کہ میں اس نظریہ میں یکہ وتنہا ہوں۔ لیکن اس کی مزید توضیح اس مسئلہ کو حل کردیگی۔ میرے نزدیک یہ صنف علم اس درجہ اہم ہے کہ میں نے ایک علیحدہ باب میں اس کی تفصیل ضروری سمجھی۔

عام اجتماعی زندگی میں بھی یہ علم مفید ثابت ہوا ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ جب انسان خلوت نشیں ہوکر انفرادی زندگی بسر کردے۔ تہذیب وتمدن نے ہر ایک کو دوسرے کا محتاج بنادیا ہے۔ آج سب سے زیادہ مشکل انتخاب احباب ہے۔ اس فریب وخودغرضی کے زمانہ میں ہر شخص آپ کو دوست نظر آئے گا۔ لیکن معیار دوستی "دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست"۔ جو آج سے ہزار برس پہلے تھا وہ اب بھی اوسی طرح صحیح و درست ہے۔ آپ اپنے ملاقاتیوں کی تحریر کا بغور امتحان کرلیں۔ اور اگر وہ معیار اخلاق پر صحیح اُترتے ہیں۔ یا اونکے طبائع آپ کی طبیعت سے مناسبت رکھتے ہیں تو آپ اون سے راہ ورسم بڑھائیں۔ مجھے متعدد ایسے اصحاب کی تحریریں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جو آج سوسائٹی کے بام رفعت پر ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں نے عموماً یا تو یہ پایا کہ اون کی موجودہ زندگی کا باطن بہلو تنگ وتاریک ہے یا اگر یہ نہیں ہے تو اون میں وہ خامیاں مخفی طور پر ضرور موجود ہیں۔ جو اگر آج نہیں تو کل ظاہر ہوکر رہیں گی۔ اگر آپ کو ذاتی طور پر اس کا امتحان مقصود ہے تو آپ اون "رہنمایان قوم" کی تحریریں ملاحظہ کریں۔ جو کل بام رفعت پر تھے۔ لیکن آج زمانہ نے انھیں بے نقاب کرکے قعر مذلت میں گرادیا ہے۔ جہاں وہ گمنامی میں پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔

عمر کے ساتھ ساتھ انسان میں متانت و دور اندیشی بھی آتی ہے۔ مگر آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ بسا اوقات ابتدائی زندگی کی مستحکم فطری کمزوریاں آخر زندگی تک کم وبیش نمایاں رہتی ہیں۔ میرے سامنے میری وہ تحریر موجود ہے جو میں نے آج سے پندرہ برس پہلے لکھی تھی، جب میری عمر قریب تیرہ سال کے تھی۔ گو زمانہ کے تجربات نے مجھ میں نمایاں تبدیلی پیدا کردی ہے، لیکن پھر بھی میں تو وہی ہوں۔ جذبات کا غلبہ جو مجھ پر پہلے تھا وہ اب بھی ہے۔ گو کسی قدر کمی کے ساتھ۔ میرا تجربہ ہے کہ ابتدائی زندگی کی وہ خامیاں جو مقتضائے عمر ہوتی ہیں۔ وہ تو تحریر سے آخر زندگی میں نکل جاتی ہیں۔ لیکن دستخط میں اوس کے اثرات کم وبیش ضرور نمایاں رہجاتے ہیں، اسی لئے ماہران فن نے دستخط کو بہت اہمیت دی ہے۔

اس علم کی تحقیقات کے دوران میں مشکل ترین اوقات میرے لئے وہ تھے جب مصنوعی تحریریں میرے سامنے پیش کی گئیں۔ بعض نے دوسروں کی تحریر اپنے نام سے پیش کی۔ چند لوگوں نے حروف بدل کر تحریر لکھی۔ لیکن سب سے زیادہ دلچسپ اون لوگوں کی تحریریں تھیں۔ جو اس علم کے ابتدائی اصول سے تھوڑی بہت واقفیت

حاصل کرکے اپنی تحریر میں اون علامات کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جن سے اون کے عیوب ظاہر ہوجاتے۔

اول الذکر کے متعلق رائے زنی مشکل نہ تھی، اس لئے کہ اس علم کو شخصیت سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کی تحریر ہو اوسی کے حالات ظاہر ہوں گے۔ جن لوگوں نے اصول علم سے ناواقف رہ کر اپنے خطوط تبدیل کئے وہ اون نقالوں کے مانند ہیں، جو اپنی صورت بدل کر اکبر داورنگ زیب کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں یہ معلوم نہیں کہ اونکی شبیہیں ناقص تھیں۔ ایسی صورت میں مصنوعی و غیر مصنوعی کا امتیاز بجد آسان تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ مجھے موخرالذکر صورتوں میں دقتیں پیدا ہوئیں۔ ابتداء مشق میں تو بالکل ناکامیاب رہا۔ لیکن بعد چندے مجھے قدرے کامیابی ہوئی۔ ایسے لوگوں سے میں صرف اس قدر عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ماہر فراست التحریر پیغمبری کا مدعی نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک طبیب کی مانند ہے جو مریض کے حالات کے لحاظ سے نسخہ تجویز کرتا ہے۔ بچپن میں ایک میرے ہم مکتب کو پنجشنبہ کے دن درد شکم کا دورہ شروع ہوتا تھا۔ اصل سبب یہ تھا کہ مولوی صاحب اوس دن امتحان لیتے اور بصورت ناکامیابی خوب زدوکوب کرتے۔ دنیا جانتی تھی کہ یہ صرف بہانہ ہے، لیکن کوئی بھی اس کا ثبوت نہ دے سکا۔

ایسی تحریر کے کاتب کا صرف ایک علاج ہے۔ آپ اوس سے متعدد تحریریں حاصل کریں۔ اگر وہ ابتدائی تحریر مصنوعی ہے تو وہ شخص اس "فریب" کو اپنی تمام تحریروں میں یکساں نہ ظاہر کرسکے گا۔ مختلف تحریروں کا تقابل آپ کو صحیح نتیجہ پر پہونچادے گا۔ اس کے علاوہ میرا ایک خاص تجربہ ہے، ایسی تحریر کی ہر سطر سے چار الفاظ داہنے اور بائیں سے قلم زد کردیجئے۔ سطر کا وسط حصہ آپ کو صحیح راستہ پر پہونچادے گا۔ عموماً انسان مصنوعی تحریر ابتداء وانتہاء سطر میں لکھنے کی کوشش کرتا ہے، سطر کا درمیانی حصہ تقریباً اوس کے فریب سے محفوظ رہتا ہے۔

تحریر کے اقسام

ایک اور امر قابل لحاظ ہے، جس شخص کی تحریر آپ کے سامنے موجود ہو اوس کی تین حیثیتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) محتاج مشورہ (۲) مستفسر (۳) اور ممتحن۔ یہ امور آپ زبانی گفتگو سے یا تحریر سے دریافت کرسکتے ہیں۔ عموماً ممتحن طبائع فریب دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

عام علامات کو بہ غور دیکھنے کے بعد ایک ایک متعلم کا فرض ہے کہ وہ کاتب کے اخلاقی و علمی و ذہنی حالات کے اعتبار سے صحیح و مناسب جگہ تجویز کرلے۔ میرے خیال میں گو یہ ابتدائی منزل ہے، اس لئے کہ اس یقین کے بعد ساری باتیں۔ بہ طور نتیجہ لازماً نکلتی آئیں گی۔

اصولاً دنیا میں دو ہی قسم کے انسان ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ۔ متوسط طبقہ کوئی مخصوص جدا حیثیت

نہیں رکھتا۔ اوس کی خصوصیات مشترکہ حیثیت رکھتی ہیں۔ اب اعلےٰ و ادنےٰ دونوں کے مزید تین تدریجی اقسام ہیں۔

علویت

(۱) قسم اول۔ اس صنف میں دنیا کی مخصوص ذاتیں شامل ہوسکتی ہیں۔ جن کی اخلاقی قوتیں۔ دنیا کی تاریخ بدل دیتی ہیں۔ یہ وہ شخصیتیں ہیں جو زمانہ کو بناتی ہیں، تیر و تفنگ سے نہیں، تلوار و خنجر سے نہیں، بلکہ صرف اپنی اخلاقی مثال سے وہ انسان کو کھینچکر اپنی سطح پر لا کھڑا کرتی ہیں، جس طرح ہم بجلی کی تحلیل سے قاصر ہیں، اوسی طرح اونکی تحلیل بھی مشکل ہے" ان کے کان دیکھتے ہیں۔ اون کی آنکھیں سنتی ہیں۔" اونکی دماغی و روحانی قوتیں عام انسانی سطح خیال سے بالاتر ہیں۔ وہ بام رفعت پر اوس جگہ پہونچے ہوئے ہیں۔ جہاں سے آگے " فروغ تجلی بسوزد پرم" رسول و انبیا اس کی مثال ہیں۔

(۲) قسم دوم۔ اس صنف میں جو اشخاص شامل ہیں۔ جو تاریخ بدلتے نہیں، لیکن تاریخ بناتے ہیں۔ انہیں وہ الہامی قوت تو موجود نہیں ہوتی جو قسم اول کی خصوصیت ہے، لیکن ان کا ضمیر ان کے مستقبل کا ایک آئینہ ہوتا ہے۔ مگر یہ ساری خوبیاں اکتسابی ہوتی ہیں وہبی نہیں، اونکی آنکھیں روشن ہوتی ہیں، لیکن اونکا آئینہ دل "علم مستقبل کے لئے پرتو کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ کامل ہوتے ہیں اور اون کے اعمال و افعال کمال کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن کمال بھی وہ جو اضافی ہے۔ قسم اول کی طرح اون کی شیرینی بیانی ایسی نہیں ہوتی کہ آپ یہ کہہ سکیں

میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اور نہ اونکی آواز کا "نغمۂ حق" ایسا ہوتا ہے کہ آپ اپنے کانوں کی روئیاں نکال کر پھینک دیں اور پکار اُٹھیں کہ

ہٰذا سحر عظیم

مگر ہاں اونکی منطق دل کو نہیں تو کانوں کو ضرور بھلی معلوم ہوتی ہے اور دماغ ان کی "لذت تقریر" سے متاثر ہوتا ہے ٹالسٹائی اس کا صحیح مصداق ہے۔

قسم سوم۔ اس صنف میں وہ دنیا کی ذہین شخصیتیں شامل ہیں جو عقل سلیم رکھتی ہیں۔ یہ نکات پیدا نہیں کرتے۔ لیکن اون کی پرورش ضرور کرتے ہیں۔ وہ معاملات کی حقیقت سمجھتے ہیں۔ قسم دوم کی طرح اون کی عقل خود رہبری تو نہیں کرتی۔ لیکن اون کے تجربات ضرور اون کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ ایک ادنےٰ شخص کی کی طرح سانپ کے سوراخ میں دوبارہ ہاتھ نہیں ڈالتے۔"

اعلیٰ تحریر کے علامات

نمبر شمار	وصف	علامات
(۱)	صفائی دماغ	صاف و نمایاں حروف۔ حروف و سطر کے درمیان مناسب فاصلہ
(۲)	طاقت و قوت دماغی	پیوستہ تحریر، سطر ہموار۔ حروف کے معین دائرے و کشش
(۳)	قوت مطابقت	کاغذ اور جگہ کی مناسبت سے حروف و تحریر
(۴)	عقل و فراست	داہنی جانب جھکی ہوئی تحریر
(۵)	حوصلہ مندی	بلند حروف و تحریر
(۶)	خوش اخلاقی	بیضاوی تحریر
(۷)	اعلیٰ تربیت	تحریر جیسی پیشہ ور کاتب لکھتے ہیں، مگر پیشہ ور کی نہ ہو،
(۸)	مذاق سلیم	خولصورت رواں تحریر
(۹)	خلوص و دیانت	تحریر جس کے الفاظ کے آخری حروف واضح اور نمایاں ہوں۔
(۱۰)	اعلیٰ تخیل	دستخط جس میں پورا نام واضح ہو۔

دناءت انسان کی قوتیں تقریباً نامحدود ہیں۔ "وہ عیسیٰ بھی ہو سکتا ہے اور خرِ عیسیٰ بھی" میرا تو یہ خیال ہے کہ علویت کی جانب تو حدود پھر بھی قدرے معین ہیں۔ لیکن اسفل کی جانب انسان کی قوتیں صرف اوس کی مرضی پر منحصر ہیں، وہ چوری کرتا ہے، وہ زنا کرتا ہے، وہ قتل کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اوس سے وہ بداخلاقیاں بھی سرزد ہوتی ہیں۔ جو جانور اور چوپایوں سے بھی ناممکن ہیں اور جنھیں بیان کرتے شرم آتی ہے۔

علویت کی طرح دناءت کے بھی کئی مدارج ہیں۔

قسم اول۔ عوام الناس۔ ان میں وہ لوگ شامل ہیں۔ جو اپنی روزمرہ زندگی میں ہوشیار و چالاک ہیں۔ یہ زمانہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ذمہ دارانہ فرائض کی انجام دہی بھی ان سے ممکن ہے۔ ان کے نزدیک علویت و دناءت میں کوئی امتیاز نہیں۔ انکا معیار زندگی بھی معمولی ہوتا ہے۔

قسم دوم۔ انسانی زندگی کا ہر پہلو ایک معمہ ہے۔ جس کا حل خود اس کے ہاتھوں میں ہے اور اسی حل

میں اُس کی زندگی کا راز مضمر ہے۔ ایک دہقانی جاہل کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے گی اگر آسمان ٹوٹ کر زمین پر آجائے۔ سیارے متصادم ہوں۔ زمین زلزلوں سے تباہ و برباد ہو جائے۔ جب تک اوس کا ذریعۂ معاش درست و مناسب ہے اوس وقت تک اوس کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ وہ اوس جانب متوجہ ہونے سے انکار کرتا ہے۔ اوس کے معمولات (محنت و مزدوری۔ کھانا۔ اور سونا۔) میں اگر فرق نہیں آتا تو اوسے مطلب نہیں۔ اگر ملک میں برطانیہ کی حکومت رہے یا سوراج قائم ہو۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ وہ خوش بھی ہے۔ اوسنے کچھ رقم پس انداز بھی کر لی ہے۔ جو کبھی بھی بصورت قحط کافی نہیں ہو سکتی، لیکن اوس کی "حساب داں ذہنیت" اوس کو کافی سے زیادہ سمجھتی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ ترقی کسے کہتے ہیں۔ اوس نے کبھی اس پر غور بھی نہیں کیا کہ وہ اپنی حالت کو بہتر بنا سکتا ہے۔ جارج ایلیٹ (مشہور انگریزی ناول نویس) کا بیان ہے کہ اوس نے ایک بار ایک غریب جاں بلب ہمسایہ سے پوچھا کہ "کیا تم کوئی ایسی میٹھی دوا پینا چاہتے ہو، جس سے تمہاری تکلیف میں سکون ہو" اوس کا جواب تھا "دوا۔ اور میٹھی۔ میری زبان کیا میرے کان بھی اس سے آشنا نہیں۔ نہیں۔ تم مجھے دوا نہ دوگے۔ تم غلط کہتے ہو۔ آخری وقت میں تم ایک موہوم شے کی حرص پیدا کر کے میری تکلیف کو بڑھا رہے ہو۔"

آپ کو حیرت ہوگی کہ ایسے لوگ خوشی سے زندہ ہیں اور خوشی سے مرتے ہیں۔ اونکی زندگی معین معمولات پر مشتمل ہے۔ ہمسایہ سے جنگ، اعزہ اقارب سے جدل۔ بی بی کو تنبیہ یہ واقعات دوسروں کے لئے خلاف معمول ہوں لیکن اون کے لئے یہ بھی معلومات میں داخل ہے اس فن کے اعتبار سے ایسوں کی زندگی صفر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ نفسیات کا متعلم ممکن ہے کہ اون کی ظاہری صورتوں سے فریب میں آجائے لیکن ہم کبھی ان سے دھوکا نہیں کھا سکتے۔ دنیا کے نزدیک اونکی خاموشی فراست کی دلیل ہے، ایک عالم ہے کہ اون کی کم ہمتی کو احتیاط سے تعبیر کرتا ہے۔ چونکہ اون سے کوئی کام خلاف امید سرزد نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ اون کو صاحب عقل بتاتا ہے۔ وہ اپنے افعال کے لئے پارینہ امثلہ کو سند میں بھی پیش کر سکتے ہیں۔ گو ہم آپ اون کو جانور سے بھی بدتر سمجھکر نظرانداز کر دیں۔ لیکن دنیا اون کو فراست و دانائی کا مجسمہ سمجھتی ہے۔ یہ ہے دنائت کی دوسری صنف۔

قسم سوم۔ یہ دنیا کی بدترین مخلوق ہے۔ "یقولون مالا تفعلون" ان کا اصول عمل ہے، سوسائٹی ممکن ہے کہ سفید پوشش و غیر سفید پوش میں تفریق کر کے اول الذکر کی وجاہت سے مرعوب ہو جائے۔ لیکن عالم اخلاق دونوں کو برابر سمجھتا ہے بلکہ اول الذکر کو اجتماعی زندگی کے لئے زہر قاتل جانتا ہے، ایک چور سے آپ اپنا مال و اسباب محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ایک ریاکار سے حفاظت مشکل ہے۔ یہ شیطان صفت گروہ

دنیا کی بدترین معصیت کا مرتکب ہو سکتا ہے، اوس کی زندگی بدکاریوں کا نامتناہی سلسلہ ہے اور اوسکی حیات ظاہری ایک زبردست فریب۔

ادنےٰ تحریر کی علامات

نمبر شمار	عیوب	علامات
(۱)	بدمذاقی	بھدی تحریر۔ مصنوعی کشش و دائرے
(۲)	نفسانیت	بلند تحریر۔ (ادنیٰ قسم) جس میں مصنوعی ارتعاش ہو۔
(۳)	حمق و ابلہی	جامد و ساکن۔ تحریر کثرت سے زاویہ دار حروف۔
(۴)	پریشانئ خیال	منتشر تحریر
(۵)	خودغرضی	طویل تحریر
(۶)	خباثت	تنگ تحریر
(۷)	جہل	ناہموار تحریر
(۸)	کاہلی	پست تحریر
(۹)	مجرمانہ ذہنیت	تحریر جس کے حروف پتلے ہوں۔
(۱۰)	ضد۔ فضول گوئی۔	موٹی تحریر

آپ سے یہ پوشیدہ نہیں کہ دنیا میں عیوب و محاسن کے اقسام ہیں۔ کبھی ایک ہی صفت یا عیب اخلاق پر موثر ہوتا ہے۔ اور کبھی متعدد عیوب اور متعدد محاسن یا متعدد محاسن و عیوب کا اجتماع ایک نیا اثر پیدا کر دیتا ہے۔ یہ علم النفس کے حدود میں ہے مگر چونکہ اس علم سے بھی ہم کو اس وقت تعلق ہے۔ اس لئے فراست التحریر کے متعلم کا فرض ہے کہ وہ ان اجتماع کے اثرات کی صحیح تحلیل پیش کرے۔ یہی وہ تحلیل ہے جس کے نتائج کاتب کے مستقبل کا پتہ بتا سکیں گے۔ بہ طور مثال میں چند ایسی اجتماعی کیفیات کا اثر بیان کروں گا، مثلاً

(۱) عقل۔ ہمت۔ محنت کا اجتماع "کامیابی" ہوتا ہے۔

(۲)	عقل۔ ہمت	کا اجتماع	جوش۔ اگر اس جوش کا مصرف خراب رہا تو ناکامی۔
(۳)	فراست۔ تخیل	"	شاعری۔
(۴)	غرور۔ جہل	"	ناکامیابی۔
(۵)	خودغرضی۔ ہوشیاری	"	خباثت۔
(۶)	تخیل۔ خوش اعتقادی	"	توہم پرستی۔
(۷)	تخیل۔ اخلاقی جرات۔ استقلال	"	بدرجہ کامیاب کرتا ہے۔
(۸)	کمزوری اخلاق۔ دماغی مطابقت	"	فریب
(۹)	فضول گوئی۔ جہل	"	کاہلی
(۱۰)	عقل۔ تخیل	"	مآل اندیشی
(۱۱)	ضد۔ جہالت۔ بیکاری	"	بداطواری
(۱۲)	حرص۔ جھوٹ۔ خودغرضی	"	چوری و خیانت کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے۔
(۱۳)	لاپرواہی۔ کاہلی	"	گندگی
(۱۴)	حرص۔ ہمت	"	ظلم
(۱۵)	خودداری۔ جہالت	"	غرور
(۱۶)	علم۔ احساس فرائض	"	عمل

اسی طرح آپ تمامی اوصاف و عیوب کے اجتماعی اثرات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اخذ نتیجہ کے وقت یہ امر ملحوظ رہے کہ جو صفت یا عیب قوی الاثر ہوگا۔ اوس کا اثر غالب رہے گا۔ عقل و تخیل میں اگر عقل غالب رہی تو مآل اندیشی ہے اور اگر تخیل غالب رہی تو ناقابل عمل نظریات کی تخلیق کے سوا دماغ کا اور کوئی کام نہوگا۔

علم فراست التحریر

"لکھنے والے! کیا یہ تجھے معلوم نہیں کہ تیری تحریر کی زندگی تیری زندگی سے زیادہ ہے"
"تو مر جائے گا، لیکن تیری تحریر کی روشنی میں اہل نظر تیرے محاسن و معائب دیکھینگے"

(جان ٹرنر)

باب اول

فن کا مفید پہلو

میں نے اپنا کافی وقت اس فن کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور انگریزی زبان میں جتنی بھی کتابیں مجھے دستیاب ہوسکیں۔ میں نے اون کا بغور مطالعہ کیا۔ بقول ایلن پو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ:-

"انسان کے کسی واحد فعل یا ترک فعل سے آپ اوس کے خیالات، اخلاق، ذہنیت، نقائص ومحاسن کا صحیح پتہ نہیں چلا سکتے لیکن اگر کوئی واحد فعل ایسا ہے جس سے آپ بہت کچھ مفید نتائج اس کے متعلق اخذ کرسکتے ہیں، تو وہ اوس کی تحریر ہے۔"

تحریر انسان کی کیفیات دماغی کا آئینہ ہے۔ اوس کے معائب ومحاسن اوس سے مترشح ہوتے ہیں۔ علم قیافہ کے احکام غلط ہوسکتے ہیں، چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر کی شکل وصورت اصول قیافہ کی عدم تکمیل کا کافی ثبوت ہے۔ اسی طرح آپ کے ہاتھ کی لکیریں غلط پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ بجا جیت کے ہاتھ کے نشانات اس فن کے نقص پر دال ہیں۔ لیکن آپ کی تحریر آپ کے خصائل کی صحیح ترجمان ہے۔ کیوں، محض اس لئے کہ وہ آپ کا عمل ہے، اور آپ کا ہر عمل آپ کی آئندہ زندگی کی ترتیب تدوین میں ایک اہم حصہ لیتا ہے۔

بطور مثال آپ یوں ملاحظہ فرمائیں کہ اگر ایک شخص صاف وعمدہ کاغذ پر لکھتا ہے، اوس کے الفاظ واضح ونمایاں ہیں۔ حروف کی کشش صحیح ودرست ہے، مناسب وضروری حروف پر نقطے بھی لگے ہوئے ہیں۔ تو آپ یقین کرلیں کہ وہ شخص صفائی پسند ہے، وہ ہر کام کو مکمل طور پر کرنے کا عادی ہے، اوس کے خیالات پریشان نہیں ہیں۔ برخلاف اس کے اگر کاغذ گندہ ہے جس پر ادھر ادھر سیاہی کے دھبے ہیں۔ حروف کی کشش غیر مکمل ہے، الفاظ جابجا قلم زدہ ہیں۔ ضروری نقطے غائب ہیں۔ جابجا "کہ" "ہے" "نہیں" وغیرہ ایسے معمولی لیکن سیاق وسباق کے لئے ضروری الفاظ چھوٹے ہوئے ہیں تو آپ سمجھ لیں کہ اوس کا لکھنے والا، گندگی پسند، عجلت پسند، غیر مستقل اور غیر مرتب ذہنیت کا شخص ہے۔

بعض معترضین کا خیال ہے کہ ایک شخص کی تحریر عمر کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے اوس سے کوئی مستقل نتیجہ برآمد نہیں کیا جا سکتا۔ نیول (NEWELL) کی رائے ہے کہ یہ اعتراض خود ہمارے دعوے کو ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے خیالات واطوار میں بھی تو تبدیلیاں پیدا ہوا کرتی ہیں، اسلئے تحریر میں اون خصوصیات کا نمایاں ہونا ضروری ہے۔ نیول کے اس قول سے میں یہ اخذ کر سکا ہوں کہ صرف کسی کی تحریر محض تحریر کنندہ کے اون دماغی کیفیات کو بتا سکتی ہے جو بوقت تحریر موجود تھے، لیکن اگر وہ تحریر اون اوقات کی ہے جس وقت لکھنے والا اپنے طبعی خیالات وجذبات کا حامل تھا تو بیشک وہ اوس کے مستقل اخلاق کا پتہ دے سکتی ہے۔ اسی لئے خطوط سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ اکثر صحیح نہیں ہوتے اگر آپ اپنے دوست کو خط لکھ رہے ہیں تو آپ کا طرز تحریر نہایت سلیم ہوگا، لیکن اگر آپ کسی دشمن کو خط لکھ رہے ہیں تو کہیں آپ کی تحریر سے خشونت نمایاں ہوگی اور اگر آپ نے جذبات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تو کہیں مکر وفریب کا اظہار ہوگا۔

جذبات کے علاوہ لکھنے والے کی عمر کا بھی اوس کی تحریر پر اثر ہوتا ہے۔ اگر وہی تحریر ایک بچہ کی لکھی ہوتی ہے تو آپ اوسے معمولی خامی سمجھیں گے۔ لیکن اگر ایک معمر شخص بچوں کی سی تحریر لکھتا ہے تو اوس کے یہ معنی ہیں کہ اوس کے خیالات وتربیت میں معتدبہ خامیاں موجود ہیں۔

تیسرا اثر تحریر پر لکھنے والے کے پیشہ کا پڑتا ہے۔ ایک دفتر کا کلرک معمولی لیکن صاف لکھنے کی کوشش کرے گا۔ اول تو یہ اوس کے پیشہ کی خصوصیت ہے، دوسرے یہ کہ اوس کے حوصلے، اوس کی ہمت اور اوس کی عقل نہایت درجہ محدود ہے، دفتر اوس کی دنیا ہے، اور دنیا اوس کا دفتر ہے۔ میں نے ایک دفتر کے کلرک کو نیند میں انگلیوں کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے کہ وہ بہت خوش خط حساب لکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ برخلاف اس کے ایک باہمت اور حوصلہ مند شخص جو کسی معزز پیشہ میں ہو اور جس کے سامنے ترقی کی بیشمار راہیں کھلی ہوں وہ کبھی بھی خوش خطی کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اوس کے حوصلے، تحریر میں ایک روانی پیدا کردیں گے۔ اوس کی ہمت اوس کے خطوط کو پیوست کردے گی۔ اور اوس کی ترقی کی امیدیں اظہار خیال کے لئے کاغذ کی وسعت وعدم وسعت کو نظر انداز کردے گی۔ عقلائے زمانہ کی خصوصیت خاموشی رہی ہو زبانیں گو اون کی خاموش رہیں، لیکن اون کے "خیالات خاموش" ہمیشہ گویا رہے۔ رسول اکرم صلعم کے متعلق کارلائل نے جو لکھا ہے "کہ اون کے کان دیکھتے تھے اور آنکھیں سنتی تھیں" اس کے معنی بالکل یہی ہیں ہم آپ گفتگو میں وہ اثر نہیں پیدا کر سکتے جو خاموش امرسن (EMERSON) نے اپنی تحریر میں پیدا کر دیا ہے۔ فطرت کا اصول ہے کہ غیر مستعملہ طاقت وقوت اپنے اظہار کے دوسرے راستے اختیار کرتی ہو۔

چونکہ گفتگو اور تحریر اظہار خیال کے دو طریقے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی ایک قوت غیر مستعمل رہی تو دوسری قوت یقیناً ترقی پذیر ہو جائے گی۔

قومیت کا بھی ایک نہایت لطیف اثر تحریر پر پڑتا ہے۔ یہ اثر بھی اپنے ساتھ ایک مستقل تاریخ رکھتا ہے جو کسی قدر غائر مطالعہ کا محتاج ہے۔ یہ بحث بھی نہایت لطیف ہے اور امید ہے کہ آپ میری تحقیق کی تائید فرمائیں گے۔ ابتداءً انسان اپنے خیالات محض گفتگو سے ظاہر کرتا تھا۔ "گویائی اظہار خیالات کا فطری طریقہ ہے۔" تمدن کے نشوونما کے ساتھ ساتھ طرز تحریر کی ایجاد ہوئی۔ حروف کی ابتداء تصویر سے ہوئی۔ جس چیز کو انسان تحریر میں لانا چاہتا اوس کا نقشہ کھینچ دیتا۔ چینی تمدن دنیا کا قدیم ترین تمدن ہے چنانچہ اس نظریہ کی تائید چینی حروف سے ہوتی ہے۔

	قدیم طرز تحریر	معنی	موجودہ طرز تحریر
(۱)		آفتاب	
(۲)		پہاڑ	
(۳)		چڑیا	
(۴)	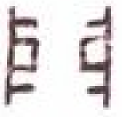	دروازہ	
(۵)		اوپر	
(۶)		نیچے	

مذکورہ بالا مثالوں سے شاید آپ میرے دعوے کی تائید میں کافی ثبوت پا سکیں۔ اسی طرح آپ دوسری زبانوں کے حروف کے متعلق نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ چونکہ دوسری زبانوں کے ارتقائی مدارج ہمارے پیش نظر نہیں اس لئے ہم چینی خطوط کسی طرح اون میں پیش تو نہیں کر سکتے۔ لیکن مذکورہ بالا بحث اور ثبوت کے بعد ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ دوسری زبانوں کے حروف بھی اسی طرح وجود میں آئے ہوں گے۔

مذکورہ بالا نظریہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اب آپ دوسرے امر پر غور فرمائیں۔

ہر ملک و قوم کے ابتدائی حروف و تحریر یقیناً اوس ملک و قوم کے ماحول سے متاثر ہو کر مرتب ہوئے

ہوں گے۔ اب آپ اوپر کے نقشہ میں نمبر ۲ کو ملاحظہ کریں جس سے آپ باسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس وقت یہ تصویری لفظ اختراع ہوئی۔ اوس وقت چین میں دروازے اسی صورت کے رہے ہوں گے۔ گو امتداد زمانہ نے مختلف اثرات کی باعث اوس کی موجودہ شکل ضرور تبدیل کردی ہے۔ اسی طرح اور زبانوں کا بھی حال رہا۔ اور اون میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی رہیں۔ لیکن اگر ہمارے سامنے اون کے ابتدائی حروف موجود ہوں تو ہم باسانی درمیانی مدارج کی توجیہ اون کے ماحول کی روشنی میں کرسکتے ہیں۔

ان دو قضیوں کو سامنے رکھنے کے بعد آپ باسانی اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ہر زبان کا طرز تحریر اہل زبان کے ماحول و گردوپیش کی کشمکش کا نتیجہ ہوتا ہے، میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ کسی زبان کی فطری آواز اہل زبان کے قومی کیرکٹر کا پتہ دیتی ہے۔ معنی برطرف، محض الفاظ کی آواز آپ کو اہل زبان کی سیرت کا راز بتادے گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جس زبان کا یہ شعر ہے۔

نازکاں را چو غم حال گرفتاراں نیست
سارباناں مددے۔ ناخوش و آساں بردم (حافظ)

. . . . . . اوس زبان کے حامل آرام طلب، سہولت پسند نہیں ہوئے۔ الفاظ کی موسیقی بتارہی ہے کہ ملک کی آب و ہوا خوش گوار ہے بہرحال تحریر پر قومیت کے اعتبار سے دو اثر پڑ سکتے ہیں۔ ایک تو وہ قدیم تمدن جس نے ہزارہا سال کی کشمکش کے بعد نفس زبان (تحریری) کو مرتب کیا ہے۔ اور دوسرا اثر خود اوس لکھنے والے کا ہوگا جس میں قومی خصائل موجود ہوں گے۔ شاید میرا مفہوم کسی قدر مزید توضیح کا محتاج ہے۔ بہ طور مثال آپکے سامنے اگر اردو کی تحریر کسی ہندی مسلمان کی لکھی ہوئی موجود ہو تو آپ کو ایک طرف خود زبان اردو کی خطی تدریجی تاریخ پر غور کرنا ہوگا اور دوسری طرف پہلے تو ایک مسلمان کی ذہنیت کا اندازہ کرنا ہوگا پھر اوس کے بعد بھی دیکھنا ہوگا کہ اس ملک کے اختلاط نے اوس میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کردی ہیں۔ اس قدر تحلیل کے بعد کہیں آپ اس وقت کو حل کرسکیں گے۔ ماہران فن نے صرف اسی قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ قومیت کا اثر تحریر میں نمایاں ہوتا ہے لیکن افسوس کہ اتنی بھی توضیح جس قدر میں نے کی ہے مجھے کسی کتاب میں نہ مل سکی۔ میں نے حتی المقدور اسے واضح کرنیکی کوشش کی ہے۔

عمر، پیشہ، اور قومیت کے اثرات کی وضاحت ہوچکی، لیکن محض یہ کافی نہیں ہیں۔ چوتھی لیکن آخری و اہم ضرورت لکھنے والے کے نام کی ہے۔ یہ بحث کا ٹکڑا اس درجہ تفصیل و بحث کا محتاج ہے کہ اس پر خود ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مگر موجودہ بحث کے لحاظ سے جس قدر وضاحت ضروری ہے اسکو پیش کرتا ہوں۔ مغربی مصنفین کی جتنی بھی کتابیں میری نظر سے گذریں کسی میں میں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ لکھنے والے

کا نام جاننا ضروری سمجھتے ہوں۔ بلکہ میں نے کہیں اس کا ذکر بھی نہیں دیکھا۔ لیکن یہ میرا خود خیال ہے کہ عمر، پیشہ اور قومیت سے زیادہ لکھنے والے کا نام جاننا ضروری ہے۔

مغربی عقلا، اب تک نام کے اثرات کے قائل نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابتک اونھوں نے اس صنف علم پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لیکن مشرق میں صرف نام سے موسوم کے خصائل وعادات اور عمر وغیرہ دریافت کرنا ایک فن ہے۔ میں نے اپنے ایک عربی داں دوست کے پاس ایک مبسوط قلمی کتاب عربی زبان میں اس فن پر دیکھی ہے سر نامہ چونکہ غائب تھا اس لئے مصنف اور کتاب کا نام معلوم نہ ہوسکا۔[۵] فاضل مصنف نے پہلے تو احادیث سے استدلال کیا ہے، بعد ازاں فلسفہ ونجوم سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر نام اپنے ساتھ اثرات رکھتا ہے بقول فاضل مصنف اس کے یہ معنی نہیں کہ جس شخص کا نام یوسف ہو وہ نہایت حسین ہو۔ یا جس کا نام فاطمہ ہو وہ خوش اخلاق ہی ہو۔ انسان کا خاندان، اوس کا آبائی، یا ذاتی پیشہ۔ اوس کی تعلیم وتربیت یہ سب اپنی اپنی جگہ پر موثر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تمامی بیرونی واندرونی اثرات کی تحلیل کی جائے اور بعد تحلیل سب اثرات جدا کردئے جائیں تو نام کا اثر باقی رہ جاتا ہے جو عموماً ناقابل نظرانداز ہوتا ہے۔

(بہ طور تلخیص ماسبق) آپ کے سامنے نہ صرف میں اس فن کی اہمیت پیش کرسکا۔ بلکہ میں نے یہ بھی عرض کردیا کہ اگر آپ کسی کی تحریر سے اوس کے اخلاق، عادات، کمزوریاں، معائب ومحاسن جاننا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو لکھنے والے کا (۱) نام (۲) عمر (بوقت تحریر) (۳) پیشہ (۴) قومیت معلوم کرنا چاہیئے۔ اگر مسلسل تحریر کے علاوہ کاتب کے دستخط بھی مہیا ہوسکیں تو بہتر ہے۔ اس لئے کہ عموماً دستخط کنندہ کے خیالات کا اندازہ اوس کے دستخط سے بھی ہوتا ہے۔ عموماً دستخط کا مقصد نام کا اختصار ہوتا ہے۔ جس سے کاتب کی شخصیت کا صحیح پتہ چلے۔ سیدھی، سادی تحریر میں جعل ممکن ہے۔ اس لئے کبھی دستخط کا یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ دستخط کی نقل اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہوجائے۔

نپولین اعظم کے دستخط مشہور ہیں۔ ۱۷۹۵ء تک (عروج شہنشاہیت سے قبل) اوس کے دستخط سے ہمت، حوصلہ مندی، فراست اور اعتماد نفس مترشح تھا۔ اوس کی طاقت میں جب ترقی ہوئی تو اوس کا دستخط مختصر ہونے لگا۔ ۱۸۰۴ء میں وہ صرف "نپولین" لکھتا۔ اوس کے دستخط کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ کبھی اوس کے دو دستخط یکساں نہ ہوتے۔ اس سے اس کی ظاہر اتلون پسند طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے

---

۵ مجھے نہایت درجہ افسوس ہے کہ میں اوس وقت اس کتاب کو حاصل نہ کرسکا۔ بعد میں دریافت سے معلوم ہوا کہ مالک کتاب کی ناقدری نے اوسے کیڑوں کی نذر کردیا۔

دستخط کے تحت میں ایک خط ضرور کھینچ دیتا۔ دورانِ جنگ میں جو دستخط ہوتے اوس کے تحت کی لکیریں موٹی ہوتیں۔ جس سے اوس کی درشتیٔ مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ اسٹرلٹز کی نمایاں فتح کے بعد اوس کے دستخط کا آخری حرف (N) سطر سے بہت بلندی پر پہونچ جاتا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اوس کا ستارہ انتہائی عروج پر تھا اور اوسکی حوصلہ مند طبیعت دنیا کو فتح کرنا چاہتی تھی۔

واٹرلو کی شکست کے بعد اوس کے دستخط بالکل بدل گئے۔ نہ وہ روانی تھی اور نہ حروف کی پوستگی دستخط کے نیچے کی لکیریں بھی وہ "اوج پسند کشش" نہ تھی۔ چونکہ آخر وقت تک وہ اس فکر میں رہا کہ قید سے آزاد ہوکر پھر حکومت حاصل کرلے اس لئے اوس کے دستخط کے تحت میں آپ کو ہمیشہ لکیریں ملیں گی۔ لیکن یہ وہ خط نہ تھے جن سے عزم و حوصلہ نمایاں ہو بلکہ اون سے ایک گونہ ضد اور کشمکش کا پتہ چلتا تھا۔

نیول کی رائے ہے کہ اگر دستخط بقیہ تحریر سے نمایاں اور وسیع تر ہے تو یہ سمجھنا چاہئیے کہ "دستخط کنندہ کو اپنی رائے پر بہت اعتماد ہے اور دوسروں کی رائے کو وہ حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے"۔ وہ حوصلہ مند ہے لیکن عجلت پسند۔ وہ بہادر ہے لیکن غیر مستقل مزاج۔ خوش قسمتی سے ہمارے سامنے امان اللہ خاں سابق امیر افغانستان کے دستخط موجود ہیں، جس سے اس نظریہ کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ امیر موصوف کے کیرکٹر پر یہاں بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں۔ لیکن اون کا گذشتہ انقلاب افغانستان کے ماقبل ومابعد کا طرز عمل میرے دعوے کی بین دلیل ہے۔

باب دوم

اندرونی کیفیات کا اثر تحریر پر

میں نے آپ کے سامنے ایک مختصر خاکہ اس فن کے اُصول کا پیش کر دیا۔ لیکن ابتک میں نے زیادہ تر بیرونی اثرات سے بحث کی۔ مثلاً نام۔ عمر۔ پیشہ اور قومیت۔ مگر اب میں خود تحریر کی خصوصیات سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔

مذکورہ بالا امور کے دریافت کے بعد متعلم کا فرض ہے کہ وہ نفس تحریر کا بغور مطالعہ کرے۔ انسان کی طرح اوس کی تحریریں بھی تین اقسام کی ہوتی ہیں۔

(۱) اعلےٰ (۲) اوسط (۳) ادنےٰ [ا]

اعلےٰ تحریر کی شناخت نہایت آسان ہے۔ خط میں صفائی۔ تحریر میں روانی۔ حروف میں پیوستگی الفاظ کا مناسب اتحاد۔ جا بجا خوب صورت دائرے۔ سطر برابر۔ مناسب جگہوں پر نقطے۔ بین السطور صاف دکھیاں عبارت یا الفاظ شاذ و نادر قلمزدہ۔ ترمیمات واضح۔ خود تحریر پکار اوٹھے گی کہ یہ اعلےٰ کیرکٹر کا آئینہ ہے۔

معمولی تحریر کی شناخت بھی مشکل نہیں۔ کبھی تو خیالات کی پریشانی کا اظہار خطوط و سطر کی پریشانی میں نمایاں ہوتا ہے۔ کبھی اوس کی تحریر بالکل ایک کلرک کی تحریر کی طرح "خاموش اور مردہ" ہوتی ہے گو صاف ہوتی ہے۔ لیکن وہ صفائی بجائے دلپذیر ہونے کے "ویرانی" ظاہر کرتی ہے۔ اعلےٰ تحریر کی صفائی کی مثال اوس چمن کی روشنی کی ہے جس پر سبزے اُگے ہوئے ہیں۔ لیکن گرد و غبار و کثافت کا نام نہیں۔ متوسط تحریر کی صفائی اوس ویران لیکن صاف میدان کی سی ہے۔ جہاں سبزہ کا نام نہیں۔ اس نوعیت کی تحریر کے متعلق میں صرف یہ رائے قائم کر سکا ہوں کہ اعلےٰ وادنےٰ تحریرات کے علاوہ جو تحریر ہو وہ متوسط ہے، معمولی تحریر اوس معمولی انسان کی مانند ہے جس میں اگر دس خوبیاں ہیں تو دس عیوب بھی موجود ہیں۔

[ا] دراصل تقسیم ادنےٰ و اعلےٰ ہی ہے۔ درجہ اوسط دونوں کا امتزاج ہے۔ اسکی مفصل تشریح آئندہ ملاحظہ ہو۔

ادنیٰ تحریر کی شناخت گو آسان ہے، لیکن غائر مطالعہ کی محتاج ہے۔ حروف غیر مکمل، کشش و دائرے بے ربط، الفاظ پریشان، ہر نقطہ دار حرف پر نقطہ دینے کی کامیاب و ناکامیاب کوشش۔ سیاہی کی غیر موجودگی کے باعث جا بجا غیر نمایاں حروف و دائرے، کہیں کشش و دائرے میں اختراع بھی کی تو نہایت بدنما سطر کج۔ تحریر میں آورد۔ یہ سب ادنےٰ تحریر کی نمایاں خصوصیتیں ہیں۔ ادنےٰ و اعلےٰ تحریر سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہر خوش خط تحریر اعلےٰ ہے اور ہر بدخط ادنےٰ، کبھی حالت بالکل اس کے برعکس ہو جاتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ بد باطن عموماً صاف لکھنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے کہ اوسکی زود پسند طبیعت اُسے ریا پر مجبور کرتی ہے۔

میرا یہ قطعی خیال ہے کہ ایک فریب پسند شخص غلط لفظ یا حرف کو قلمزد کرکے کبھی صحیح لفظ یا حرف علیحدہ نمایاں جگہ نہیں لکھے گا۔ بلکہ ہمیشہ اوسی غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کرے گا۔ عبارت کی ترمیم و تنسیخ بھی اپنے ساتھ خاص معنی رکھتی ہے۔ اگر غلطی اس طرح قلمزد کی گئی ہے کہ پڑھی نہ جائے تو سمجھ لیجئے کہ لکھنے والا صاحب شرم ہے اور اپنی غلطی کو دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا۔ اور اگر عبارت اس طور پر قلمزد ہے کہ آپ اوسے بآسانی پڑھ سکتے ہیں، تب یہ کاتب کی "استغنا، رازداری" پر دال ہے۔ ایسا شخص کسی کا رازدار نہیں ہوسکتا۔ متعدد جگہ قلمزدہ عبارت و الفاظ کاتب کی پریشانی دماغ ظاہر کرتے ہیں۔ قلمزدہ الفاظ و عبارت کے اوپر اگر ترمیم شدہ عبارت و الفاظ موجود ہیں تو اس سے حوصلہ مندی ظاہر ہوتی ہے اور اگر اسی سطر میں ہے تو وہ معمولی ذہنیت کا شخص ہے، اور اگر زیرین سطر ہے تو اس سے کاتب کی دنائت ظاہر ہوتی ہے۔

عام علامات میں تحریر کی نشست و صفائی بھی قابل لحاظ ہے۔

جیسا میں عرض کر چکا ہوں کہ صفائی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک میدان و ریگستان کی اور دوسرے سبزہ زار کی۔ اول الذکر متوسط یا ادنےٰ ذہنیت کی علامت ہے اور موخر الذکر اعلےٰ التخیل کی نشانی۔ دونوں میں امتیاز کرنا، تجربہ اور حسن نظر پر منحصر ہے۔ بہرنوع چند ظاہری علامتیں بھی ہیں جن سے آپ تفریق کرسکتے ہیں۔ اگر صفائی بالقصد ہے اور تحریر میں تصنع ہے تو اس سے کاتب کی ریاکارانہ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا شخص موجد شاعر۔ یا فنون لطیفہ کا ماہر نہیں ہوسکتا۔ اگر صفائی میں "آمد" ہے اور تحریر میں روانی و یکسانیت ہے تو اس سے کاتب کا عزم، ہمت اور فنون لطیفہ سے اشتیاق ظاہر ہوتا ہے۔ حروف کا تناسب اور پیوستگی اعلےٰ التخیل کی علامت ہے۔ آپ ذیل کا دستخط بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تو آپ کو میرے دعوے کی تائید میں کافی ثبوت ملیں گے۔ صاحب دستخط کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔

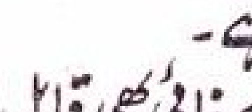

باب سوم

مخصوص علامات

کسی تحریر کی عام خصوصیات دریافت کرنیکے بعد، متعلم کا فرض ہے کہ اپنے نتائج کو مخصوص علامات کی روشنی میں دیکھے ۔ عام علامات میں اکثر غلطی کا امکان ہے ۔ اس لئے جب تک مخصوص علامات بھی پیشِ نظر نہ رہیں اوس وقت تک صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا ۔

عموماً انسان داہنے ہاتھ سے لکھتا ہے اس لئے کسی زبان کے حروف ہوں وہ عموماً داہنے جانب جھکے ہوئے ہوں گے ۔ ماہرینِ فن کا خیال ہے کہ عموماً یہ جھکاؤ ۴۵ ڈگری کا ہوتا ہے ۔ ایسی تحریر کا کاتب سلامت روی کو بہتر سمجھتا ہے ۔ وہ خطرات سے پرہیز کرتا ہے ۔ اگر ۴۵ ڈگری سے زیادہ جھکاؤ داہنی جانب ہو، تو کاتب ذکی الحس ہے ۔ اگر ایسی تحریر عورت کی ہے تو وہ اختناق الرحم میں مبتلا ہے ۔ اگر جھکاؤ بالکل سطر سے ملا ہوا ہے تو اوس صورت میں کاتب یا تو غیر معمولی طور پر ذہین ہے یا مجنوں ۔ وہ تحریر جو بائیں جانب کو جھکی ہوئی ہو اوس کا کاتب مشتبہ چال چلن کا شخص ہوگا ۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایسی تحریر کے کاتب خواہ کتنے ہی نیک نفس ہوں لیکن اون کی اندرونی زندگی میں کوئی نہ کوئی زبردست خامی ضرور موجود ہوگی ۔ ایک میرے ملاقاتی (جن کا نام لینا قرینِ مصلحت نہیں) جو نہایت ممتاز عہدہ پر سرفراز ہیں ۔ اون کی حسب ذیل تحریر ملاحظہ ہو ۔

میرا ذاتی تجربہ اون کی اندرونی زندگی کے متعلق نہایت تلخ ہے ۔ وہ لوگ جو اونکے صرف ظاہری زندگی سے واقف ہیں ۔ وہ کبھی اون کی بابت اون کمزوریوں کا شبہ بھی نہیں کرسکتے ۔ ایسی تحریر بعض اوقات اسکول کے اساتذہ، کاپی نویس اور کلرک کی بھی ہوتی ہے ۔ لیکن اوس حالت میں اون کی تحریر سے یہ نتائج برآمد کرنا غلطی ہوگی ۔ بعض تحریریں بالکل سیدھی ہوتی ہیں ایسی تحریر کے کاتب نیک نفس و رحم دل ہوتے ہیں ۔

لیکن اون میں جوش و شوق تقریباً مفقود ہوتا ہے۔
ایک عجلت پسند شخص جاذب کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ کاغذ پر دھبہ آجاتا ہے۔ یورپ میں عموماً خودکشی سے قبل جان دینے والا کوئی نہ کوئی تحریر ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ ایسی ہزارہا تحریروں کو دیکھنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اس جنون میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اون کی سطریں عموماً نیچے کی جانب مائل ہوتی ہیں وہ سطریں جو اوپر کی جانب مائل ہوتی ہیں۔ اون سے کاتب کی "سعی پسند" حوصلہ مند فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اول الذکر تحریر سے کبھی ضد اور خشونت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگر سطریں اوپر کی جانب بہت چڑھی ہوئی ہیں۔ تو اس سے کاتب کی عملی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ وہ خیالی گھوڑے بہت دوڑائے گا۔ لیکن عملی زندگی اوس کی کمزور و خام ہوگی۔ خصوصاً اوس صورت میں جب اوپر کی جانب ۴۰ ڈگری یا اس سے زیادہ کا میلان ہو۔ سطریں اگر نشیب و فراز ہے تو وہ دلچسپ لیکن بے وفا دوست ہوگا۔ اگر ہر سطر کے ابتدائی الفاظ سطر سے کسی قدر اوپر ہوں تو سمجھ لیجیے کہ کاتب کو اپنی زندگی میں سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ لیکن وہ باہمت و مستقل مزاج ہے۔

آج یورپ اور خصوصاً فرانس میں ملازمت کی درخواستیں امیدوار کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لی جاتی ہیں۔ ماہرین فن کا خیال ہے کہ وہ امیدوار کی اخلاقی حالت کا صحیح اندازہ اس سے کر سکتے ہیں۔ ملر (MILLER) کا خیال ہے کہ مجرمانہ ذہنیت کے دریافت کا صحیح و کبھی نہ غلط ہونے والا طریقہ محض مجرم کی تحریر کا امتحان ہے۔ اوس کا خیال ہے کہ پیشہ ور مجرم مثلاً جعل ساز۔ ڈاکو وغیرہ کے خطوط کے زیریں دائرے کبھی بھی صاف نہ رہیں گے۔ پہلی نظر میں تو یہ معلوم ہوگا کہ سیاہی کی کمی پڑ گئی ہوگی۔ لیکن خوردبین آپکو بتا دے گی کہ یہ اوس کی تحریر کی خصوصیت ہے۔ نیول کا خیال و تجربہ ہے کہ جرائم پیشہ اشخاص کے خطوط بہت خوب صورت۔ صاف لیکن چھوٹے ہوتے ہیں۔ ضمیر ایمانی کی کمزوری اوخفیں بڑے اور نمایاں حروف لکھنے سے منع کرتی ہے۔ حروف کی خوب صورتی اون کی بدترین طینت کی قوت متعارضی کا اثر ہے۔

بسا اوقات آپ نے ایسی تحریریں بھی دیکھی ہوں گی، جن میں حروف کی ابتدائی یا آخری کشش اور اون کے دائرے خوب صورت اور دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ کشش اور دائرے بالقصد نہیں بنائے گئے ہیں تو یہ بھی کاتب کے اخلاق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اگر یہ کشش و دائرے ساری تحریر میں یکساں ہیں تو اس سے کاتب کی شخصیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن اگر کم ہیں تو اس سے اوس کی دماغی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ بسا اوقات مغرور و متکبر اشخاص کی تحریریں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ اگر کشش و دائرے بدنما ہیں تو اس سے کاتب کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اکثر اشخاص جملہ کے ابتدائی الفاظ نمایاں لکھتے ہیں۔ اس سے کاتب کا تکبر ترشح ہوتا ہے۔ بہت سی ایسی بھی تحریریں آپ کو ملیں گی۔ جن میں جملوں کے آخری الفاظ یا حروف میں کشش ہوتی ہیں۔ ایسی تحریر کا کاتب اکثر دور اندیش ہوتا ہے۔ اور اوس کی آنکھیں ہمیشہ نتیجہ و انجام پر لگی رہتی ہیں۔ مگر اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کشش ہمیشہ صحت اخلاق کی علامت ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ایسے اشخاص خراب و ناجائز ذرائع سے حصول مقصد کے عادی ہوتے ہیں۔ اون کے نزدیک ذرائع خراب ہوں یا اچھے، اون کا مقصود پورا ہونا چاہیئے۔

آپ کو یہ معلوم کر کے شاید تعجب ہو کہ تحریر سے کاتب کے امراض جسمانی و دماغی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ باڈول (BODWELL) کا خیال ہے کہ وہ دل و دماغ کے مریضوں کو بآسانی اون کی تحریروں سے پہچان سکتا ہے۔ میرا تجربہ دماغی مریضوں کے متعلق ناقص ہے۔ اس لئے میں خود اپنا تجربہ اس کے متعلق نہیں پیش کر سکتا۔ مصنف مذکور کا تجربہ ہے کہ دماغی مریضوں کی تحریر میں روانی نہیں ہوتی اور اوس کی سطریں عموماً بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور حروف میں پیوستگی نہیں ہوتی۔ میں خود دل کے مرض میں مبتلا ہوں، اس لئے میں نے ایسے مریضوں کی متعدد تحریروں کا بغور مطالعہ کیا اور شاید میں اون کی قطعی علامات آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ دل کے مریض کی تحریر میں شگفتگی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لفظ متعدد حروف متحد کر کے لکھا جاتا ہے، تو اوس کی تحریر میں کبھی آپ حروف کی واضح تقسیم نہ پائیں گے۔ ضعیف القلب عموماً عجلت پسند ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس تقسیم کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اوس کے دائرے بھی عموماً کشش کی صورت میں ہوں گے۔ وہ عموماً اون نقطوں کے دینے سے پرہیز کرے گا۔ جن کے بغیر حروف آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ اوس کے نقطے عموماً غیر واضح ہوں گے۔ اور عموماً وہ دو نقطوں کا کام ایک ہی نقطہ سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اوس کی تحریر میں وہ عیوب جو دماغی نقص کے باعث پیدا ہوتے ہیں موجود نہ ہوں گے۔ اوس کی تحریر میں ایک قسم کی آورد ہوگی۔ اوس کی تحریر کا جمود محض اُس سکون کا اثر ہے، جس کی ضرورت اوس کا قلب محسوس کرتا ہے۔ چونکہ مریض قلب جرم کی جانب کم مائل ہوتا ہے، اس لئے اوس کی تحریر میں مشکوک حروف کم ہوں گے۔ وہ غلط عبارت کو کاٹ کر اوسی کو صحیح کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

بعض علامات ایسی بھی ہیں۔ جن سے آپ مرد و عورت کی تحریر میں تفریق کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں چونکہ تعلیم نسواں تقریباً مفقود ہے، اس لئے اون کی تحریر کی شناخت تو نہایت آسان ہے۔ اسی لئے اس باب میں مجبوراً مجھے مغربی مصنفین کے تجربہ پر بھروسہ کرنا پڑا۔

گو یورپ میں نسائی ترقی کی ابتداء ملکہ الیزبتھ کی تخت نشینی سے ہوتی ہے۔ لیکن واقعتاً اون کی ترقی کی نمایاں خصوصیات بیسویں صدی سے شروع ہوتی ہیں۔ انیسویں صدی تک عورتیں نازک و کمزور

سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ اب مغربی عورتیں اس لقب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ انیسویں صدی تک یہ عام رواج تھا کہ مرد اپنی جگہ ٹرینوں میں عورتوں کو دیدیا کرتے تھے اور خود کھڑے رہتے، لیکن اب اگر کوئی یہ کرتا ہے تو اوسے عورتیں اپنی حقارت سمجھتی ہیں۔ انیسویں صدی تک اون میں متعدد اخلاقی کمزوریاں تھیں، تو اوس وقت تک اون کی تحریر بھی مخصوص تھی۔ جس سے خود متعدد عیوب مترشح تھے۔ اون کا خط بائیں جانب کو جھکا رہتا تھا اور اوس کو (LADYS HAND) یا عورتوں کا طرز خط کہتے تھے۔

گزشتہ صفحات میں میں اس قسم کی تحریر کی خصوصیات عرض کر چکا ہوں۔ جسکی تکرار یہاں بے سود ہے۔ بہر نوع بیسویں صدی سے یہ طرز تحریر مفقود ہو گیا اور اب مرد و عورت کی شان خط میں کوئی اصولی امتیاز باقی نہیں رہا۔ اس امتیاز کے فقدان نے ماہرین فن کی مشکلوں میں بیحد اضافہ کر دیا۔ دوسری وقت مغربی عورت کی مردانہ روش کی تقلید ہے، جس نے مشکل کو اور بھی بڑھا دیا اور اب اون کی تحریر کی لطافت آمیز خصوصیت بھی تقریبًا جاتی رہی۔

عورتوں کے حروف عمومًا چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر حروف میں کشش ہوتی بھی ہے تو وہ سطر کے بالائی یا زیریں حصہ میں نہیں بلکہ سطر کے برابر۔ عورت فطرتًا ہوشیار اور ذکی الحس ہوتی ہے۔ اس لئے آپ اوس کی تحریر میں یہ دو باتیں ضرور پائیں گے۔ چونکہ زمانہ نسوانی ترقی و عروج کا ہے، اس لئے عمومًا اون کی سطریں اوپر کی جانب چڑھی ہوئی ملیں گی۔ پیوستگی عورت کی تحریر کی نمایاں خصوصیت ہے۔

باب چہارم

آپ کا مستقبل

میں "مقدرات" کا معتقد نہیں۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں "تدبیر" کا بھی ہمہ تن گرویدہ نہیں۔ دنیا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً جس قدر اول الذکر عقیدتمندیوں نے نقصان پہونچایا ہے وہ اک داستان کی محتاج ہے۔ کبھی ہم ترک سعی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مقدر میں ہوگا تو ملے گا۔ اور کبھی اپنی مجبوریوں کی زحمت کو یہ کہکر مطمئن کردیتے ہیں کہ "یونہی مقدر میں لکھا تھا" تدبیر پر ہمہ تن بھروسہ بھی غلط ہے، میں آج کتنی ہی کوشش کیوں نہ کروں، لیکن بادشاہ نہیں بن سکتا۔ اصلیت یہ ہے کہ ہماری زندگی تمامتر حصول مواقع پر منحصر ہے جس گردوپیش میں انسان رہتا ہے اوسی کے لحاظ سے اور مناسبت سے مواقع پیش آتے ہیں۔ اگر انسان نے اوس سے فائدہ اوٹھایا، اوس کی تدبیر کارگر ہوئی اور وہ "خوش قسمت" کہلایا۔ اگر اون مواقع سے اوس نے فائدہ نہیں اوٹھایا۔ اوس کی تدبیریں خاک میں مل گیئں۔ اور وہ بدقسمت ہے۔ آپ اگر خود کو بدقسمت سمجھتے ہیں تو اپنے گریبان میں سر ڈالئے اور شمار کیجئے کہ کتنے عمدہ مواقع آپ نے ترک کردئے، کتنی غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں۔ اگر آج وہ غلطیاں آپ سے سرزد نہ ہوتیں تو یقیناً آپ بھی خوش قسمت ہوتے۔

اس عقیدہ کا حامل ہوتے ہوئے میں مغربی مصنفین کی طرح کبھی بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا کہ تحریر قسمت پر، یا قسمت تحریر پر موثر ہوتی ہے۔ واقعیت صرف اس قدر ہے کہ محاسن زندگی کو کامیاب بناتے ہیں اور معائب ناکام۔ بقول نیٹشے (جرمن مصنف و فلاسفر) میرے نزدیک کامیابی کا یہ بھی معیار نہیں کہ دنیاوی عروج میسر ہو۔

کوشش سے مراد "کوشش جائز" ہے۔ ایسی صورت میں میں صرف یہ نظریہ پیش کرسکتا ہوں کہ اس فن کا ماہر آپ کے نقائص بتاکر خطرات کو پیش کردے گا۔ جو ان نقائص کے لازمی نتائج ہیں۔ اب یہ صرف آپ کا کام ہے کہ آپ اون خطرات سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ آپ کی تحریر آپ کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ ایک نظر غائر آپ کے محاسن و معائب سے آپ کی آئندہ زندگی کی کامیابی و ناکامی کا.

بآسانی پتہ چلا سکتی ہے۔ ماہر فن کا فرض ہے کہ نہ صرف اون نقائص کو آپ پر واضح کرے بلکہ اون کے دفعیہ کی تدبیر بھی بتائے جو صرف اون بداخلاقیوں کے ترک میں شامل ہوگی وہ نہ تعویذ ہوگا اور نہ کوئی دوا۔ بداخلاقی کی دوا صرف ترک بداخلاقی ہے۔ ممکن ہے کہ "کثرتِ عصیاں" نے احساس معصیت فنا کر دیے ہوں۔ اور انسان جس حالت میں ہو اوس میں خوشی محسوس کرتا ہو، لیکن معلم اخلاق اس بے حسی کو اصل بداخلاقی سمجھکر سب سے پہلے اسی کی دوا کرے گا۔

اس فن کا ماہر کوئی پیغمبر نہیں ہوتا جو یہ بتا سکے کہ آیندہ آپ کو خزانہ ملے گا یا نہیں۔ وہ تو صرف ایک "شاعر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی ذکاوت لفس ایک آئینہ کی مانند آیندہ واقعات کا عکس حاصل کرتی ہے۔ اگر آپ کی تحریر اور آئینہ کے درمیان دوسری دگر نیوالی قوتیں کارفرما ہیں تو ممکن ہے کہ عکس دھندلا ہو یا عکس نہ بھی پڑے۔ یہ فن حساب و ہندسہ کی طرح معین علوم میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ ٹائپ رائٹر و دیگر ایسی مشینوں کی ایجاد نے اس فن کی اہمیت کم کرنے کے بجائے بہت بڑھا دی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب ہر تحریر مشین سے ہونے لگے گی اوس وقت دستخط (اس لئے کہ دستخط کبھی بھی متروک نہ ہوگا) انسانی اخلاق کے پرتو کا صحیح مرکز ہوگا۔

اب آپ چند نکات اس کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائے۔

اگر آپ کی تحریر داہنی جانب جھکی ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تخئیل بلند ہے اور آپ ذکی الاحساس ہیں۔ لیکن آپ اس سے خوش نہ ہوں۔ اس لئے کہ ان محاسن کا ایک تاریک پہلو بھی ہے یعنی قوت ارادی کی کمزوری۔ آپ خیالی محل اچھے بنائیں گے۔ لیکن آپ کی قوت عمل کی کمزوری آپ کو دنیا میں کامیاب انسان نہیں بننے دے گی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ قوت ارادی کو مستحکم کریں۔ خیالات کی پرواز ترک کریں۔ جذبات انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ میں منطقی ذہنیت کو عیب سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ کا فرض ہے کہ آپ خود کو جذبات سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ اس لئے کہ اگر ایک "منطق کی کشتی ڈوب سکتی ہے" تو صاحب جذب کی کشتی کا سنگِ حقیقت سے متصادم ہو جانا زیادہ ممکن ہے۔

اسی طرح اگر آپ کی تحریر منتشر ہے تو اس سے آپ کی پریشانی خیال معلوم ہوتی ہے۔ اصل خوشی جمعیت خاطر ہے۔ اگر آپ کے پاس دنیا کی دولت ہے۔ لیکن جمعیت خاطر نہیں تو آپ کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہو سکتی۔ آپ اگر غور کریں گے تو آپ کی پریشانی خاطر کے اسباب یقیناً آپ کی اخلاقی کمزوریوں میں مضمر ہوں گے۔ آمدنی سے زیادہ خرچ۔ دوسروں کے معاملات سے غیر معمولی دلچسپی وغیرہ وغیرہ بھی چند اسباب پریشانی خاطر کے ہو سکتے ہیں۔ اب ان کا علاج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے آپ یقینی سمجھ لیں کہ بغیر جمعیت

خاطر آپ دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہمارے رنج و غم کے اسباب عموماً ہماری خود غرضی، حسد، قوت ارادی کی کمی، نامناسب تخیل، کاہلی، بے صبری، وغیرہ وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ خدا کی پرستش کا اصل مقصود ان معائب کا ترک کرنا ہے۔ مگر افسوس کہ کتنے ہیں، جنھوں نے خدا کی ظاہری پرستش کو خود مقصود سمجھ رکھا ہے۔ اس ذریعہ اور مقصود کا اختلاط ہمارے زوال کا تنہا سبب ہے۔ ان معائب کی موجودگی میں خدا کی پرستش "لہو و لعب" سے کم نہیں۔ اسی عدم امتیاز کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاق روز بروز خراب ہوتے گئے۔ اور مذہبی فروع میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی۔ ان بداخلاقیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری پرستش بھی قائم نہ رہ سکی۔ یہی سبب ہے جو آج آپ مسجد و مندر کو ویران پاتے ہیں۔ "غیر مرتب زندگی خود اپنا شکار ہے"۔ انسان نے حقیقت سے منھ موڑ کر سہولت کے لئے اپنے نفس پر خدا کی پرستش شروع کر دی۔ "میں" "میرا" "میرے مقاصد"۔ یہی الفاظ ہیں جو آج ہماری زبان پر ہیں۔ اور انھیں کا مفہوم ہمارا معبود ہے۔ خود غرض خود اپنا دشمن ہے۔ کاہل اپنا آپ دشمن ہے۔ یہ ہیں ہماری پریشانیٔ خاطر کے اسباب۔

اگر آپ کی تحریر سے قوت ارادی کی کمزوری مترشح ہے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اسے مستحکم کرنیکی کوشش کریں۔ قوت ارادی کی کمزوری عموماً یا تو معیار اخلاق کی خرابی کی باعث پیدا ہوتی ہے یا غیر موجودگی اس کا سبب ہوتی ہے۔ زندگی نام ہے کسی "اسوۂ حسنہ" کو پیش نظر رکھ کر اس پر عمل کرنے کا۔ ترتیب و تربیت بغیر نمونہ ناممکن ہے۔ یہ سبب آپ کی قوت ارادی کی کمزوری کا ہے۔

کامیابی "اضافی" کیفیت ہے۔ ہر شخص اس کا مختلف معیار رکھتا ہے۔ ایک گدا ایک روٹی کا ٹکڑا پاکر خوش ہوتا ہے۔ اور آپ سکندر اعظم کی طرح "فتح کے لئے مزید دنیا" کے متلاشی ہو سکتے ہیں۔ اس تفریق کا سبب بھی وہی اختلاف معیار ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بلندی حوصلہ ترتیب حیات میں معین ہوتی ہے اور حصول معیار میں بھی اس سے بے حد مدد ملتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی تحریر سے قوت عمل کی کمی ظاہر ہوتی ہے تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آپکے حوصلے یا آپ کا معیار آپ کی قوت و وسعت سے بالاتر ہے۔ منصور و فرعون دونوں الوہیت کے مدعی تھے اور دونوں فنا کر دئے گئے۔ فرعون قابل لعنت صرف اس لئے ہے کہ اوس سے غیر تدریجی ترقی کی کوشش کی اور اوسکا دعوےٰ اوس کی وسعت سے باہر تھا۔ منصور کو بھی وہی سزا ملی۔ لیکن وہ مطعون نہیں ہوا اس لئے کہ انھوں نے "عرفانِ نفس" کے بعد "عرفانِ الٰہی" کا دعویٰ کیا تھا۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ منزلِ مقصود تک رسائی کامیابی کی دلیل تھی۔ اگر آپ میرے اس...

ماہر فن کی نصیحت سعی سے آپ دل برداشتہ نہ ہوں موجود ہیں۔ تو آپ کی سعی آپ کی کامیابی ہے۔ اگر اون کے افعال کے ظاہری نتائج دیکھے اکثر بُرے بہ ظاہر خوش ہیں۔ اور اچھے بہ ظاہر رنجیدہ۔ ممکن ہے کہ مذہب اس کا کوئی دوسرا حل پیش کرے۔ لیکن جائیں تو اصول اخلاق میں فرق آتا ہے۔ اعلےٰ فلسفہ سے اس کی توجیہ صرف یہ کی ہے کہ محاسن و معائب خود مقصود ہیں۔ خوشی تو احساس و عدم احساس پر منحصر ہے۔ بہ ایں ہمہ آپ اہل عیب کو سچی خوشی کا حامل نہیں کہہ سکتے۔

باب پنجم

جعل اور ماہرانِ فراست التحریر

زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایسے جرائم کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ جس میں ہنر، عقل، و چابکدستی سے کام لیا جاتا ہے۔ دیہاتوں میں تو اب بھی نقب زنی کی وارداتیں سننے میں آتی ہیں۔ لیکن شہروں میں یہ صورت جرم تقریباً معدوم ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یورپ میں شاذ و نادر نقب زنی ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ چوری یا بددیانتی کم ہے۔ بلکہ چوری کے طریقے نقب زنی سے زیادہ ماہرانہ اختیار کئے جاتے ہیں آج فریب و جعل کی کثرت ہے، ایک عالم ہے جو دوسروں کی حماقت اور جہالت سے فائدہ اوٹھا کر فریب کی روٹیاں کھا رہا ہے۔

تحریر کی ایجاد کے ساتھ ساتھ جعل کا جرم لازماً پیدا ہو گیا۔ انجیل و قرآن کی تحریف جعل کی بدترین مثالیں ہیں۔ یورپ میں، اس جرم کی سزا عام طور پر جلاوطنی اور غلام کے لئے موت قرار دی گئی تھی۔ بعد کے قوانین نے سزائیں ترمیم کیں۔ آج ہندوستان میں جو تعزیری قانون جاری ہے اوس میں دو سال سے لے کر حبس دوام (دفعہ ۴۶۷) تک کی سزائیں تجویز ہیں۔

اس وقت جعل کے ثبوت کے لئے قانون نے چار طریقے تجویز کئے ہیں۔

(۱) چشم دید شہادت۔

(۲) ماہرانِ تحریر کی رائے۔

(۳) ملزم کی تحریروں سے واقف کاروں کی رائے۔

(۴) اصلی و جعلی تحریروں کے مقابلہ کے بعد خود عدالت کی رائے۔

نمبر ۱ و ۳ و ۴ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے مبحث سے اون کی رائے اور اون کے دلائل خارج ہیں۔ ہمیں صرف نمبر ۲ سے سروکار ہے اس لئے کہ وہ بحیثیتِ عالمِ فن ایک رائے رکھتا ہے۔ چونکہ

اس فن کے فرضی ماہرین علم فراست التحریر سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس لئے اون کی رائے عموماً ناقابل اعتبار رہتی ہے۔ اون کا طریقۂ امتحان محض حروف کی پیمائش ہے، وہ اصلی وجعلی کی تصویریں لیتے ہیں۔ اوس کو وسیع کرتے ہیں۔ دونوں کے دائرے اور حروف کی پیمائش کرتے ہیں اور مماثلت اور غیر مماثلت سے جعلی و اصل تجویز کرتے ہیں۔ مگر انسانی قوت نقل اس درجہ زبردست ہے کہ یہ طریقۂ امتحان مطلق تشفی بخش ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہی سبب ہے کہ صدہا بار ان فرضی ماہران علم کی رائے عدالتوں نے مسترد کردی۔

لیکن اگر یہ لوگ اپنی تھوڑی موجودہ واقفیت کے ساتھ علم زیر بحث سے بھی واقفیت حاصل کرلیں تو مجھے یقین ہے کہ اون کا علم مکمل ہو جائے۔ میں نے اس فن پر چند کتابیں مطالعہ کی ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ حسب ذیل مفید ہدایات سے خالی پائی گئیں۔ جن پر اگر عمل کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ صحیح و مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

(۱) جہاں تک ممکن ہو ہر دو تحریر (اصلی وجعلی) کا زمانۂ تحریر معلوم کیا جائے۔ اس لئے کہ دیرینہ تحریروں میں اخلاق کی روشنی کا عکس ماند پڑ جاتا ہے۔ اگر تحریر زیادہ زمانہ کی ہے تو اس نقص کو ملحوظ رکھ کر تقابل ضروری ہے۔

(۲) عموماً وہی کاغذات عدالت میں آتے ہیں۔ جو حقوق یا کاروبار سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اصلی تحریر کے اندر کاتب کی اس ذہنیت کی تلاش لازم ہے۔ ایک شخص جب کسی کو ہبہ کرتا ہے، تو اوس پر احسان ومحبت غالب رہتی ہے، جب وہ وصیت لکھتا ہے تو اوس پر موت کا خوف طاری رہتا ہے، جب وہ بیع کرتا ہے تو احتیاج کی مجبوریاں اوس کا دل دکھاتی ہیں۔ جب وہ معاہدہ کرتا ہے تو اوس پر کاروباری متانت کا غلبہ رہتا ہے۔ یہی وہ علامات ہیں۔ جن کی تلاش تحریر متنازعہ میں ضروری ہے۔ اب اصلی تحریر لیجئے، عموماً وہ بھی انھیں صورتوں میں لکھی گئی ہوں گی، اور اگر دوران مقدمہ میں مستغیث سے لکھائی گئی ہیں۔ تو اوس میں انتقام کے علامات ظاہر ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اگر مسٹر رائس کے طریقہ سے اس تحریر کو دیکھا جائے تو اس پر ایک خفیف سرخ رنگ ضرور پایا جائے گا۔

(۳) جعلی تحریر کی امتیازی خصوصیات بھی قابل غور ہیں۔ ایک مجرمانہ ذہنیت کے تمامی آثار اوس تحریر میں رونما ہوں گے۔ ایسی صورت میں متنازعہ تحریر کو ملزم کی تحریروں سے مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے۔ ملزم کی وہ تحریر جو دوران مقدمہ میں لی جاتی ہے۔ وہ زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ اوس کی وہ تحریریں زیادہ مفید ہوں گی جن کو اوس نے اطمینان کے وقت لکھا تھا۔ مذکورہ بالا امتیازی خصوصیات کو ان تحریروں میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔

(۴) اگر تحریر متنازعہ ملزم کی تحریر سے مشابہ نہیں ہے اور اسوقت بھی اگر اوس کے جعلی ہونے کا احتمال ہے تو پھر اوس میں دوسری خصوصیات ملیں گی۔ جعل سازپر عموماً بوقت ارتکاب جرم حسب ذیل جذبات مسلط رہتے ہیں۔

(۱) خوف۔ اس جذبہ پر جب وہ قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اوس کا قلم ہر حرف کی کشش یا دائروں کے زاویوں پر رکتا ہے، جس سے باریک نقطے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس خوف میں کمی و زیادتی ملزم کی قلبی و دماغی قوت پر منحصر ہے۔ ایک پیشہ ور مجرم بہت کم خوف محسوس کرے گا۔ ایک صاحب عزت زیادہ خوف کھائے گا۔

(۲) ناجائز استفادہ کی خواہش۔ اس کا احساس بھی نفس معاملہ اور ملزم کی شخصیت کے لحاظ سے اضافی ہے۔ حروف و تحریر کی تنگی اس کے علامات ہیں۔ مقدمات کے سلسلہ میں مجھے یہ تجربہ حاصل ہوا ہے کہ وسط حرف کی سیاہی التزاماً پھیکی رہ گئی ہے، یا بہت زیادہ نمایاں ہو گئی ہے۔ یہ اختلاف ملزم کی قوت وضعف پر منحصر ہے۔

(۵) سب سے زیادہ کامیاب جعل وہ شخص بناتا ہے، جس کو نفس معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے شخص سے اگر واقفیت ہے تو اوس کی تحریر سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اور تمامی نکات جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اوس سے بھی متعلق ہوں گے۔

(۶) بعض وقت ایسی صورتیں بھی پیدا ہوتی ہیں، جب ایک شخص اپنی تحریر عام طرز سے علیحدہ مصنوعی طور پر لکھتا ہے، اور پھر اوس سے انکار کرتا ہے۔ ایسا شخص اگر فراست التحریر سے واقف نہیں ہے تب تو امتحان آسان ہے لیکن اگر وہ واقف ہے تو صحیح پتہ چلانا مشکل ہے۔

باب ششم

علم فراست التحریر کا مستقبل

اب تک دنیا اس علم کو قیاسی قرار دیتی ہے۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے جب ہم دیگر معین علوم کی طرح اس سے بھی صحیح اور یقینی نتائج برآمد کر سکیں گے۔ اس وقت تک مغرب نے جو تحقیقات کی ہے۔ اوس سے اس علم کا مستقبل نہایت شاندار نظر آتا ہے۔

مسٹر نے سب سے پہلے جب اپنے نظریات دنیا کے سامنے پیش کئے تو ایک عالم ہنستا تھا۔ لیکن آج ہپناٹزم کو جو جگہ صنف علم میں حاصل ہو چکی ہے وہ قابل رشک ہے۔ "نظر ثانی" و دیگر تجربات کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انسان کی آواز کے ساتھ ایک لطیف شے بھی برآمد ہوتی ہے جو کسی کی نظروں میں رنگ معلوم ہوتی ہے لیکن بعض نے اوس کو شکل کی صورت میں بھی دیکھا۔ اس کی تحقیقات کے لئے نہایت نازک و لطیف آلے بھی ایجاد ہوئے اور آخر یہ دریافت ہوا کہ اگر منھ کے سامنے ایک صاف و شفاف پردہ لگا دیا جائے تو اوس پہ آواز کی موجوں کی روشن لیکن باریک شکل ابھر آتی ہے۔ مزید تجربہ کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی گیت گایا جائے تو جر سنے کی موجیں مختلف رنگوں میں ابھر آتی ہیں۔ اور اگر لے پوری نہ ہو تو صرف عکس سا پڑ کر رہ جاتا ہے اس کے بعد اطبا نے رنگ سے علاج کا طریقہ نکالا۔ آج تک مختلف ممالک میں یہ آسان، لیکن سریع الاثر علاج متعدد امراض کیلئے جاری ہے شفا خانوں میں سرخ و سبز شیشے اسی باعث لگائے جاتے ہیں۔

زمانہ نے ترقی کی تو ایک فرانسیسی حکیم نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس میں انسانی جذبات کی تصویر آجاتی ہے۔ اب تک تحقیقات اس نوبت تک پہونچی ہے کہ اگر مختلف لوگ کسی ایک ہی جذبہ کا اظہار کریں تو سب کی تصویر یکساں آتی ہے۔ اس تحقیقات سے مدد لے کر مسٹر ہنری رائس (HENRY RICE) ایک امریکن ماہر علم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص کی تحریر رنگین ہوتی ہے اور یہ رنگ جذبات کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ امریکن موصوف نے یہ تجربہ جس طرح حاصل کیا ہے وہ بیحد دلچسپ ہے۔ اس لئے میں خود اوسکے

الفاظ آپ کے سامنے پیش کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ چونکہ یہ عمل نہایت آسان ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ ناظرین بھی اس کی کوشش کریں گے۔ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"جب میں مختلف اشخاص کی تحریریں دیکھتا رہتا تو مجھے اوقیں رنگ کی جھلک دکھائی دیتی، خصوصاً اگر کمرہ بہت زیادہ روشن ہوتا تو یہ رنگینی واضح ہوتی۔ بالآخر میں نے ایک مخصوص شخص کی تحریر کو جب بھی دیکھا تو وہی رنگ پایا اور یہ رنگیں اثرات بہت کچھ اوس عکس سے مشابہ تھے جو ہیپاٹرم والے آواز کے ذریعہ سے پردوں پر پیدا کرتے تھے۔ اوس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ جسطرح آواز کا عکس پردوں پر پڑتا ہے اوسی طرح اس کا بھی امکان ہے کہ انسان کے خیالات اپنا اثر کاغذ پر ظاہر کریں۔

اس کے بعد میں نے تحریروں کو ایسے تاریک کمرہ میں دیکھنا شروع کیا جس میں صرف ایک روشن دان تھا اور اب مجھے رنگ زیادہ واضح نظر آئے۔ بالآخر میں نے ایک مخصوص کمرہ کا اس کے لئے انتظام کیا۔ جس کا رخ دکھن کی جانب تھا اور اوس میں ڈالر برابر سوراخ کیا تاکہ روشنی آسکے۔ تب میں نے اوس سوراخ کے سامنے ایک آئینہ اس طرح لگایا کہ باہر کی خفیف روشنی اس پر منعکس ہوکر کمرہ میں پڑے اور اگر براہ راست دھوپ آتی تو میں اس کو بہتر سمجھتا تھا۔ اس آئینہ سے جو روشنی منعکس ہوتی اوس کے سامنے میں نے تحریروں کو رکھا۔

اس کا فوری اثر نہایت تعجب خیز تھا۔ روشنی کی رنگین و متحرک کرنیں کاغذ پر کھیلنے لگیں۔ میری طرح متعدد لوگوں نے اس روشنی کو دیکھا۔ بعض نے چند رنگ دیکھے۔ بعض نے اسکی شکایت کی کہ وہ رنگ تھوڑی دیر کے بعد غائب ہوگئے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ بلغمی جسم کے لوگوں نے کچھ نہیں دیکھا بلکہ یہ شکایت کی کہ اس روشنی کے اثر سے اون کا سر اور اونکی آنکھیں دکھنے لگیں۔

رنگ کا اشتراک و انتظام گو بے انتہا ہے لیکن مرتب اصول پر مبنی ہے۔ لازم ہے کہ ایک محقق کی زندگی میں یہ اجتماع رنگ آمیزی اور روشنی اور اوس کے اثرات بطور راز قائم رہیں۔ اس لئے کہ معین قدر و قیمت تو اونکی اوس وقت معلوم ہوگی جب متعدد ماہران فن اس کی تصدیق کریں۔ چند عام علامات فوراً ظاہر ہو جاتی ہیں۔ گہرے سُرخ رنگ سے قوت و جذبہ کا اظہار ہوتا ہے، زردی مائل آسمانی رنگ سے حیا کی بلندی معلوم ہوتی ہے اور تاریخی رنگ طاقت ظاہر کرتا ہے۔ لیکن نفسانیت نہیں۔ دھندلا بھورا رنگ قوت عمل کی علامت ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ آیندہ واقعات بھی اپنا عکس ڈالتے ہیں۔ ایک مجلی تصویر

کاغذ پر معلوم ہوتی ہے۔ جو بآسانی کسی شخص کا عکس معلوم ہوتا ہے، یا کسی آیندہ واقعہ کا پرتو"

اس عمل کو پیش نظر رکھ کر میں نے بھی تجربہ کرنا چاہا۔ لیکن دو تین بار ناکامیاب رہا۔ ایک واقعہ (اور یہ میرے تجربہ میں تنہا واقعہ ہے) البتہ قابل الذکر ہے۔ میں نے اپنی تحریر میں گہری زردی دیکھی، جس وقت میں نے یہ رنگ دیکھا اوس وقت میں صحیح و تندرست تھا۔ لیکن چار گھنٹے کے بعد شام ہوتے ہوتے میں صفراوی بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اطبار یونانی کے نزدیک صفرا زرد ہوتا ہے اور میرے استفراغ میں اس کی علامتیں پائی بھی گئیں سٹرالس کا یہ تجربہ کہ "قوت و جذبہ کا اظہار سرخ رنگ سے ہوتا ہے" اس کی تائید فارسی کا محاورہ "سرخ رُو" سے ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے مشاہدات یہیں تک محدود نہیں ہیں۔ چند دن ہوئے اسٹیٹسمین میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جس کے سامنے بیٹھ کر ایک شخص حروف کے نام بتاتا جائے گا اور گویائی کی لہریں اوس پر حروف کندہ کرتی جائیں گی۔ یہاں تک کہ پلیٹ تیار ہو جائے گی۔

ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہم یقینی طور پر یہ پیشین گوئی کر سکتے ہیں کہ وہ زمانہ قریب ہے جب ہمارے جذبات کی تصویر دیگر مرئی اشیاء کی طرح لی جا سکے گی۔ اور رنگوں کا امتیاز یہ بتا سکے گا کہ کاتب تحریر کے وقت کن جذبات سے متاثر تھا۔

اب رہا اخلاق کا سوال۔ اس میں شبہ نہیں کہ نیک دل و بد طینت دونوں ایک ہی قسم کے جذبات مثلاً غصہ و رنج وغیرہ سے یکساں طور پر متاثر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جذبات کی تصویر مستقل اخلاق کی تصویر نہیں کہی جا سکے گی۔

ایسی صورت میں ہماری مستقل اخلاقی حالت کا پتہ صرف اوسی وقت چل سکے گا۔ جب ایک ایسا آلہ ایجاد ہو جو ہماری صلاحیت و اہلیت کی تصویر کھینچ سکے، اس وقت تک جس طرح زمانہ ترقی کر رہا ہے اوسکو دیکھتے ہوئے وہ دن بھی بعید نہیں جب اس میں بھی ہم کامیاب ہو سکیں گے۔

ضمیمہ نمبر (۱)

تحریر۔ شان و طرز

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱۔	صاف و مرتب تحریر	جمعیتِ خاطر۔ سطح عام سے بالاتر دماغی قابلیت۔
۲۔	پریشان و غیر مرتب۔	پریشانیٔ خاطر۔ سطح عام سے کمتر دماغی قابلیت۔
۳۔	غیر موزوں تحریر جس کے حروف نامناسب طور پر چھوٹے یا بڑے ہوں۔	اختلاجِ قلب۔ عدم استقلال۔
۴۔	مستحکم و پیوستہ تحریر	صحت جسمانی۔ استحکام اخلاق
۵۔	ویران و خاموش تحریر	گمنام شخصیت۔ غیر دلچسپ شخصیت
۶۔	جامد و ساکن تحریر	حمق۔ ابلہی
۷۔	تیز و سریع لیکن صاف	سرعت خیال۔ اخذ انجام میں مستعجل
۸۔	مرتب و تیز و سریع لیکن ناصاف	خوش اوقات مصیبت و معصیت میں جو گرفتار ہیں ان سے نامناسب نفرت و حقارت
۹۔	مربع تحریر	دیر آشنائی لیکن وفاداری۔ اصول عمل ”یک در گیر و محکم گیر“
۱۰۔	وسیع تحریر	حوصلہ مندی۔ سخاوت۔ آزادیٔ خیال۔ اعتماد نفس۔ اور کچھ غرور
۱۱۔	تنگ تحریر	خباثت، بغض۔ فضول گوئی۔
۱۲۔	خوبصورت رواں تحریر	لطافت جذبات۔ مذاق سلیم
۱۳۔	زاویہ دار تحریر (اعلیٰ قسم)۔	قوت ارادی۔ قوت دفاعی
۱۴۔	زاویہ دار تحریر (ادنیٰ قسم)۔	ضد اور غلطی پر اصرار۔ طعنہ زنی

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱۵-	بیضاوی تحریر جس میں زاویہ موجود نہ ہو	خوش اخلاق۔ جنگ و فساد سے نفرت۔
۱۶-	بہت چھوٹی تحریر صاف و مرتب (اعلیٰ قسم)	تفصیل پسندی۔ علوم سے رغبت۔
۱۷-	چھوٹی تحریر معمولی	تنگ نظر۔ بزدل۔
۱۸-	بلند تحریر (اعلےٰ قسم)	جوش۔ حوصلہ۔
۱۹-	بلند تحریر (ادنےٰ قسم)	تصنع۔ غرور۔ سوقیانہ روش
۲۰-	پست تحریر	غم۔ کاہلی۔ علالت۔
۲۱-	ناہموار تحریر (مرتب و دلفریب)	زندہ دلی۔ وسعت ذرائع۔ گرد و پیش سے مطابقت کی عادت
۲۲-	ناہموار تحریر (غیر مرتب و ویران)	جہل مرکب
۲۳-	منتشر تحریر	پریشانیٔ خیال
۲۴-	بھدی اور گندہ تحریر	بوالہوسی
۲۵-	متحرک تحریر	پیری و ضعف جسمانی
۲۶-	شکستہ تحریر جس میں تھوڑی تھوڑی دور پر الفاظ منتشر ہو جاتے ہیں۔	ضعف قلب یا فالج کے آثار
۲۷-	طویل تحریر جس میں حروف لانبے ہوں۔	سرد مہری۔ خود ستائی۔ خود غرضی۔
۲۸-	داہنی جانب جھکی ہوئی تحریر	بلندیٔ تخیل۔ ہمدردی، ذکاوت احساس
۲۹-	بائیں جانب جھکی ہوئی تحریر	عدم اعتماد۔ عدم ایثار، ظاہر داری، فنون لطیفہ کا شوق۔
۳۰-	بہت پھیلی ہوئی تحریر جس کے الفاظ کے آخری حروف عموماً دور تک کھینچ دئیے گئے ہوں	آرام طلبی
۳۱-	گنجان تحریر	حرص۔
۳۲-	رواں تحریر جس میں قلم کی حرکت کے متعدد نشانات موجود ہوں۔	سرعت خیال۔ خاموشی
۳۳-	چھوٹی تحریر جس کے حرف بہت زیادہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں	بخل و دنائت

نمبر شمار	علامات	اثرات
۳۴۔	کشادہ تحریر جس کے حروف واضح ہوں	سخاوت۔ ایسا شخص عموماً زود رنج ہوتا ہے۔ ہر شخص سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔ لیکن بہت جلد ترک بھی کر دیتا ہے۔
۳۵۔	تحریر جو کاغذ کی وسعت کی مناسبت سے چھوٹی و بڑی کی گئی ہو۔	ذہانت۔ ماحول و گرد و پیش سے مطابقت کی کوشش
۳۶۔	تحریر جس میں تموج یا سانپ کی طرح لہریں ہوں۔	وقت شناس جعل و فریب
۳۷۔	تحریر جس کے جملوں کے آخری الفاظ عموماً ناصاف ہوں	چالاک فریبی اور جھوٹا
۳۸۔	تحریر جس کے الفاظ کے آخری حروف عموماً واضح اور بڑے ہوں۔	خلوص۔ ایمانداری۔ سادہ لوحی۔
۳۹۔	تحریر جس کے حروف عموماً مرتب و خوبصورت ہوں لیکن جا بجا بدوضع اور بدصورت الفاظ یا حرف بھی ہوں	کاتب کی زندگی میں بعض واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں جنھوں نے اوس کے دماغی توازن پر خراب اثر ڈالا ہے
۴۰۔	باریک تحریر	ذہن باریک بیں، ذکی الحس، اور ضعیف قلب۔ دیر آشنا
۴۱۔	موٹی تحریر	فضول گو۔ جاہل، ضدی
۴۲۔	تحریر جیسی پیشہ ور کاتب لکھتے ہیں اگر پیشہ ور کاتب کی نہ ہو۔	اعلیٰ تربیت و جذبات
۴۳	تحریر جس کے حروف پتلے ہوں اور حروف زاویہ دار ہوں۔	مخفی نفسانی خواہشات۔ جرائم پیشہ اکثر ایسی تحریر کے مالک ہوتے ہیں۔
۴۴۔	پھول دار تحریر	ذہانت کی کمی۔ بدمذاقی۔
۴۵۔	ٹھوس تحریر	مذاق۔ سائنس و دیگر علوم

ضمیمہ نمبر (۲)

حروف۔ شان وطرز

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱ -	نمایاں اور ممتاز حروف جملہ کی ابتدا میں	بلندئ تخیل
۲ -	نمایاں اور ممتاز حروف ہر لفظ کی ابتدا میں	غرور وخود پسندی
۳ -	بقیہ تحریر سے چھوٹے حروف جملہ کی ابتدا میں	ریاکاری - حرص زر -
۴ -	بقیہ تحریر سے چھوٹے حروف ہر لفظ کی ابتدا میں	بدترین شخصیت - مجرمانہ ذہنیت
۵ -	خوبصورت حروف جملہ کی ابتدا میں	فنون لطیفہ کا شوق
۶ -	خوبصورت حروف ہر لفظ کی ابتدا میں	تصنع - بیجا خودداری
۷ -	شکستہ حروف جملہ کی ابتدا میں	خباثت نفس
۸ -	شکستہ حروف ہر لفظ کی ابتدا میں	مجرمانہ وسازشانہ ذہنیت
۹ -	جملہ یا الفاظ کے ابتدائی حروف اگر کھینچکر تحریر کے نیچے جا پڑیں۔	خودداری - خطرات سے پرہیز - سخاوت
۱۰ -	جملہ یا الفاظ کے ابتدائی حروف بھدے اور بدنما	جنون اگر تحریر عورت کی ہے تو اختناق الرحم
۱۱ -	الفاظ کے ابتدائی حروف بقیہ جزو لفظ سے جڑے ہوئے	مرتب خیال۔ خلوص اور سخاوت۔ ایسے کاتب سے احباب کو نفع پہونچتا ہے۔
۱۲ -	مدور حروف	فرقہ پسندی - اعزا کی حمیت
۱۳ -	مربع حروف	دیر آشنائی - لیکن وفاداری
۱۴ -	لفظ کا ابتدائی حرف جدا اور نمایاں	آزادی کی خواہش

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱۵-	الفاظ کے حروف منتشر	پریشانی خیال۔ اگر عورت کی تحریر ہو تو وہ بانجھ ہوگی
۱۶-	غیر مکمل حروف	خباثت
۱۷-	کج حروف	ضد
۱۸-	الفاظ کے مرکب حروف منتشر	واقفیت عامہ
۱۹-	ایک لفظ کے آخری حرف، دوسرے لفظ کے ابتدائی حرف سے ملا ہوا	صدق قول
۲۰-	لفظ کے آخری حرف کی نامناسب طویل کشش	مبالغہ پسندی
۲۱-	لفظ کے آخری حرف کی غیر مکمل کشش	بدعہدی
۲۲-	الفاظ کے آخری حروف بڑے	غریب النفس۔ حسد
۲۳-	زاویہ دار حروف	معین شخصیت
۲۴-	الفاظ کے آخری حروف اگر مدور ہوں	ضد
۲۵-	الفاظ کے آخری حروف بے ضرورت اگر سطر سے بلند ہوں	باطنی علوم کا شوق۔ اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو اس سے کاتب کی دماغی پریشانی ظاہر ہوتی ہے۔ اور تعجب نہیں کہ کاتب کبھی خودکشی کرلے۔
۲۶-	اگر الفاظ یا حرف بوجہ قلت جا آخر سطر کو بلند ہو جائیں۔	بلندی ہمت۔ کاتب کو تلخ تجربات زیادہ ہوئے ہیں لیکن حوصلہ مند بنا دیا ہے
۲۷-	جابجا مدور حروف	کاتب کے دماغ پر کسی مخصوص مصیبت نے برا اثر کیا ہے۔
۲۸-	وسط تحریر میں نامناسب اور بھدے حروف	کاتب کی اخلاقی حالت بالکل صاف نہیں ہے۔ اسکا امکان ہے کہ اگر بداخلاقیاں سرزد ہو جائیں
۲۹-	اگر سطر کے آخری حرف یا الفاظ سطر سے نیچے چلے آئیں	کاروبار سے ناواقفیت۔ آمدنی سے زیادہ خرچ۔ جس کے باعث معیوب ذرائع کی خواہش۔
۳۰-	باریک حروف	ضعف قلب۔ دنائت
۳۱-	بندھے ہوئے حروف	خودداری احتیاط
۳۲-	کشادہ حروف (اعلیٰ قسم)	صاف۔ پاک زندگی
۳۳-	کشادہ حروف (ادنیٰ قسم)	عریاں زندگی
۳۴-	خمدار حروف	بوالہوسی

ضمیمہ نمبر (۳)

مثالیں

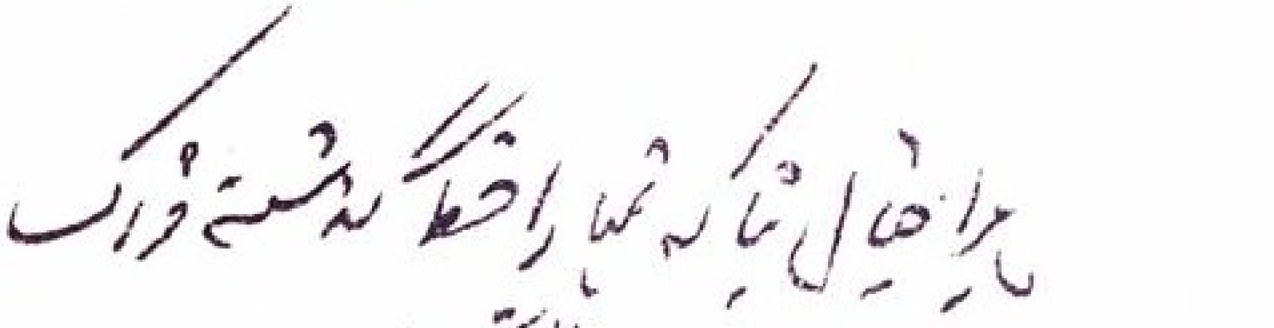

(اعلیٰ تحریر)

یہ تحریر میرے دوست ڈاکٹر محمد نعیم صاحب انصاری کی ہے اور اس خط کا جزو ہے جو اونھوں نے زنجبار سے تحریر فرمایا ہے۔ جو لوگ اون سے واقف ہیں وہ اس تحریر کو اون کے حالات کا آئینہ سمجھیں گے۔ "ک" کے بلند مرکز علوئے ہمت ظاہر کرتے ہیں۔ لانبے حروف سے عزم و حوصلہ مندی مترشح ہے۔ حروف و تحریر کی وضاحت سے خلوص و صاف دلی نمایاں ہے۔ مگر اس تحریر میں کسی قدر پریشانی دماغ کے بھی آثار ہیں۔ وہ محض وقتی حالات کے نتائج ہیں۔ یہ تحریر اوس وقت کی ہے جب وہ زنجبار میں پہلے پہل پہونچے ہیں۔ لیکن ابھی مستقل قیام کے سامان مہیا نہیں ہوئے۔

یہ تحریر "ٹھوس" علمی مذاق کو ظاہر کرتی ہے۔ اس تحریر کے کاتب سے میں کامل واقفیت نہیں رکھتا، لیکن صرف تحریر سے میں اونکے متعلق جو رائے قائم کر سکا ہوں وہ قطعی ہے۔ ہر حرف سے حوصلہ مندی نمایاں ہے۔ "مضامین" کی "ن" کی کشش سے وہ شوق علم ظاہر ہے جو ایک اپنی مستقل "سطح" قائم کرنا چاہتا ہے۔ آخر جز و لفظ کی ندرت سے غموض ظاہر ہے، خیالات پیچیدہ ہوتے ہیں۔ لیکن کاتب اون کو صاف و واضح کرنے کی بجد کوشش کرتا ہے۔ لیکن "میں" "ک" کا مرکز غیر معمولی ہے۔ یہ شخص اپنے بلند خیالات کو سطح عام

پر لانیکی کامیاب کوشش کرتا ہے۔ مرکز کا ابتدائی حصہ بتاتا ہے کہ خیالات کی ابتدا، نہایت بلند ہوتی ہے۔ لیکن پھر آگے چلکر وہ جھک جاتی ہے اور عام سطح پر آجاتی ہے، "گ" کے مرکز سے وہ خودداری نمایاں ہے، جس سے غرور کی بو آتی ہے، نقطوں سے خلوت پسندی ہویدا ہے۔

نہ گرے اوس گناہ سے کوئی

(صاف و مرتب تحریر)

یہ تحریر میرے مرحوم چچا حکیم سید محمد صاحب شاد غازی پوری کی ہے۔ مرحوم کی اعلےٰ دماغی قابلیت کا اندازہ آپ صرف اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ بغیر اعانت غیرے اونھوں نے ۶ ماہ میں خاصی استعداد انگریزی زبان میں پیدا کرلی تھی۔ غالب مرحوم نے گودوں میں لیکر بچپن میں دعا دی تھی کہ خدا اچھے ذہن رسا عطا فرمائے اور یہ سجع کہا تھا " گلے شگفت محمد زباغ عبداللہ" عبداللہ والد کا نام تھا۔

کس پہ نہیں ہے بھروسہ کسی کا

(ویران و خاموش تحریر)

کاتب تحریر معمولی عقل و فہم کا شخص ہے۔ تحریر سے کسی قدر پریشانی دماغ بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن یہ صورت عارضی ہے، اس لئے کہ حروف کی سادگی و یکسانیت سے اطمینان ظاہر ہوتا ہے۔ کاتب کی ایک اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تنگ دل ہیں، اون کے اخلاق کا یہ پہلو وحشی "ھ" سے ظاہر ہوتا ہے جو وسط سطر میں ہے۔

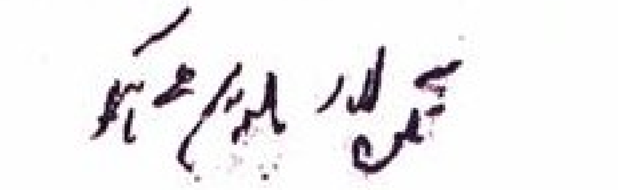

اس تحریر سے کاتب کی پریشانی دماغ مترشح ہوتی ہے۔ کاتب خوش اخلاق ضرور ہے، لیکن خودستائی بھی شامل ہے۔ ایسا شخص اپنی زندگی میں مستقل اصول کا حامل نہیں ہو سکتا۔ ایمانداری کا شائبہ ممکن ہے، لیکن دماغی توازن مفقود ہوگا۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے ایسے اشخاص کی باطنی زندگی تاریک ہوتی ہے۔ "خیالی جنت" سے وہ زیادہ تر لطف اندوز ہوتا ہے۔

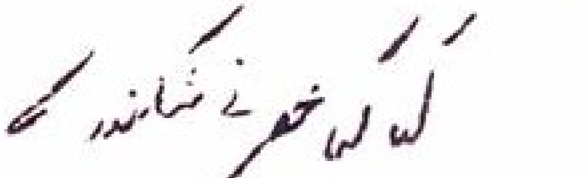

اس قسم کی تحریر بہت کم سامنے آتی ہے۔ اس سے خیالات کی بلندی ضرور ہوتی ہے، لیکن یہ بلندی غرور و تکبر کی حد تک ہوتی ہے۔ جس سے کاتب کے دماغی توازن میں نقص ظاہر ہوتا ہے۔ ایسا شخص بجد حریص ہوتا ہے۔ اوس کی طبع جنوں کی حد تک ہوتی ہے۔ تحریر کی بجا وسعت سے آرام طلبی نمایاں ہے، لیکن کاہلی کی حد تک نہیں۔

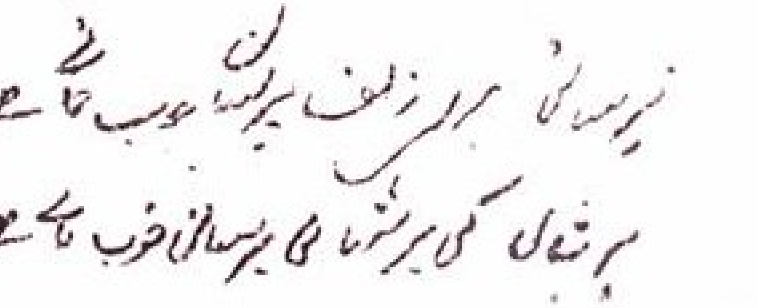

جسمانی تندرستی سطح عام سے کم تر دماغی اہلیت۔ عجلت۔ تشاؤم۔ اس تحریر کی خصوصیات ہیں۔ ہر مصرع کا پہلا لفظ بقیہ الفاظ سے کسی قدر علیحدہ ہے، اس سے طبیعت کا جمود ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے شخص

کی سمجھ میں بات جلد نہیں آتی، لیکن جب آجاتی ہے تو وہ اوس پر حاوی ہو جاتا ہے۔ جزرسی بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا شخص اعضائے رئیسہ کی کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ داہنی جانب جھکا ہونا ذکاوت احساس کی دلیل ہے جو عموماً امراض قلبی کے باعث پیدا ہوتی ہے۔

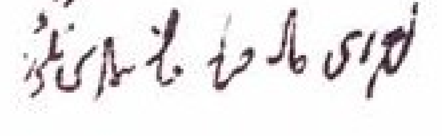

اس تحریر کا کاتب بد اخلاقی میں سزایاب ہو چکا ہے۔ غیر مکمل حروف سے خباثت ظاہر ہے۔ تحریر کا تموج چالاکی ظاہر کرتا ہے، حروف کی بیجا بلندی سے سوقیانہ روش مترشح ہے۔ ایسا شخص عموماً حریص ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی دولت اوس کے گھر آجائے۔ کاتب کو بازاری شاعری سے بھی دلچسپی ہے جو حروف کی طوالت سے ظاہر ہے۔

ایسی تحریر شاذ و نادر دیکھنے میں آتی ہے، الفاظ کا اس طور پر انتشار ضعف قلب کی دلیل ہے۔ اس خاص تحریر کے کاتب لقوہ میں بیمار ہو گئے تھے۔ "ک" کے مرکز تخیل کی بلندی ظاہر کرتے ہیں۔ چھوٹے حروف سے اونچی جزرسی ثابت ہوتی ہے۔ تحریر کا عام طرز (اگر انتشار کو نظر انداز کر دیا جائے) تو عامیانہ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ شخص اگر ضعف قلب میں مبتلا نہ ہوتا تو خطرناک ذہنیت کا شخص تھا۔

(بائیں جانب جھکی ہوئی تحریر)

اس تحریر کے کاتب ایک دفتر میں ملازم ہیں کسی قدر شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے، بے حد خود غرض ہیں۔ حروف کی کجی، ضد کی علامت ہے۔ ہر شخص کو مشتبہ نظروں سے دیکھنا اونکی خصوصیت ہے۔

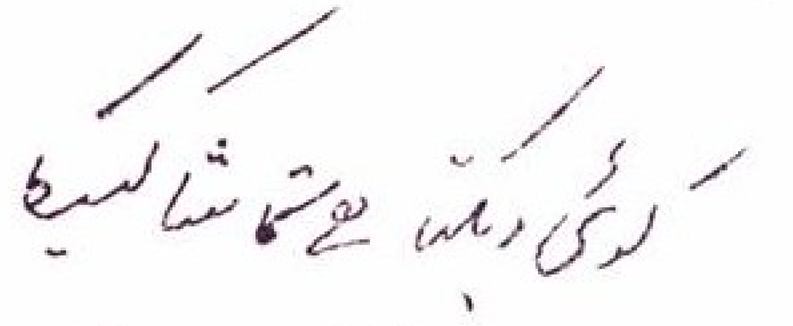

اس تحریر کے کاتب ایک غیر معمولی ذہنیت کے شخص ہیں۔ تحریر کے ہر جزو سے شعلے نکلتے ہیں۔ جذبات بہت قوی ہیں اگر گردش نے ناموزوں جگہ پر ٹھلا دیا ہے۔ ورنہ ایسا شخص جو بھی کام کرگیا دنیا میں یکہ و تنہا رہیگا۔ ضروری نہیں کہ ایسی تحریر کا مالک صحیح و مناسب اخلاق کا بھی حامل ہو جس جانب اوسکی طبیعت مائل ہو جائیگی وہ کمال پیدا کریگا اور اوسکی جرات ناقابل مدافعت ہوگی۔ نقطے جس قوت کے ساتھ لگائے گئے ہیں وہ آپ اپنی زبان ہیں۔

اس تحریر کے حروف مدور ہیں۔ تحریر قدرے گنجان لیکن پست ہے۔ یہ میرے ایک قدیم شناسا کی تحریر ہے۔ آدمی بہت معمولی پڑھے لکھے تھے، مذہبی مباحث سے بیحد دلچسپی تھی، نہایت متعصب سنی تھے صحت بیحد خراب رہتی جس کے باعث اون میں کاہلی بیحد آگئی تھی، بہت کینہ پرور تھے۔

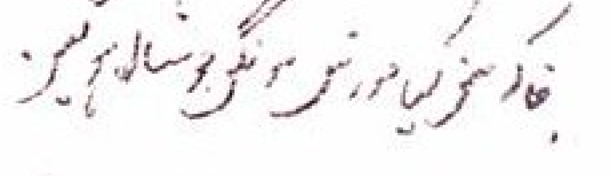

(غیر مکمل حروف)

یہ ایک ایسے شخص کی تحریر ہے جس سے مجھے ذاتی تعارف نہیں۔ میرے ایک دوست نے مجھے یہ نمونہ عنایت کیا ہے۔ اونکی روایت سے میں اس تحریر کے کاتب کو اصولاً ضدی اور طعنہ زن سمجھتا ہوں۔ غیر مکمل حروف سے خباثت ظاہر ہوتی ہے، میں نے اس طرح کے غیر مکمل حروف کم دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ عدم تکمیل پست خیالی پر دال ہے "ک" کے پست مرکز بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

میرے کتب خانہ میں ایک قلمی دیوان حافظ ہے اوس کے ابتدائی صفحہ پر یہ مصرع لکھا ہوا ملا۔ تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کاتب کی باطنی زندگی پاک وصاف نہ تھی ممکن ہے کہ وہ سخی بھی رہا ہو۔ لیکن صرف احباب اوس سے فائدہ حاصل کرسکے ہوں گے۔ الفاظ کی آویزش سے خیالات کی ترتیب کا اندازہ ہوتا ہے۔

(رواں تحریر)

کاتب سریع الخیال ہے۔ بید ذکی ہے۔ حروف کی پستی نے نقص پیدا کردیا۔ ورنہ یہ تحریر بے مثل ہوتی یہ پستی غم کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اونکی ابتدائی تحریریں جو دیکھی ہیں اوس میں یہ پستی نہ تھی۔ داہنی طرف کا میلان ہمدردی کی علامت ہے۔

آپ اس تحریر کی ظاہری خوبصورتی سے دہوکا نہ کھائیں۔ اس تحریر کے متعلق جس درجہ میرا تجربہ

دمشاہدہ ہے، اوس قدر کسی تحریر کے متعلق نہیں ہے۔ ایسی تحریر کے کاتب بیحد چالاک، سازشی اور نہایت درجہ خطرناک ہوتے ہیں، حروف کا چھوٹا ہونا خباثت کی دلیل ہے، حروف کا اتحاد ان کی سازش پسند طبیعت کو ظاہر کرتا ہے آپ مشکل سے کسی دو حرف کے درمیان خالی جگہ پائیں گے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان سے کسی کو بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مگر ایسے لوگ اخلاقاً بیحد بزدل ہوتے ہیں "ک" کے مرکز بھی بلند نہیں ہیں۔ اس سے ان کی پست طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سطر کا ہموار ہونا اون کی مستقل بد اخلاقی کی علامت ہے۔

ظاہر سے کرے کوئی اندازۂ تحمل وفا

مذکورہ بالا اور مذکورہ ذیل دو مصرع ایک ہی شعر کے ہیں۔ ایک احباب کی اسی غزل کی فرمائش تھی۔ جیسا کہ آپ کو پہلے لفظ "اسی" سے معلوم ہوگا آدمی نہایت سخی اور متین ہیں "الف" کی نیچے کی جانب کشش سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ سخاوت کے خودداری بھی ہے۔ اونکے اخلاق کا کسی قدر ناقص پہلو یہ ہے کہ وہ خطرات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ حفاظت کی خواہش بزدلی کی حد تک ہے۔ مصرع کا آخری نصف حصہ ابتدائی حصہ سے کسیقدر نشیب ہے، یہ اونکی پست ہمتی کی دلیل ہے۔ پہلے لفظ کی آورش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اونکے تخیل کی ابتدا۔ مرتب ہوتی ہے لیکن آگے چلکر یہ ترتیب قائم نہیں رہتی۔

حسن کا نام محبت نے خدا رکھا ہے

اس تحریر کو اگر آپ خوردبین سے دیکھیں تو اس میں تموج معلوم ہوگا۔ "نام" کی میم اور "خدا" کے الف میں یہ تموج صاف نمایاں ہے۔ ایسی تحریر کم دیکھنے میں آتی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اونکے اخلاق سے کامل واقفیت نہیں ہے۔ تحریر سے میں یہ معلوم کرسکا ہوں کہ اسکے کاتب سے جبل و تخریب کا سرزد ہونا اگر قطعی نہیں تو ممکن ضرور ہے۔ آدمی نہایت چالاک ہیں "نے" "میں" "ی" کی پستی انکی پستی خیال ظاہر کرتی ہے۔ مصرع کے ابتدائی الفاظ کا انتشار اونکی غیر مرتب ذہنیت پر دال ہے "نام" کی غیر معمولی ترکیب اونکی فریب کاریوں کی جدت ظاہر کرتی ہے۔

ضمیمہ نمبر (۴)

دستخط - اوسکے علامات و اثرات

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱-	اصل متن یا بقیہ تحریر سے بڑا دستخط	خودستائی - دوسروں کی رائے کو حقیر جاننا (ملاحظہ ہو دستخط امان اللہ خاں صفحہ ۳۰)
۲-	اصل متن یا بقیہ تحریر سے چھوٹا دستخط	دنیاوی اعزاز سے بے نیازی - اور اگر کسی معمولی شخص کا دستخط ہے تو مصنوعی انکسار -
۳-	دستخط جس میں پورا نام واضح ہو -	فنون لطیفہ سے دلچسپی - اعلیٰ تخیل (ملاحظہ ہو دستخط ڈاکٹر اقبال صفحہ ۲۳)
۴-	دستخط جس میں نام کا اختصار ہو -	معمولی ذہنیت - قوت عمل کی کمی
۵-	پیچیدہ دستخط جو مشکل سے پڑھا جائے	ہر کس و ناکس سے مشتبہ رہنا - حکومت و طاقت کا شوق - خطرات کا خوف مگر دوسروں کو مرعوب رکھنے کا خیال (دستخط نمبر ۱۱)
۶-	دستخط کا ابتدائی حصہ بالائے خط	نسب و نسل پر نازاں -
۷-	پورا دستخط بالائے خط	اظہار شخصیت کا شوق - حوصلہ مندی -
۸-	دستخط کے تحت میں ناہموار خط	لہو و لعب کا شوق -
۹-	دستخط کے بعد نقطہ یا باریک خط	دور اندیشی
۱۰-	دستخط کے بعد نقطہ اور کشیدہ خط	جارحانہ طرز عمل سے نفرت اور دوسروں سے بے اعتمادی -
۱۱-	دستخط کے بعد نقطہ اور کشیدہ خط جو گھومتا ہوا دستخط کے نیچے آجائے -	موقع کا منتظر
۱۲-	دستخط کے بعد نقطہ اور کشیدہ خط جو گھومتا ہوا دستخط کے اوپر آجائے -	ہوشیار - خود غرض - جارح - خطرات میں مبتلا ہونے کے لئے آمادہ مگر زندگی میں ناکامیاب -

نمبر شمار	علامات	اثرات
۱۳	دستخط کے بعد نقطہ اور کشیدہ خط جب نیچے سے داہنی طرف آکر بائیں جانب چلا جائے۔	انتہائی خودغرض و ناقابل اعتبار و مغلوب الغضب۔
۱۴۔	دستخط جس کے آخری حرف کی کشش پیچکش کی مانند ہو	نازک دماغی و ہنرمندی
۱۵۔	سادہ دستخط جسکے تحت میں کوئی لکیر و خط نہو	سادگی و خودداری (اگر معمولی شخص ہو تو) عمومیت۔
۱۶۔	ایک ہی کاتب کے مختلف نوعیت کے دستخط	ناقابل عمل تخیل۔
۱۷۔	اگر دستخط کی شان خط متن سے مختلف ہو۔	کاتب کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ظاہری و باطنی۔ موخرالذکر عموماً تاریک۔ ایسی صورت میں متعلم کو چاہیئے کہ وہ زیادہ تر دستخط سے نتائج اخذ کرے۔
۱۸۔	مدور دستخط	شقاوت۔ ذہانت۔ خودغرضی
۱۹۔	لانبا دستخط	ایسے شخص کا اصول عمل "خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت" ہوتا ہے (ملاحظہ ہو دستخط نمبر ۹)
۲۰۔	چوڑا دستخط	تجربہ، ثقاہت، مگر ضعف قلب (ملاحظہ ہو دستخط نمبر ۵)

دستخطوں کے نمونے

(۱)

یہ عام دستخط ہے۔ حروف کی آویزش سے ترتیب خیال کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن حروف کا چھوٹا ہونا اور "ل" کی کشش خیالات کی پستی ظاہر کر رہے ہیں۔ ایسے اشخاص زندگی کی عام سطح پر ہیں۔ ان کے اخلاق کی پستی و بلندی دونوں قابل نظر انداز ہیں۔ مگر صاحب دستخط کا ایک کیرکٹر نہایت واضح ہے اور وہ اوس کی سخاوت جو آل اندیشی کی حدود سے متجاوز ہے۔ حروف کے بالائی حصوں کی مساوی بلندی نے اوس کے مستقبل پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اخلاقی حیثیت سے یا دنیاوی حیثیت سے وہ کبھی بہت بلند نہیں جا سکتے۔

---

(۲)

یہ بھی عام دستخط ہے لیکن نمبر ۱ سے کسی قدر اخلاقاً ممتاز ہے۔ خیالات کی صفائی اوسکی خصوصیت ہے۔ "الف" کی بلندی اور نمو و بلندی و آزاد خیالی پر دال ہے، لیکن یہ شخص اپنی بلند خیالی کو ایک سطح پر قائم نہیں رکھ سکتا۔ "ن" کی کشش اور بالخصوص اوس کا آخری حصہ اور دستخط کے خط زیریں کی کشش سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص اگر آج نہیں تو کسی نہ کسی دن پست اخلاقی میں ضرور مبتلا ہوگا اور اس پر قائم رہے گا۔

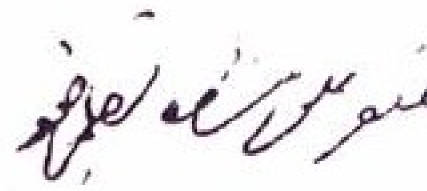

(۳)

یہ دستخط نمبر ۲ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دستخط پانچ لفظوں سے مرکب ہے۔ پہلے تین الفاظ جدا جدا ہیں۔ اور آخری دو لفظ آویزاں ہیں۔ تحریر کی روانی خیالات کی روانی پر دال ہے۔ اس تحریر سے قوت عمل نمایاں ہے گو تخیل کی بلندی تقریباً مفقود ہے۔ اس شخص کی ابتداء معمولی ہوتی ہے لیکن انجام نہایت مرتب ہوتا ہے۔ عموماً ایسے لوگ صرف مقصود کا خیال رکھتے ہیں۔ ذرائع کی خوبی و بدی سے اونکو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ خلوت پسندی تحریر سے ہویدا ہے۔

(۴)

یہ دستخط نمبر ۳ سے کسی قدر ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں بلندی تخیل کا شائبہ ہے گو قوت عمل کی اوسی حد تک کمزوری ہے۔ نقطوں کا کلیتاً فقدان غائت جزرسی ظاہر کرتا ہے۔ لیکن افلاس کے ساتھ ساتھ۔

(۵)

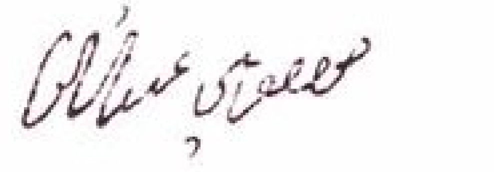

یہ دستخط قابل لحاظ ہے۔ اس شخص کی زندگی کے ظاہر و باطن دونوں پہلو یکساں صاف ہیں حروف والفاظ کی آویزش ترتیب عمل کا پتہ دیتی ہے۔ اس شخص کو فنون لطیفہ سے خاص شوق ہے۔ اگر یہ مصوری کرے تو نہایت کامیاب ہوگا۔ ایسے لوگ خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں گو آخری جزو لفظ سے بلندی ہمت ضرور مترشح ہے۔

---

(۶)

یہ دستخط مشکل پسند ذہنیت کا نمونہ ہے۔ اس شخص خاص کے متعلق مجھے کوئی ذاتی واقفیت نہیں لیکن میں نے ایسے لوگ اکثر جعل پسند پائے ہیں۔ وسط کی متحرک لکیریں فریب ظاہر کر رہی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دستخط کی بلندی سے اعلےٰ تخیل ظاہر ہے۔ لیکن ایسی صورت میں جو بلندی ہے اس سے ذہنیت کا بدترین استعمال نمایاں ہے۔ تحت لفظ میں نقطوں کی غیر موجودگی دنائت کی دلیل ہے

---

(۷)

یہ دستخط بھی معمولی عقل و فہم ظاہر کرتا ہے۔ ابتدائی جزو "جمیل احمد" کا اختصار ہے، یہ اختصار قوت عمل کی کمزوری پر دال ہے، ایسا شخص دنیا میں کم کامیاب رہتا ہے۔ آخری لفظ کی وضاحت صاف خیالی ضرور ظاہر کرتی ہے اور "ی" کی بالائی کشش پرواز خیال پر دال ہے۔ ایسے دستخط اُردو میں بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

(۸)

یہ بلند دستخط اعلٰے تخیل و مرتب اصول عمل کی علامت ہے۔ خوردبین سے مجھے اس دستخط میں لہریں نظر آئیں۔ جو ممکن ہے کہ وقتی ہوں۔ دستخط کا درمیانی خط غور طلب ہے۔ یہ خط نیچے سے اوپر کو جاتا ہے اور تقریباً کل دستخط سے ہو کر گذرتا ہے۔ یہ علامت ایثار و قربانی کی ہے۔ ایسا شخص دوسروں کے اغراض و مفاد کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اگر دستخط اس کے برعکس ہوتا تو اوس سے خودغرضی نمایاں ہوتی۔

(۹)

یہ لانبا دستخط قوت عمل کی کمزوری پر دال ہے، ایسا شخص دوسروں کے لئے "ناصح مشفق" اچھا بنتا ہے۔ کشش کی بلندی اور پھر اوس کے بعد رجحان پستی اوسکی تخیل کی دنائت پر دال ہیں۔

(۱۰)

یہ دستخط ممتاز اصول عمل کا پتہ دیتا ہے۔ ایسا شخص بعید دور اندیش اور چالاک ہوتا ہے۔ حروف و الفاظ کی آویزش سے اوسکی مرتب ذہنیت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ دستخط بلند نہیں ہے۔ اس لئے خیالات ہمیشہ پستی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کی زندگی بھلی ہو یا بری دنائت درجہ تسلسل و ترتیب رکھتی ہے مگر اوسکی زندگی کا ہر پہلو دوسرے پر اس درجہ منحصر رہتا ہے کہ اگر اوس کی زندگی کی زنجیر کی ایک کڑی بھی نکل گئی تو سارا شیرازہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اس دستخط میں نقطوں کا فقدان دنائت کی دلیل ہے۔

(۱۱)

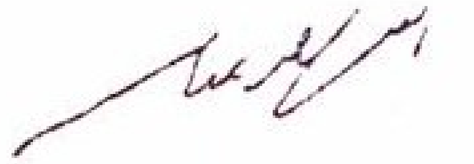

یہ دستخط عجیب و غریب ذہنیت کا آئینہ ہے۔ ایسا شخص ہر کس و ناکس سے مشتبہ رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی قوت عمل پر اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ دوسروں کو مرعوب رکھنے کا ہمیشہ خیال رہتا ہے۔ لیکن اخلاقی جرات کی کمزوری خود کو خطرات سے محفوظ رکھنے کی ہمیشہ کوشاں رہتی ہے۔ تحریر کا داہنی جانب جھکنا خیالات کی بلندی ضرور ظاہر کرتا ہے۔ نقطوں کی کلیتاً غیر موجودگی دنائت کی دلیل ہے۔

(۱۲)

یہ دستخط تحریر نمبر ۶ سے مشابہ ہے، اور میری جو رائے تحریر نمبر ۶ کی بابت ہے وہی اس دستخط کے متعلق بھی ہے۔

داستان حسن و عشق کا ورق خونیں

اور

جلوۂ بے محابا کی ایک قاتل رات

اب سے تقریباً دو ہزار سال قبل، ایک خوبصورت بجرا جس پر حد درجہ نزاکت کے ساتھ رنگ طلا کا کام کیا گیا تھا، دریائے نیل میں تیزی سے جا رہا تھا۔ اس قدر تیزی سے جتنی کہ پچاس بڑے بڑے چپوؤں کی جنبش سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ ان لمبے لمبے چپوؤں سے جو دونوں طرف جلدی جلدی متحرک تھے، بجرا بالکل ایسا نظر آتا تھا، جیسے کوئی عفریت پیکر کنکھجورا سطح آب پر اپنی رفتار کے نشان چھوڑتا جا رہا ہے۔

یہ بجرا بہت سبک ساخت کا تھا اور اس کے دونوں سرے اوپر کی طرف اس طرح اٹھے ہوئے تھے کہ کشتی نے بالکل ہلال کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس کے اگلے سرے پر مینڈھے کا سر اور اس پر ایک طلائی کرہ بنا ہوا تھا۔ جو اس امر کا پتہ دیتا تھا کہ اس کا مالک شاہی خاندان کا کوئی فرد ہے۔ بجرے کے وسط میں ایک مسقف شہ نشین تھی، جس پر نہایت خوبصورت زرکار نقاشی کی گئی تھی، اور پہلو میں چار چھوٹے چھوٹے حجرے، دستشی کیلئے بنے تھے۔ بجرے کے دونوں سروں پر وہ آراستہ کمرے تھے جو قدیم مصری تحریر کے نقوش رنگیں سے آراستہ تھے ان میں سے ایک کمرہ پر جو نسبتاً کچھ وسیع تھا ایک اور چھوٹا کمرہ تھا جس پر ایک مثلثی جلوخانہ تعمیر تھا۔

سکّان کی جگہ دو بڑے بڑے چپو میخوں پر نصب تھے، جن پر مختلف قسم کی رنگین دھاریاں بنی ہوئی تھیں یہ سکّان بجرے کے پچھلے حصہ میں پانی کے اندر اس طرح بڑھتا چلا گیا تھا جیسے ہنس کے جھلی دار پاؤں۔ ان دونوں چپوؤں کے دستوں پر جو سر اور چہرے بنے ہوئے تھے ان کی ٹھوڑیوں پر سینگ نکلے ہوئے تھے [illegible]

اور عرشہ پر کھڑا ہوا اس کپتان سے کام لے رہا تھا یہ ایک سیاہ فام شخص تھا اور اس کا رنگ بالکل ایسا تھا جیسے سانچہ میں ڈھلے ہوئے نئے پیتل کا ہوتا ہے۔ اسکے چہرہ کی سیاہ جلد پر نیلی نیلی چمک اور دھاریاں نظر آرہی تھیں، آنکھیں بڑی بڑی مگر حد درجہ بھیانک تھیں، بال موٹے اور سیاہ تھے جن کی مینڈھیاں گوندھ کر ادھر ادھر ڈالدی گئی تھیں، ہونٹ موٹے موٹے تھے اور رخساروں کی ہڈی ابھری ہوئی۔ کان اس طرح نمایاں تھے جیسے کی تعمیر کے بعد انھیں علحدہ لگا یا گیا ہو۔ گلے میں جھوٹے موتیوں کا ایک بھاری ہار پڑا ہوا تھا اور ستر پوشی کے لئے ایک چھوٹا سا موتی تہمد اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا۔ دور سے اسوقت یہی ایک انسان کشتی پر نظر آتا تھا، کیونکہ ملاحوں کی جماعت چپوؤں پر جھکی ہوئی تھی اور انکے جسم بجرے کے اطراف سے اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ ان کی موجودگی کا پتہ صرف ان چپوؤں کی حرکت سے چلتا تھا جو پنکھے کی تیلیوں کی طرح بجرے کے دونوں طرف پھیلے ہوئے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے باقاعدگی کے ساتھ پانی سے ابھر ابھر کر پھر اس میں جا پڑتے تھے

ہوا بالکل بند تھی اور بجرے کا بڑا مثلثی بادبان لپیٹ کر ریشمی ڈور سے کچھ بلندی پر مستول کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اہل کشتی کو اب ہوا چلنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

دوپہر کا آفتاب اوپر سے شعاعیں نہیں بلکہ سروں پر تیر برسا رہا تھا اور ساحل کی ریت آفتاب کی آتشبار کرنوں کو اس طرح منعکس کر رہی تھی گویا زمین سے آگ کی لپٹ نکل رہی ہے۔ افق پر گرم اور دھندلے گرد وغبار کی چادر دھوئیں کی طرح تنی ہوئی تھی، بادل کا کوسوں پتہ نہ تھا اور فضا اداس تھی۔ دریائے نیل کا آہستہ خرام پانی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سو رہا ہے۔ سطح آب ایسی نظر آتی تھی گویا اس پر رانگ پگھلا کر بچھا دیا گیا ہے اور کنول کے پھول ایسے ساکن تھے گویا کسی چابکدست سنگتراش نے سنگ مرمر کی سطح پر تراش کر انھیں چھوڑ دیا ہے۔ البتہ کبھی کبھی کوئی چمکدار مچھلی دریا میں اُچھل کر مہار کے اندر ایک نقرئی چمک پیدا کر دیتی تھی اور اس طرح پانی کے اس سکون میں کچھ اضطراب پیدا ہو جاتا تھا، دریا کے کنارے سنسان پڑے تھے اور تمام ماحول پر ایسی ہولناک افسردگی، ایسی بھیانک اُداسی چھائی ہوئی تھی گویا کہ وہ ایک وسیع قبرستان ہے۔ یہ اُداسی اُس ابوالہول کی سی اُداسی تھی، جس کی آنکھیں ریگزار صحرا کی طرف تکتے تکتے پتھرا گئی ہیں۔ اور جو تھک کر اس قابل بھی نہیں رہا کہ وہ اس لپشتہ سنگیں سے الگ ہو سکے جس پر وہ مسلسل بیس صدی سے اپنے ناخن تیز کر رہا ہے۔

ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا، گویا تمام کائنات گونگی ہو گئی ہے۔ اگر کسی قسم کی آواز کبھی سنائی بھی دیتی تھی۔ تو وہ گھڑیالوں کی "چیخ چیخ" تھی جو گرمی کی شدت سے گھبرا کر دریا کے کنارے لمبی لمبی گھاسوں میں [illegible] تھے یا ان لنگلوں کی جو کسی آہٹ سے چونک کر اپنی پیٹ سے لگی ہوئی ٹانگیں اور پروں میں چھپے ہوئے [illegible] کر چیختے چلاتے، فضا کو چیرتے ہوئے کسی کھجور کے درخت پر جا بیٹھتے تھے۔

دریائے نیل کے ہموار اور صاف پانی میں، بجرا ایک خوبصورت ابابیل کی طرح اُڑتا جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے ایک کف آلود نقرئی لہر پیدا ہوتی جاتی تھی جو مٹنے کے بعد بھی کہیں کہیں بلبلے چھوڑ جاتی تھی۔ زرد ساحل، نیلے آسمان اور نیلے دریا کے درمیان تیز رفتار کشتی کے اندر سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی لپٹا ہوا کاغذ جلد جلد کھل رہا ہے۔ اس وقت آسمان اور دریائے نیل دونوں اس درجہ ہم رنگ تھے کہ یہ تمیز کرنا دشوار تھا کہ سماں کا عکس پانی پر پڑ رہا ہے یا پانی کا آسمان پر۔

ساحل کا منظر برابر بدلتا جا رہا تھا، کبھی مصری فن تعمیر کے عظیم الشان کارنامے سامنے آجاتے تھے اور کبھی وہی ویران و سنسان میدان، کہیں آثار قدیمہ کے وہ عبرت خیز کھنڈر نظر آنے لگتے تھے جو ہزاروں سال سے زمانہ کا گرم و سرد دیکھتے آ رہے ہیں۔ اور کہیں خشک جھلسے ہوئے پہاڑ جن کے عمیق شگاف دور سے سیاہ دھاریوں کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ کبھی وہ پہاڑیاں دکھائی دیتیں جو بالکل قبروں کے گنبدوں کی طرح بلند چلی گئی تھیں۔ اور کبھی بھورے رنگ کے وسیع میدان جن میں پتھر کی کانیں اپنا سیاہ منھ کھولے ہوئے جا بجا نظر آتی تھیں۔

الغرض منظر جو بھی ہو، اس سرزمین کی خشکی و بے رونقی ہر جگہ وہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت یہاں کے نقوش میں سبز رنگ سے کام لینا بھول ہی گئی ہے۔ البتہ البتہ کہیں افق میں کھجور کا کوئی حقیر سا درخت کیکڑے کے پاؤں کی طرح اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ضرور نظر آجاتا تھا یا کوئی خاردار درخت جس کے جھلسے ہوئے زرد پتے تلوار کے برنجی پھلوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔

بجرہ کے اندر باریک گھاس کی بُنی ہوئی چٹائی کا نہایت نفیس فرش بچھا ہوا تھا اور کنارے ایک نازک سی مسہری تھی، جس کے پائے پنجۂ شیر کی وضع کے تھے۔ اسوقت اس مسہری کے تکیہ پر ایک نہایت ہی خوبصورت سر سہارا لئے ہوئے تھا۔ یہ وہ سر تھا جس کی صرف ایک جھلک کے عوض ایک بار آدھی دنیا ہاتھ سے کھوئی جا چکی تھی، یہ اُس عورت کا سر تھا جسکا مثل اسوقت تک پیدا نہ ہوا تھا اور یہ وہ عورت تھی جسے اگر پیکر حسن و جمال کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔ اس کا حسن اس قسم کا تھا جو کبھی خواب ہی میں نظر آجاتا ہے اور جو اتفاق سے یوں نظر آجائے تو پھر نیند حرام کر دیتا ہے۔ یہ مجسمۂ جمال و رعنائی، یہ پیکر شباب و خوش ادائی۔ مصر کی مشہور ملکہ قلوپطرہ تھی جو اسوقت بجرے کے اندر تکیہ کے سہارے سے مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی محبوب کنیز شارمیون جو چل چل رہی تھی اور دو دوسری نوجوان کنیز گھاس کے پردوں کو جو کھڑکیوں پر پڑے ہوئے تھے پانی میں خوشبو ملا ملا کر تر کر رہی تھی تاکہ باہر سے ہوا کا جھونکا آئے تو معطر ہو کر آئے۔

مسہری کے قریب ایک سفید مخروطی شکل کا مرمری گلدان رکھا ہوا تھا، جسکی گردن ہنس کی طرح لانبی پتلی اور سڈول تھی۔ اس میں پھولوں کا ایک گلدستہ تھا جس میں چند آبی رنگ کے نیلوفر تھے اور چند سرخ کنول کے پھول، جن کی پنکھڑیاں بالکل ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے دمِ رقص حسین دیوی آئسس کی انگلیاں۔

قلوبطرہ، یونانی لباس میں ملبوس نہ تھی۔ وہ پرستش گاہ سے واپس آرہی تھی اس لئے مصری لباس پہنے ہوئے تھی اور اب اپنے گرمائی محل کو واپس جارہی تھی۔ اس کے سر پر ایک ہلکا سا طلائی خود تھا، جسکی صورت کبک کی طرح تھی، اس کے دونوں بازو پنکھے کی طرح نیچے کی طرف لٹکتے ہوئے تھے اور کنپٹی کو ڈھکتے ہوئے گردن تک پہونچ رہے تھے۔ ان میں دونوں طرف دو سوراخ تھے جن سے ملکہ کے دونوں کان خوبصورت چھوٹی سیپیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔ خود کے مقدس کبک کی دُم پُشتِ سر کے اُس حصہ پر تھی، جہاں عورتیں جوڑا باندھتی ہیں۔ اور اس کے جالدار جسم میں جس پر مختلف رنگ کی مینا کاری کی گئی تھی۔ ملکہ کے سر کا بالائی حصہ چھپا ہوا تھا۔ اس کبک کی خوبصورت مرصع گردن خم کھاتی ہوئی ملکہ کی پیشانی تک پہونچ رہی تھی جہاں وہ اس کے حسین چہرہ کے لئے زینت کا بھی کام دیتی تھی۔ ملکہ کے بال جو ناگن کی طرح سیاہ اور چمکدار تھے خود سے باہر نکلے ہوئے تھے اور بل کھاتی ہوئی لٹیں اُس کے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ شانہ و گردن پر سبک سی زرہ پڑی ہوئی تھی جس میں مختلف رنگ کے جواہر جڑے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت باریک کتاں کے لباس میں ملبوس تھی۔ جس کے اندر سے اس کا جسم دور سے ایسا جھلکتا تھا۔ جیسے وہ بالکل عریاں ہو اور قریب سے اس طرح نظر آتا تھا جیسے نگاہ پردۂ حجاب سے گزر کر وہاں تک پہونچ رہی ہو۔ اس ملبوس کی آستینیں شانہ پر چسپ تھیں، لیکن کہنیوں پر اس قدر فراخ کہ ملکہ کے سڈول بازو اور مرمریں نازک ہاتھ اس کے اندر سے صاف نظر آتے تھے، بازوؤں سے متعدد طلائی کڑے لپٹے ہوئے تھے اور ہاتھ کی ایک اونگلی میں خوبصورت انگوٹھی تھی جس پر کوئی مقدس تصویر منقوش تھی۔ اس لباس پر ایک کمربند بھی تھا جس کی لڑیں آگے کی طرف لٹک رہی تھیں۔ پاؤں میں سبک سی زریں پائیاں تھیں۔ جن کی نوکیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور پچھلا حصہ دوال کے ذریعہ سے ٹخنہ سے بندھا ہوا تھا۔

اس وقت ملکہ قلوبطرہ کے چہرہ سے وہ اطمینانِ قلب ظاہر نہیں ہوتا تھا جو ایسی جاہ و حشم والی ملکہ میں پایا جانا چاہیئے اور وہ اس وقت مسہری پر لیٹی ہوئی بے قراری سے کروٹیں لے رہی تھی۔ اس کے جسم سے کبھی کبھی لباس بے ترتیب ہو جاتا تھا اور جسے شارمیون بار بار درست کرتی جاتی تھی۔

قلوبطرہ۔ ”اس کمرہ میں تو دم گھٹا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے تنور میں ڈالدیا ہے۔“

یہ کہکر اس نے اپنی زبان سے ہونٹوں کو تر کیا جو پھول کی پتی کی طرح خشک ہو گئے تھے۔ اور ہاتھ بڑھا کر ایک تپ زدہ مریض کی طرح کوئی پیالہ ڈھونڈھنے لگی جو وہاں نہیں تھا۔

شارمیون نے جو ہر وقت اپنی ملکہ کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ فوراً تالی بجائی اور معاً ایک حبشی غلام حاضر ہوا جو ایک چھوٹا سا کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے ڈھیلے ڈھالے دامن البانوی وضع کی عبا کی طرح ادھر ادھر لٹکے ہوئے تھے اور چیتے کی ایک کھال اس کے شانوں پر پڑی ہوئی تھی۔ اُسکے بائیں ہاتھ میں ایک کشتی تھی۔ جس میں چند پیالے اور تربوز کی قاشیں رکھی ہوئی تھیں اور داہنے ہاتھ میں چاے دانی کی وضع کا ایک آفتابہ تھا۔

غلام نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ہاتھ اونچا کرکے ایک پیالہ میں شربت ڈالا اور ملکہ کے حضور میں پیش کیا۔ قلوبطرہ نے اپنے نازک لبوں سے اس پیالہ کو مس کیا اور پھر ہٹا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ شارمیون کی طرف متوجہ ہوئی۔ اپنی خوبصورت سیاہ آنکھوں سے جن میں حیات افروز نور چمک رہا تھا کنیز کی طرف دیکھا اور بولی :-

"آہ شارمیون! میں تو اس زندگی سے عاجز آگئی ہوں"

شارمیون نے جو فوراً سمجھ گئی تھی کہ ملکہ کوئی راز کی بات کہنے والی ہے۔ بہت ملال انگیز ہمدردانہ صورت بنالی اور اپنی ملکہ سے اور زیادہ قریب ہو گئی۔

قلوبطرہ۔ میں سخت عاجز آگئی ہوں۔ یہ مصر مجھے پیسے ڈالتا ہے۔ مجھے ہلاک کئے دیتا ہے۔ یہ آسمان جس کے نیلگوں رنگ میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی مجھے یقیناً تباہ کر دے گا کیا ممکن جو کبھی کوئی لکہ ابر آجائے۔ جب دیکھو یہ خونیں رنگ آفتاب اوپر سے ایک خونخوار دیو کی طرح گھورتا رہتا ہے۔ ہائے شارمیون! اگر کوئی پانی برسا دے تو میں ایک ایک قطرہ کے عوض ایک ایک دُرِ شاہوار بخشنے کے لئے طیار ہوں۔ اس بے رنجی آسمان کی متورم آنکھوں سے کبھی کوئی ایک آنسو بھی نہیں ٹپکتا، جس سے یہ خشک و ویران سرزمین اپنی پیاس بجھا سکتی۔ آسمان کیا ہے کسی مقبرہ کا گنبد ہے آسمان! مردہ آسمان!! حنوط شدہ لاشوں کی طرح خشک ہے۔ یہ مجھے ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے شانوں پر ضرورت سے زیادہ وزنی چیز ڈالدی ہے۔ یہ مجھے گھبرائے دیتا ہے سہائے دیتا ہے۔ جی میں آتا ہے کہ سر ٹکرا کر اسے پھوڑ دوں۔ یہ ملک بھی کیسا بھیانک ملک ہے۔ یہاں کی ہر چیز افسردہ۔ ہر چیز رمز آمیز اور ہر چیز بعید از فہم ہے۔ خدا جانے اس کے اندر اتنی خوفناک چیزیں اور عجیب الخلقت یادگاریں کہاں سے آگئیں۔ یہ دیوزاد سنگین بت جو غالباً ازل سے یونہی گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ ہاں میں ان کے اس جمود سے تنگ آگئی ہوں۔ ان سے میری آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ نہ معلوم وہ شخص کون ہوگا جو ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیگا۔ اور ان کی وہ پاسبانی جو صدیوں سے مسلسل قائم ہے۔ ختم ہو جائے گی۔ پتھر اگرچہ پتھر ہے لیکن اس کو بھی ایسی

حالت سے تنگ آجانا چاہیئے۔ میں پوچھتی ہوں کہ یہ لس آقا کے منتظر ہیں کہ وہ تشریف لائے اور یہ اُس کے استقبال و اعزاز کے لئے اپنی کوہستانی کرسیوں کو چھوڑیں۔ یہ عظیم الشان ابوالہول آخر کس گلہ کا پاسبان ہے جو کتے کی طرح زانو توڑے ہوئے نگرانی کر رہا ہے، اسکی سنگین آنکھیں کیوں اس طرح ابدیت اور لانہایت کیطرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں، وہ کون سا راز ہے جو اس کے سنگین پیکر میں بند کر کے اس کے لبوں کو مقفل کر دیا گیا ہے۔ جس طرف دیکھئے خوفناک اور عجیب الخلقت چیزوں کے سوا اور کچھ نظر بھی نہیں آتا۔ یہاں کے جانور، یہاں کے درخت، یہاں کے آثار، الغرض یہاں جو کچھ ہے ویران ہے یا مہیب ہولناک ہے یا عجیب۔

دیواروں پر، ستونوں پر، چھتوں پر، فرشوں پر، مندروں میں قبرستانوں کی عمیق ترین قبروں پر، حتے کہ زمین کی ایسی گہرائیوں میں جہاں روشنی بھی تاریک نظر آتی ہے، الغرض ہمیشہ اور ہر جگہ بدنما مصری خط کی لا انتہا قطاریں ہیں، جو ایک لامعلوم زبان میں ان باتوں کا حال بیان کرتی ہیں جن کا اب کسی کو علم تک نہیں ہے اور جو یقیناً زمانۂ ماضی کی مفقود اور نابود شدہ مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں یا وہ عظیم الشان مدفون شدہ عمارتیں ہیں۔ جن میں ایک پوری قوم صرف ایک بادشاہ کا کتبۂ مزار لکھنے کے لئے ذبح کر ڈالی گئی تھی، الغرض جدھر دیکھو اژدہا اور پتھر، پتھر ہے اور راز۔

جہاں نباتات دیکھنے کو جی چاہتا ہے وہاں سنگریزے نظر آتے ہیں۔ جس جگہ شجر دار راہیں ہونا چاہئے وہاں سنگین ستونوں کی قطاریں ہیں۔ نرم زمین کی بجائے پتھر کا فرش ہے اور آسمان کی جگہ سقف سنگی، گویا ابدیت کو اس طرح قید کر دیا گیا ہے۔ انسان کی مختصر اور فانی زندگی کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ زینے بنائے ہیں کہ ان پر دیوزادی چڑھیں تو چڑھ سکیں۔ ورنہ انسان کا قدم تو ان پر سیڑھی کی مدد کے بغیر پہونچ نہیں سکتا۔ ستون تعمیر کئے ہیں کہ سو آدمیوں کے بازو بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بھول بھلیاں بنائی ہیں کہ ان میں انسان برسوں سرگرداں رہے لیکن ان کے پیچ و خم ختم نہ ہوں۔ جہاں دیکھو دہشت و ہیبت کی فراوانی، تجبر و افتخار کی نمائشیں!!

اے شارمیون دیکھ تو۔ دنیا کے تمام ملکوں میں مردوں کی لاشیں جلادی جاتی ہیں۔ اور ان کی خاک خاک سے ملجاتی ہے۔ لیکن یہاں زندہ آدمیوں کو سوائے اسکے کوئی کام نہیں کہ مردوں کی حفاظت کیا کریں۔ عجیب غریب مسالے ان لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے طیار کئے جاتے ہیں، تاکہ روح رہے یا نہ رہے۔ لیکن جسم ضرور باقی رہے۔ موجودہ مصری قوم کے زیر قدم بیسیوں قومیں دبی پڑی ہیں۔ اس شہر کے نیچے نہ جانے کتنے شہر اور موجود ہیں۔ ہر نسل جو گذر جاتی ہے وہ اپنے بعد حنوط شدہ لاشوں کی ایک پوری آبادی چھوڑ جاتی ہے۔ باپ کے نیچے دادا اور دادا کے نیچے پڑدادا اپنے طلاکار اور منقش تابوتوں میں اسی طرح پڑے ہیں گویا سو رہے ہیں۔ حتے کہ اگر کوئی شخص تمام عمر زمین کی تہیں ادھیڑتا

چلا جائے۔ تب بھی ان نیچے دبے ہوئے مردوں کا سلسلہ ختم نہ ہو۔

جب میں ان کپڑے کی پٹیوں سے لپٹی ہوئی خشک لاشوں کا خیال کرتی ہوں جو غاروں کے اندر ہزار ہا سال سے بے حس و حرکت پڑی ہیں اور جو شاید ابدالآباد تک اسی طرح پڑی رہیں گی۔ تو میں لرزہ براندام ہو جاتی ہوں۔

شارمیون! سلطنت مصر بھی عجیب سنسان سلطنت ہے۔ اور میرے لئے کسی طرح موزوں نہیں۔ یہاں جس چیز کو دیکھئے اس کے اندر ایک ممی ضرور موجود ہوگی ہر چیز کا دل ممی اور ہر سینہ کا مغز ممی ہے۔ ہزار بار چکر لگاؤ مگر ہر چکر ممیوں سے شروع ہو کر ممیوں ہی پر ختم ہوگا۔ ان کمبخت اہرام کو دیکھو ان کے اندر بھی تو ممیوں کے تابوت کے سوا اور کچھ نہیں، توبہ، توبہ، یہ بھی کیا حماقت و وحشت ہے۔ غور کرو کہ اگر یہ مخروطی اہرام آسمان سے گر جائیں، تو بھی لاش کو ایک انچ نہیں بڑھا سکتے۔ پھر بتا اے شارمیون! کہ کوئی شخص ایسے ملک میں کیونکر خوش رہ سکتا ہے۔ جہاں کوئی بو اگر ہے تو صرف روغن نفط اور رال کی ناگوار بدبو۔ جہاں تمہارے ایوان کا فرش بھی چلتے وقت اس طرح بولتا ہے جیسے کوئی کھوکھلی چیز۔ کیونکہ اس کے نیچے بھی لاشوں کے غار پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی بتا کہ صرف ممیوں کی ملکہ بننا اور بتوں کے سوائے جو سختی کے ساتھ مختلف وضع کے آسن جمائے بحالت جمود بیٹھے ہوئے ہیں کوئی متنفس بات کرنے کے لئے نہ ہونا آخر یہ کیا تماشہ ہے؟ کاش اس افسردگی کو مٹانے کے لئے دل میں کوئی خاص جذبہ پیدا ہوتا۔ زندگی سے کچھ دلچسپی ہوتی۔ کاش میں کسی شخص سے محبت کر سکتی...... کوئی اور مجھ سے محبت کرتا۔

بس شارمیون! یہ ہیں وہ باتیں جن کے باعث میں ملول و افسردہ خاطر ہوں۔ اگر کہیں اس سرزمین میں عشق و محبت کی بھی پرورش ہو سکتی تو یہ بھیانک اور خشک مصر بھی مجھے یونان سے زیادہ پیارا معلوم ہوتا، جہاں ہاتھی دانت کے بت ہیں۔ برف کی طرح سفید سنگ مرمر کے مندر ہیں۔ سدا بہار اور خزاں نادیدہ چمنستان ہیں۔ خوبصورت و دلکش فوارے ہیں"

ملکہ کی یہ شاعرانہ و حکیمانہ باتیں سن کر شارمیون جو یونانی النسل کنیز تھی مسکرا دی اور بولی:-

"ملکۂ عالم! میرے خیال میں تو یہ بات اس قدر باعث رنج و ملال نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ملکۂ عالم کی ایک ایک نگاہ دنیا کے لئے مستقل دعوت عشق و محبت ہے۔"

قلوپطرہ۔ کیا کوئی ملکہ کبھی یہ معلوم کر سکتی ہے کہ ایک شخص اس کی صورت سے محبت کرتا ہے یا اس کے تخت و تاج سے؟ اگر میں اورنگ عظمت و جلال کی رفعت سے نیچے اتر جاؤں، کیا اسی وقت بھی میری دلکشی اسی طرح قائم رہیگی کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس بدتمیز دنیا میں ملکہ عورت نہیں سمجھی جاتی۔ ملکہ وہ ایک ایسی ہستی سمجھی جاتی ہے جو جنسی علائق کی اہل نہیں۔ لوگ اس ہستی کی زانو ہو کر پرستاری کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔ شارمیون! تم ہی بتاؤ کیا کوئی شخص آج تک برف جیسے سفید ہاتھوں والی دیوی ہیرا یا ازرق چشم دیوی

بلاس پر حقیقتاً فریفتہ ہوا ہے؟ کون ہے وہ جس نے کبھی اُس کے چاندی جیسے پاؤں چومنے کی کوشش کی ہو؟ کون ہے وہ جس نے آج تک اُس کی گلابی اُنگلیوں کو اپنے لبوں سے مس کرنے کی خواہش نہ کی ہو؟ بتاؤ کیا ان حسین و جمیل دیویوں کا کوئی عاشق ایسا ہوا ہے جو پر لگا کر بہشت کے مطلّا و مذہّب محلات و قصور تک پہونچ گیا ہو۔ اے شارمیون! عزت و احترام خوف و دہشت کا جذبہ میرے حضور میں لوگوں کے دلوں کو سرد کر دیتا ہے۔ اور میں اس جذبہ کے التفات سے محروم رہتی ہوں جس کے لئے میں ایک معمولی عورت ہونے کے لحاظ سے تڑپ رہی ہوں۔"

اگرچہ شارمیون نے اپنی ملکہ کے دلائل کے خلاف کوئی حجت پیش نہیں کی لیکن ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس جمیل یونانی کنیز کے لبوں پر پیدا ہو گئی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاہی ہستیوں کے بے عیب اور ناقابل تسخیر ہونے پر اس کو بہت کم ایمان ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے قلوبطرہ نے کہا:۔

"کاش میرے لئے کوئی نئی بات پیدا ہوتی۔ کوئی عجیب اور غیر متوقع واقعہ ظہور میں آتا۔ اب میرے لئے شعراء کی غزلیں، ملک شام کی حسین ناچنے والیوں کا رقص و سرود۔ صبح تک رہنے والی ضیافتیں۔ دجلہ کی کشتیاں۔ ایشیاء کے عطریات۔ یہ شاہانہ شوکت و جلال، یہ ملوکانہ اسباب راحت و آسائش، الغرض میرا تمام ماحول، میرے لئے بالکل بے معنی سی چیز ہے اور اب میں ان میں سے کسی کی برداشت نہیں کر سکتی۔"

اس قدر طویل تقریر سے تھک کر قلوبطرہ نے پھر وہ پیالہ اُٹھایا جو اس کے قریب ہی رکھا ہوا تھا اور لب تر کئے۔ اس کے بعد جس طرح ایک خوبصورت قمری اپنا سر پروں میں چھپا کر سو جاتی ہے، قلوبطرہ نے بھی اپنا ایک ہاتھ چہرہ پر رکھ لیا اور کسی قدر سکون کے ساتھ قیلولہ میں مصروف ہو گئی۔ شارمیون نے آہستہ آہستہ اُس کے پاؤں کی چپلیاں کھول کر اتار لیں۔ اور سونے کے پرسے اس کے پاؤں کے تلوے آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ یہاں تک کہ نیند نے اُس کی دلفریب آنکھوں میں اپنا زریں غبار بھر دیا۔ اور بطلیموس مصری کی بہن قلوبطرہ سو گئی۔

شام ہو گئی ہے، بنفشئی رنگ کی ایک چوڑی سڑک جس میں کہیں کہیں شفق کی سُرخی بھی دکھائی دیتی ہے، افق مغرب میں نظر آ رہی ہے۔ اُس کے اوپر آسمان کا نیلگوں منطقہ شروع ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کے مقام اتصال پر بنفشئی رنگ لاکھی ہو کر نظر آ رہا ہے۔ دور فاصلہ پر آفتاب جو ایسا سُرخ معلوم ہوتا ہے۔ گویا وُلکن کی بھٹی میں سے کوئی تپتی ہوئی ڈھال گر پڑی ہے۔ اپنا آتشیں سایہ ہر طرف ڈال رہا ہے۔ آسمان کے گہرے رنگ ہلکے ہو کر نارنجی ہوتے جاتے ہیں۔ دریا کا پانی ایسا چمک رہا ہے جیسے قلعی کیا ہوا آئینہ یا صیقل کی ہوئی جوہر دار تلوار۔ اسی روشنی میں دور فاصلہ پر دریا کی چمکدار لہروں کے جال میں ایک چھوٹا سا خاکی دھبا کانپتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا یہ ریت کا کوئی ذرہ ہے جو سطح سیماب پر تیر رہا ہے۔ کیا یہ کوئی چھوٹی سی مرغابی ہے جو غوطے کھا رہی ہے؟ یا کوئی کچھوا ہے جو آہستہ آہستہ دھارے پر بہا جا رہا ہے؟ یا کوئی نہنگ ہے جو شام کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا میں سانس لینے کے لئے اپنی تھوتھنی پانی سے

باہر نکالے ہوئے ہے؟ یا کسی دریائی گھوڑے کا پیٹ ہے جو منجدھار میں چمک رہا ہے؟ یا کوئی چٹان ہے جو دریا کا پانی اتر جانے سے نمایاں ہو گئی ہے۔

نہیں یہ ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ کوئی آدمی ہے جو ایک حقیر سی ڈونگی میں بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ آ رہا ہے۔ یہ آدمی کشتی پر سیدھا کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چپو ہے جس سے وہ کشتی کو چلا رہا ہے۔ اور اگرچہ شاہی بجرا پچاس چپوؤں کی مدد سے بہت تیز جا رہا ہے۔ لیکن یہ سیاہی مائل حقیر ڈونگی رفتہ رفتہ اس کے قریب ہوتی جاتی ہے۔

یہ ایک بیس سال کا خوبصورت نوجوان تھا۔ اوس کے بال عنبریں تھے اور اس کا رنگ کندن کی طرح نکھرا ہوا تھا۔ اس کے خوبصورت اور ایک بُت کی طرح سڈول جسم میں ہر ہر عضو سے شباب کی پوری کیفیت نمایاں تھی اور ہر چند یہ دیر سے کشتی کھیتا آ رہا تھا۔ مگر اس پر تکان کی کوئی علامت ظاہر نہیں تھی۔ نہ اس کی پیشانی پر پسینہ کا کوئی قطرہ پایا جاتا تھا۔

آفتاب افق کے نیچے نصف غروب ہو چکا ہے۔ اور اس کی ضعیف روشنی کے سامنے ایک دور دراز شہر کا تاریک منظر دکھائی دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ نور آفتاب غائب ہو گیا اور آسمان پہ ستارے، چاندی کے پھولوں کی طرح ہر طرف بکھرے ہوئے نظر آنے لگے۔ شاہی بجرا جس سے اب وہ چھوٹی کشتی بہت قریب پہونچ گئی تھی ایک عظیم الشان مرمریں زینہ کے سامنے رُکا یہ ملکہ کا قصر گرما تھا۔ سیڑھیوں پر دونوں طرف غلام کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں روشن قندیلیں تھیں۔ ملکہ قلوپطرہ بجرے سے اتر کر شارمیون کا سہارا لیتی ہوئی اس طرح سبک خرامی کے ساتھ غلاموں کی قطاروں سے گذر گئی گویا کہ وہ ایک خواب رنگیں تھا جو صبح کے وقت دیکھا گیا اور آنکھ کھلتے ہی محو ہو گیا۔

نوجوان نے اپنی کشتی میں سے شیر کی ایک کھال نکالی اور اس کو شانوں پر ڈالکر کشتی کو کنارہ لگا لیا اور قصر شاہی کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۳)

اس نوجوان کا نام میمون تھا اور اپنی سیرت کے لحاظ سے غیر معمولی الشان تھا۔ اس کی پتلیوں میں عقاب کی سی چمک تھی اور اس کی پیشانی سے وہی عظمت و جلال ظاہر تھا جو کسی مرمریں بُت میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ہونٹوں کی ساخت سے خوددارانہ شرافت ظاہر ہوتی تھی اور اس کے نتھنے اس طرح پھڑکتے تھے جیسے کسی تیز رو گھوڑے کے۔ ہر چند اس کے خوبصورت جسم میں نزاکت کے ساتھ تھوڑی سی نسائیت بھی موجود تھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے اسی نازک جسم کے اندر بجائے رگوں کے فولادی تاروں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہرقلس کی سی قوت

اس میں پنہاں تھی۔

اس کے رنگ میں ہلکی سی کندن کی سی زردی پائی جاتی تھی جو اس کے عاشق مزاج ہونے کی اہمیت کو ظاہر کر رہی تھی اور جس کو دیکھ کر جمیل ترین لڑکی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن بایں ہمہ اس کی زندگی یکسر عصمت وعفت تھی اور اس کی پارسائی ایک ایسا سنگین حصار تھی جسے اسوقت تک ملک کی کوئی جمیل لڑکی مفتوح نہیں کر سکتی تھی۔

وہ صبح سویرے اُٹھتا۔ دریائی گھوڑے کی کھال کی سپر لشت پر ڈالتا، ہاتھ میں اپنا تبر سنبھالتا، شلشی کمان اور اژدھے کی کھال کا بنا ہوا ترکش جس میں خاردار تیر بھرے ہوتے شانے پر ڈالتا اور اپنی نازک اندام صبا رفتار، لمبی ایال رکھنے والی گھوڑی پر سوار ہو کر ریگستان کی طرف چلا جاتا، یہاں تک کہ اُسے جنگل میں کسی شیر کا سراغ ملجاتا اور وہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کرلے آتا۔ کیونکہ خطرہ میں پڑنا، محال کو ممکن بنانے میں جان لڑادینا اس کا بہترین مشغلہ تھا، وہ طوفان اور غضبناک دریا میں غسل کرنا اور تیرنا بہت پسند کرتا اور یہی وجہ تھی کہ دریائے نیل میں آبشاروں کے قریب وہ غسل کرنے جایا کرتا تھا۔

کچھ دنوں سے اس کا مزاج اور زیادہ مجنونانہ ہو چلا تھا۔ وہ مہینوں ریگستان ہی میں گذار دیتا اور بہت کم گھر جاتا۔ اس کی بیقرار ماں ہفتوں فکر وتشویش سے اس کا انتظار کرتی رہتی اور پھر مایوس ہو جاتی تھی کہ ناگہاں ایک روز افق سے ایک چھوٹا سا تیرہ گرد وغبار کا نمودار ہوتا۔ اور گرد کے اس بادل سے میمون کی صورت نظر آجاتی۔ سر سے پانوں تک گرد آلود اور گھوڑی کی سرخ سرخ آنکھیں باہر کی طرف ابلی ہوئی نتھنے پھولے اور کانپتے ہوئے اور پہلوؤں میں بڑے بڑے زخم جو درندوں کے پنجوں کے ہوتے تھے۔

واپس آکر وہ کسی نئے شکار کئے ہوئے شیر کی کھال اپنے کمرہ میں لٹکاتا اور پھر جنگل کی طرف چلا جاتا۔

یہ تھا اس کی زندگی کا معمول جس میں اس کی زندگی کی مسرت پنہاں تھی۔ ملک کے کاہن اعظم آفوتھیس کی حسین لڑکی نفتہ جو آرسنوئی قوم کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ اس نوجوان پر عاشق تھی۔ لیکن میمون اس سے بالکل بیخبر تھا۔ کہ نفتہ کی ساحر آنکھیں کس قدر فتنہ انگیز ہیں۔ اور اس کے رنگین رخسار پھول کے مشابہ ہیں۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ نفتہ کے سفید دانت موتیوں سے زیادہ چمک رکھتے ہیں اور اُس کے حسن وجمال میں کس بلا کا افسوں ہے۔

تمام مصر میں نہ اس سے زیادہ خوبصورت اور نازک ہاتھ کسی اور لڑکی کے تھے اور نہ ایسے لمبے چمکدار بال کہیں اور نظر آسکتے تھے۔ نفتہ کے حسن وجمال اور ناز وادا پر اگر کوئی غالب ہو سکتا تھا تو وہ صرف قلوبطرہ تھی اور میمون اُسی کی دلربائی ورعنائی کا فریفتہ تھا۔

اول اول تو اُس نے اس مہلک جذبہ کو مغلوب کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ بہت

زیادہ شجاع و دلیر ہوتے ہیں۔ وہی زیادہ اس جنگ میں ناکام رہتے ہیں، چنانچہ میموَن کا بھی یہی حشر ہوا۔ اور قلوبطرہ کی تصویر معہ اس کے طلائی تاج اور شاہی لباس کے رات بھر اس کے خواب میں اور دن بھر اُسکے خیال میں رہنے لگی اور آخر کار میموَن نے قصر شاہی کا طواف شروع کر دیا تاکہ کم از کم وہ اس فضا میں سانس ہی لے سکے جہاں ملکہ قلوبطرہ رہتی ہے، اور اگر کبھی موقعہ مل جائے تو اس کے نقش قدم کا سجدہ ہی کر سکے۔ وہ مقدس تہواروں میں شریک ہوتا محض اس امید پر کہ شاید اس کی کوئی جھلک دیکھنا نصیب ہو جائے۔ بعض اوقات جب اسے اپنی اس مجنونانہ زندگی کا احساس ہوتا تو پھر وہ دو چند سرگرمی سے سیر و شکار میں مصروف ہو جاتا تھا کہ اس جوش کو فرو کر سکے۔

وہ ہرمون دیوی کی پوجا میں اسی لئے شریک ہوا تھا کہ جس وقت ملکہ کی سواری گرمائی قصر کے سامنے پہونچے گی تو وہ اس پر ایک نگاہ ڈال سکے گا اور اسی امید پر وہ اپنی حقیر ڈونگی میں شاہی بجرے کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔

وہ ریگ زار صحرا میں ہتیلی پر سر رکھے کچھ سوچ رہا تھا، ہزاروں خیال دل میں آتے تھے لاکھوں تدبیر بنا بنا کر بگاڑ رہا تھا، لیکن کوئی صورت اطمینان کی نہ پیدا ہوتی تھی۔ اس نے گھبرا کر آتُور دیوی سے خطاب کیا کہ :-

"اے صاحب عظمت و جلال دیوی!! میں نے ایسا تیرا کیا قصور کیا ہے کہ تو نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا؟ کیا تو مجھ سے اس بات کا انتقام لے رہی ہے کہ میں نے نیفتہ سے بے اعتنائی کی۔ کیا تو نے مجھے اس لئے اس عذاب میں مبتلا کیا ہے کہ میں نے لامیہ کی محبت کو ٹھکرا دیا؟ اور دربار روما کی حسین مغنیہ فلورا کی طرف توجہ نہیں کی۔ یا میری یہ خطا ہے کہ میں قلوبطرہ کی طرف مائل ہوں جو حسن و جمال میں تیری حریف ہے؟ اے دیوی! جو عشق کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا۔ اس کے تیروں سے تو نے میری روح کو کیوں مجروح کیا؟ اچھا بتا کہ میں تجھے کیا نذر دوں؟ کیا تیرے اعزاز میں گلابی سنگ مرمر کا ایک ایسا مندر بناؤں۔ جس کے ستونوں کی چوٹیوں پر سونے کے پتر چڑھے ہوں۔ جس کی چھت ایک ڈال پتھر کی ہو۔ اور جس پر ممفس اور تھیبسا کے بہترین کاریگروں نے بہترین نقوش کندہ کئے ہوں؟ بول! اے دیوی بول!! کچھ تو جواب دے!"

جس طرح اور دیویاں ایسی فریادوں اور التجاؤں کا کوئی جواب نہیں دیا کرتیں اسی طرح میموَن کی فریاد کا بھی آتُور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور مجبور ہو کر اس نے ایک خطرناک تدبیر سوچی۔

اُدھر قلوبطرہ بھی آتُور دیوی سے دعا کر چکی تھی کہ اُس کے لئے کوئی نئی مسرت، کوئی تازہ جذبہ پیدا ہو کیونکہ وہ اب تمام سامان عیش و نشاط سے بیزار ہو چکی تھی۔ غلاموں اور کنیزوں پر نئے نئے زہروں کا امتحان کرنا آدمیوں کو شیروں سے لڑانا۔ تیغ زنوں کی لڑائی دیکھنا۔ شراب میں مروارید حل کر کے پی جانا یہ تمام مشغلے اُسکے

نزدیک اب بے لطف ہو گئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ روز تفریح کے لئے نئے نئے مشاغل پیدا کرنا ایک ملکہ کے لئے بھی آسان کام نہیں ہے۔

اس وقت شارمیون بھی گھبرائی ہوئی تھی کہ کیا کرے اور ملکہ کی فکریں کیونکر رفع ہوں۔ کہ اتنے میں اچانک سن سن کی آواز کانوں میں آئی اور ایک کانپتا ہوا تیر دیوار کے تختوں پر آکر گڑ گیا۔ شارمیون دوڑی ہوئی دریچہ میں گئی اور سر باہر نکال کر دیکھا۔ لیکن وہاں بجز جھاگ کے جو سطح دریا پر نمایاں تھا اور کچھ نہ نظر آیا۔ اس میں ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا جس پر فینیقی زبان میں لکھا ہوا تھا کہ:۔

"میں تجھ سے محبت کرتا ہوں"

قلوپطرہ نے کاغذ کا وہ پرزہ جو تیر کے گرد لپٹا ہوا تھا اپنی نازک اور سفید انگلیوں سے کھولا اور جس وقت اس کی نگاہ اس کے پیام پر پڑی تو اس کے جسم میں خفیف سی لرزش پیدا ہوئی اور بے اختیارانہ کہہ اٹھی کہ:"

"ہاں یہی وہ الفاظ ہیں جن کی میں متمنی تھی" وہ فوراً اٹھ بیٹھی اور اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پاؤں کلا مدار سلیپر دکھنیں ڈالے۔ زرد وزر ریشمی پیراہن گلے میں پہنا اور دوڑ کر اسی غرفہ میں پہونچی جہاں شارمیون بیٹھی ہوئی ابھی تک باہر جھانک رہی تھی۔

رات صاف اور پر سکون تھی۔ اور دریائے نیل کا پانی جس میں قلوپطرہ کا عکس ایک منور و طویل ستون کی طرح پڑ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی نقرئی لہروں کی وجہ سے جال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا، جس کی نسبت یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید وہ ابوالہول کی سانس ہے، ساحل کے نرسلوں میں سے لرزتی ہوئی نکل کر کنول کے گلابی اور آبی رنگ کے پھولوں کو کبھی کبھی کپکپا دیتی تھی۔ اور وہ رسّے جن سے کشتیاں اور بجرے ساحل پر بندھے ہوئے تھے۔ ہوا کے زور سے آہستہ آہستہ چرچرا رہے تھے۔ لہریں لیتے ہوئے پانی کے تھپیڑے جو ساحل سے لگتے تھے تو ان سے کچھ ایسی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے قمری کراہ رہی ہو۔

قلوپطرہ۔ کیا تمہیں نظر نہیں آیا۔ وہ دیکھو وہ منجدھار میں ایک تیرنے والے آدمی کا سر ہے؟ وہ دیکھو اب وہ اس روشنی کی شعاعوں سے بھی گزر گیا جو سطح دریا پر پڑ رہی ہیں۔ اب وہ دور کے سایہ میں پہونچ گیا ہے۔ اے لو وہ نظروں سے بھی غائب ہو گیا"

شارمیون کے شانہ کا سہارا لیکر قلوپطرہ نے کھڑکی سے سر باہر نکالا اور تقریباً سینہ تک باہر نکل کر دریا کی طرف دیکھنے لگی کہ شاید اس پر اسرار تیرنے والے کی کوئی اور جھلک نظر آجائے۔ لیکن چونکہ اس طرف دریائی بیولوں اور کھجوروں کا گہرا سایہ پانی پر پڑ رہا تھا۔ اس لئے دوبارہ اس کی جھلک نہ دکھائی دی۔ قلوپطرہ نے حکم دیا کہ فوراً اس شخص کا تعاقب کیا جائے۔ اور ملاحوں کے سردار کو بلایا جائے۔

اس وقت قلوپطرہ کا جوشِ اشتیاق حد درجہ کو پہونچا ہوا تھا۔ ملاحوں کا سردار حاضر ہوا۔ یہ قوم نخاسی کا ایک تنومند آدمی تھا۔ جس کے ہاتھ لمبے لمبے اور بازو بھرے بھرے تھے۔ سر پر ایک سرخ ٹوپی تھی۔ جو خود سے ملتی جلتی تھی۔ اوپر کا جسم برہنہ تھا۔ کیس ٹانگوں میں نیلی دھاری کی شلوار پہنے تھا۔ اس کا آبنوسی جسم جو پالش شدہ سیاہ کندہ کی طرح تھا۔ قندیل کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے ملکہ کا فرمان سنا۔ اور فوراً تعمیل کے لئے روانہ ہو گیا۔

وہ نہایت سُبک، لمبی لمبی کشتیاں فوراً دریا میں ڈالی گئیں۔ اور بیس طاقتور ملاحوں کے زور سے دریا کا سینہ چیرتی ہوئی روانہ ہو گئیں۔ لیکن یہ تعاقب بے سود ثابت ہوا۔ نرسلوں کا تنکا تنکا اور ساحل کا چپہ چپہ ڈھونڈ ہنے کے بعد ملاحوں کا سردار قصرِ شاہی کو واپس آیا۔ اسے اگر کچھ کامیابی ہوئی بھی تو صرف اس قدر کہ یا تو اس نے کسی سارس کو جو نرسلوں میں دریا کے کنارے ایک ٹانگ پر کھڑا ہوا مصروفِ مراقبہ تھا اُڑا دیا یا کسی خوفزدہ گھڑیال کا ہاضمہ خراب کر دیا۔

اس ناکامی پر قلوپطرہ اس قدر برافروختہ ہوئی کہ اس کا ارادہ ہوا اس ملاح کو کسی جنگلی درندہ کے پنجرہ میں ڈلوا دے۔ مگر خوش قسمتی سے اس وقت اس بدنصیب لرزہ براندام شخص کی شارمیون نے سفارش کی۔ ورنہ اس کا تو خوف سے یہ حال ہو گیا تھا کہ اس کا آبنوسی رنگ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ تمام عمر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ قلوپطرہ کی ایک دلی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اور یہی باعث تھا کہ وہ اس وقت ایک اضطراب آمیز تحیر میں گرفتار تھی۔ کیونکہ اس واقعہ سے اس کو اپنے قادرِ مطلق ہونے میں شبہ ہونے لگا تھا۔

وہ قلوپطرہ جو بطلیموس شاہِ مصر کی بہن اور بیوی تھی۔ وہ قلوپطرہ جس کی نسبت اعلان کیا گیا تھا کہ وہ ایوزیتیس کی ہمسر تھی وہی قلوپطرہ اپنے ارادہ میں ناکام رہے! کسی بات کی خواہش دل میں پیدا ہو اور وہ پوری نہ ہو اس کی زبان سے کوئی فرمان صادر ہو اور اوسکی تعمیل نہ ہو سکے! اس سے تو بہتر تھا کہ وہ کسی ذلیل سنگ تراش کی بیوی ہوتی یا ریگستان میں لاشوں کے حنوط کرنے کا مسالہ پکایا کرتی۔

وہ قلوپطرہ جس کے دل میں کسی خواہش کا پیدا ہونا اس کے پورا ہونے کا مترادف تھا، وہ قلوپطرہ جس کے اشارہ ابرو پر نقرئی رتھیں۔ زرنگار طاؤسی پیراہن۔ مصقل فولاد کے آئینے۔ ملک سرنیقہ کے باریک ریشمی تھان۔ مشرقی سمندروں کے دُرہائے شاہوار۔ مائرون اور لاسٹی کپس ایسے ماہرینِ بت تراشی کے بنائے ہوئے ساغر۔ فراہم ہو جائیں۔ وہ ایک معمولی انسان کے گرفتار کرنے سے قاصر رہے! حقیقت یہ ہے کہ یہ صدمہ اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا اور اُس کی زندگی کا سب سے پہلا تلخ تجربہ۔

تھوڑی دیر سوچتے رہنے کے بعد بولی۔ "کیوں شارمیون! تیرا کیا خیال ہے۔ جس شخص نے تیر کے ذریعے

اپنا پیغام محبت یہاں پہونچانے کی جرات کی ہے یہ کون ہو سکتا ہے؟ کیا یہ نوفرخ آمون کی حرکت ہے جو خود کو یونانیوں کے دیوتا اپالو سے بھی زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے؟ یا پھر موتھیبسیا کا سردار خیاپ سیرو ہے جو ملک گیری میں اپنے فاتحانہ کارناموں کی شیخی بگھارا کرتا ہے؟ یا بہت ممکن ہے وہ رومی عیاش سکیتس ہو جو اپنے چہرہ پر غازہ ملا کرتا ہے بات کرتے ہوئے لکنت کرتا ہے۔ اور ایرانی وضع کی آستینیں اپنے ملبوس میں لگاتا ہے۔"

شارمیون۔ نہیں ملکۂ عالم! ان میں سے کوئی بھی نہ ہوگا۔ نوفرخ آمون نے تو اپنے سامنے ایک الیسا بُت رکھ چھوڑا ہے جس کی پرستش وہ زندگی بھر وفاداری کے ساتھ کرتا رہے گا۔ اور وہ بُت خود اُس کی ذات ہے، ایسا خود بین و خود پسند شخص جذبۂ محبت سے کب آشنا ہو سکتا ہے؟ جنگ آزما خیاپ سیرو کو اپنے فاتحانہ کارناموں سے اور پھر فخر کرنے سے کہاں فرصت کہ اور کسی طرف متوجہ ہو؟ اب رہا سکیتس! سو وہ آج کل چہرہ کا ایک نیا غازہ بنانے کی فکر میں ہمتا ہے۔ علاوہ اس کے اس نے چند ایشیائی لڑکے خریدے ہیں۔ جن کے لئے وہ زرکار سنتی پیراہن تیار کرا رہا ہے ان باتوں سے اُسے کہاں فرصت؟ الغرض ان امراء میں سے کوئی ایسا جری اور بہادر نہیں ہے جو ایسی جانبازی کا کام کر سکے۔ کل جب ملکۂ عالم شاہی بجرے میں سوار تھیں تو ارشاد ہوا تھا کہ کوئی مرد ملکۂ عالم کے جمیل چہرہ پر نگاہ نہیں ڈال سکتا اور حضور میں آتے ہی اس کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور وہ قدموں پر گر کر آنکھیں رگڑتا ہے۔ اور رحم و کرم کی التجا کرتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ اب ملکۂ عالم کے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ دل بہلانے کے لئے رال اور مسالہ میں لپسے ہوئے قدیم زمانہ کے کسی فرعون کو طلائی تابوت سے نکلوایا جائے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ نہیں ابھی تک کوئی ایسا جوشیلا اور نوجوان دل موجود ہے۔ جو ملکۂ عالم کا دل بہلانے کے لئے ہر خطرہ کو برداشت کر سکتا ہے۔

اُس روز قلو لطرہ کو رات بھر نیند نہ آئی۔ وہ بار بار یہی کہتی تھی کہ میں سب سے زیادہ بدنصیب ملکہ ہوں۔ ہر شخص مجھے ستانے کی کوشش کرتا ہے اور اب میں اپنی جان سے عاجز آگئی ہوں۔

اپنی گستاخانہ جسارت سے خود بخود خائف ہو کر میمون دریائے نیل میں کود پڑا تھا اور تیرتے تیرتے دہار کا ٹکر اتا قب شروع ہونے سے پیشتر ساحل کے درختوں میں پہونچ گیا تھا۔

جب اس قدر سخت محنت کے بعد اس کا دم درست ہوا تو اس نے اپنے لمبے لمبے سیاہ بالوں کو نچوڑا اور جب دریا کا تمام پانی اور جھاگ کنپٹی سے ہو کر بہ گیا تو اُسے کسی قدر تسکین ہوئی۔ وہ اس خیال سے بھی مسرور تھا کہ قلو لطرہ کے پاس اس کی بھیجی ہوئی کوئی چیز پہونچ گئی ہے اور اب گویا دونوں کے درمیان ایک قسم کا تعلق قائم ہو گیا ہے۔

جب میمون کو یقین ہو گیا کہ تعاقب کرنے والے واپس گئے تو وہ پھر دریا میں کودا اور تیرتا ہوا قلو لطرہ کے قصر شاہی کی طرف روانہ ہوا۔ جس کے فانوس کھڑکی کے پردوں میں سے ایسے جھلک رہے تھے جیسے رنگین ستارے،

وہ تیرتا ہوا قصر شاہی کے نیچے پہونچا اور ایک سُرنگ کے سامنے ٹھہرا جس کے اندر دریا کا پانی بل کھاتا ہوا داخل ہو رہا تھا وہ اس بھنور میں دو تین مرتبہ گھومتا تاکہ سُرنگ کے اندر داخل ہو جائے لیکن ناکام رہا۔ لیکن چوتھی مرتبہ راستہ اُس کو مل گیا۔ اور وہ اس میں داخل ہو گیا۔

یہ محرابدار سُرنگ ایک مسقف نہر تھی جس سے دریائے نیل کا پانی داخل ہو کر ملکہ قلوپطرہ کے غسل خانوں میں پہونچتا تھا۔

(۳)

قلوپطرہ کو صبح تک چین نہ آیا اور بار بار اُچاٹ ہو جانیوالی نیند سے وقتاً فوقتاً بیدار ہو کر وہ بے خیالی سے اپنا نازک پاؤں شارمیون کے سینہ پر مارتی رہی جو ملکہ کے پائنتی لیٹی ہوئی اس کے پاؤں کے لئے نرم گدے کا کام دے رہی تھی۔

جب وہ بیدار ہوئی تو غرفہ کے پردہ سے چھنکر شعاعیں اندر کھیل رہی تھیں۔ اور پردہ کے تار و پود سے ہزاروں نقطہ ہائے نور چھنکر ملکہ کے بستر پر پڑ رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی سنہری تیتری قلوپطرہ کے حسین مرمریں شانوں پر لہرا رہی ہے اور نرم نرم بوسے لے رہی ہے۔ جس طرح کوئی نحیف و زار علیل و مضمحل شخص نرم آواز سے بولتا ہے۔ اسی طرح قلوپطرہ نے آواز دی تاکہ کنیزیں آکر اُسے بستر سے اُٹھائیں۔ فوراً دو کنیزیں دوڑی آئیں۔ جنھوں نے گود میں لے کر ملکہ کو اُٹھایا اور آہستہ آہستہ شیر کی ایک کھال پر بٹھا دیا جو فرش پر بچھی ہوئی تھی اسی شیر کا چہرہ بھی کھال میں لگا ہوا تھا۔ جس کی آنکھیں لعل شب چراغ کی اور ناخون سونے کے تھے۔ شارمیون نے ملکہ کو برف سے زیادہ سفید کتانی ردا میں لپیٹ دیا۔ اور سر پر کلابتوں کے تاروں کی بنی ہوئی جالی باندھ دی۔ اسکے بعد شارمیون نے اسے زرکار چپلیاں پہنا دیں۔

یہ وقت چونکہ غسل کا تھا اس لئے قلوپطرہ اپنی کنیزوں کو ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کی طرف چلی۔ ملکہ کے غسل خانے اور اُن کے حوض وسیع باغوں کے اندر بنے ہوئے تھے۔ جن میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور اور خوشبودار پودے نصب تھے۔ ان باغوں میں جا بجا چمن بندی کی گئی تھی۔ اور گلابی پتھر کے اونچے اونچے زینے تعمیر کئے گئے تھے۔ جن پر خوبصورت اور نازک پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ زینہ کی ہر سیڑھی پر خوبصورت سنگ مرمر کے گملے رکھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا بڑے بڑے کنول رکھے ہوئے ہیں۔ جا بجا تختۂ چمن پر مرمری بُت ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ملاقات کے کمرے میں پھولدار قالینوں کے حاشیہ پر خوبصورت اور سفید میز فرش رکھے ہوئے ہیں۔ یہ خوبصورت زنانہ بُت تھے۔ جن کے نتھنے نازک۔ پیشانیاں ہموار۔ دہانے تنگ،

بازو گول، اور سینے سڈول، تھے۔ کانوں میں آویزے۔ گردنوں میں گلوبند اور جسم پر مختلف وضع کے زیور جوزیب تن تھے۔ ان میں سے بعض کا حصۂ زیریں جل پری کی طرح تھا اور مچھلی کی طرح دو شاخہ دُم پر ختم ہوتا تھا۔ بعض کا جسم زیریں کسی مرغ کا سا بنا دیا گیا تھا۔ جسکے بازو پھیلے ہوئے تھے۔ بعض کا دھڑ چار زانو بیٹھے ہوئے شیر کا سا بنا دیا گیا تھا۔ اور بعض کا نباتاتی بنایا گیا تھا گویا ایک پری کسی پھول یا پودے میں سے جنم لے رہی ہے۔ الغرض کاریگروں نے موقعہ ومحل دیکھ کر مناسب وضع کے مجسمے قائم کئے تھے۔ اور ان کی دو قطاریں اُس راستہ کے ادھر اُدھر قائم تھیں جو قصرِ شاہی سے حمام تک جاتا تھا۔

راستہ کے سرے پر ایک فوارہ دار حوض تھا۔ جس کے چاروں طرف چار سنگین زینے بنے ہوئے تھے۔ اور اس حوض کا پانی اس قدر صاف اور شفاف تھا کہ حوض کی تہ تک ہر چیز صاف نظر آتی تھی۔ حوض کی تہ میں بجائے ریگ کے سونے کے ذرے بچھائے گئے تھے۔ حوضوں میں جو نسوانی مجسمے نصب کئے گئے تھے ان کی چھاتیوں سے خوشبودار پانی کی ایک باریک دھار نکل کر حوض میں گرتی تھی۔ اور صاف پانی کے آئینہ میں پڑ کر خفیف سی جھریاں اس میں پیدا کر دیتی تھی۔

ملکہ قلوپطرہ شارمیون کے شانہ کا سہارا لئے ہوئے اس مقام تک پہونچی اُس نے بہ مشکل چند قدم اُٹھائے ہوں گے کہ اُس کے رخسار کی شفاف جلد سے گلابی عرق نمودار ہونے لگا۔ کنپٹیوں پر جو کہرباے شمعی کی طرح رنگین تھی۔ باریک نیلی رگوں کا ایک جال نمایاں ہو گیا۔ اور ناک کے گلابی نتھنے جلدی جلدی اُبھرنے لگے۔ اوس کے لبوں میں ایک متکبرانہ خم تھا۔ مگر لب زیریں کی درخشاں سرخی میں غیر محتاط عیاشی جھلک رہی تھی۔ آنکھوں پر ہموار پلکوں اور خوبصورت محرابدار ابروؤں کا سایہ تھا۔ اوسکی آنکھیں دو سیاہ شعلے تھے یا شراب کے دو چھلکتے ہوئے جام۔

وہ نہایت کبر وغرور کے ساتھ حوض کے بالائی زینہ پر کھڑی ہو گئی۔ اوس کا جسم کسی قدر پیچھے کو جھکا ہوا تھا۔ ایک پاؤں معلق آگے بڑھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ایک حسین آسمانی دیوی معلوم ہوتی تھی جو ابھی اپنی مسندِ ناز سے اُٹھ کر آئی ہے۔

حمام میں داخل ہونے سے قبل قلوپطرہ نے شارمیون کو حکم دیا کہ سر سے روپہری کلابتوں کی جال کھول لی جائے اور اس کے بجائے آبی گھاس اور گلہائے نیلوفر کے پھولوں کا تاج رکھا جائے۔ کیونکہ اس وقت وہ "جل پری" بننا چاہتی تھی۔ شارمیون نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور قلوپطرہ کے سیاہ عنبریں بالوں کی لٹیں کھل کر شانوں پر اس طرح پھیل گئیں جیسے سطحِ رودِ نیل پر آبشاریں۔ ان سیاہ بالوں کا جب اُس کے رخساروں پر سایہ پڑتا تھا تو وہ پختہ انگوروں کے خوشے معلوم ہوتے تھے۔

اس کے بعد کتانی پیراہن کھولا گیا جو اُس کے مرمریں جسم سے پھسل کر سفید لکۂ ابر کی طرح اسکے

قدموں میں آپڑا۔

قلوپطرہ نے اپنی گلابی ایڑی پانی میں ڈبوئی اور چند سیڑھیاں نیچے اُتر گئی۔ جھلملاتے پانی نے اس کی کمر کے گرد ایک نقرئی پیٹی کس دی اور کلائیوں میں چاندی کے کڑے پہنا دئے۔ اور اس کے شفاف سینہ و شانہ پر ٹوٹے ہوئے ہار کی طرح موتی بچھاور کردئے۔ اوس کے لمبے لمبے بال جنھیں پانی نے اُبھار کر اس کی پشت پر بکھیر دئے تھے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے سیاہ کتاں کی چادر۔ الغرض قلوپطرہ کے حمام کے اندر بھی ملکہ ہی تھی۔ وہ حوض میں ادھر ادھر تیری۔ غوطے لگائے۔ اور مٹھی بھر کر ریگ زر نکال لائی جو اُس نے ہنس کر کنیزوں پر پھینک ماری۔ کبھی وہ حوض کا جنگلہ تھام کر لٹک جاتی۔ اور اپنے حسن وجمال کی دولت بے پایاں دکھاتی۔ کبھی اپنی خوبصورت پشت کا جلوہ دکھاتی اور کبھی اپنا پورا سراپا سامنے کر دیتی۔

دفعتاً قلوپطرہ کے منھ سے ایک بلند چیخ نکلی۔ اس نے قریب کے پودوں میں ایک سرخ نہنگ یا شیر کی زردی مائل شعلہ بار آنکھ کی طرح چمکتی ہوئی ایک آنکھ دیکھ لی تھی۔

یہ میمون کی آنکھ تھی جو جھاڑیوں کے اندر چھپا ہوا کانپ رہا تھا۔ اس وقت وہ ملکہ کو غسل کرتے ہوئے دیکھنے کی لذت میں محو تھا۔ اگرچہ وہ اس قدر بہادر تھا کہ موت سے بھی نہ ڈرتا تھا۔ لیکن قلوپطرہ کی چیخ اُس کے دل سے اس طرح پار ہو گئی جیسے کسی برچھے کی ٹھنڈی انی جگر سے پار ہو جاتی ہے۔ اس کو موت کا پسینہ آگیا۔ کنپٹی کی رگیں پھول گئیں اور دھک دھک کرنے لگیں۔

خواجہ سرا نیزے لیکر بڑھے۔ قلوپطرہ نے ہاتھ کے اشارہ سے وہ جگہ بتائی۔ جہاں میمون چھپا ہوا تھا۔ اب مزاحمت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ میمون نے اپنے آپ کو گرفتار کرا دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بیدردی اور سفاکی سے اُسے قتل کر ڈالیں۔ لیکن قلوپطرہ نے جو اس وقت تک چادر لپیٹ چکی تھی ان کو منع کیا۔

اس وقت میمون کے پاس عذر ہی کیا تھا۔ بجز اس کے کہ وہ ملکہ کے سامنے دوزانو ہو جائے اور ہاتھ جوڑ کر رحم وکرم کی التجا کرے۔ قلوپطرہ نے ایک مخصوص انداز سے سوال کیا:۔

"کیا تم کوئی خونخوار جلاد ہو جسے روما سے رشوت دیکر یہاں بھیجا گیا ہے۔ تم کیوں اس محل میں داخل ہوئے۔ جہاں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے۔

میمون۔ میری روح المیتائی کی میزان عمل میں سُبک ہو جائے۔ اور تمتی جو حق وصداقت کی دیوی ہے مجھے سخت سے سخت سزا دے اگر میرے دل میں ملکۂ عالم کو ضرر پہونچانے کا خیال بھی آیا ہو۔

میمون کے چہرہ پر شفاف حروف میں خلوص اور وفاداری اس قدر جلی قلم سے لکھی ہوئی تھی کہ قلوپطرہ کے دل سے شک دور ہو گیا۔ اور اس نے اس مصری نوجوان کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا جس میں سختی اور غیظ وغضب

کی کمی تھی۔ کیونکہ اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ نوجوان صرف جوان ہی نہیں بلکہ خوبصورت بھی ہے۔

قلوپطرہ ۔ پھر بتا کہ کس مقصد نے تجھے ایسے مقام میں داخل ہونے پر آمادہ کیا۔ جہاں سزائے موت کے سوائے اور کسی چیز کی توقع نہیں ہو سکتی؟

یہ سُن کر میمون نے آہستہ مگر صاف الفاظ میں جواب دیا کہ:۔

"میں تجھ سے محبت کرتا ہوں"

میمون کا یہ فقرہ سن کر قلوپطرہ آگے کو جُھکی اور اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی:۔

"تو کیا تو ہی وہ شخص ہے جس نے تیر میں لپیٹ کر پیغام عشق بھیجا تھا۔ ہاں، میں تجھے جان گئی۔ میں تجھے پہچان گئی۔ میں بہت دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ تو چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح میرے قصر کے اردگرد پھرا کرتا ہے۔ تو آئسیز کے جلوس میں بھی شریک ہوا تھا۔ ہرموتیھیس کی پوجا میں بھی شامل تھا۔ تو نے شاہی بجرے کا بھی تعاقب کیا۔ میں دیکھتی ہوں کہ تیرے حوصلہ میں دنائت نہیں ہے۔ اور تجھ کو اس ہمت و حوصلہ کا صلہ ضرور ملیگا۔۔۔۔۔۔

یقیناً میں بھی تجھ سے محبت کروں گی۔۔۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔ کیوں نہ کروں؟

میمون ۔ ملکۂ عالم! میں ایک رنجور، عقل و دانش سے دور۔ پاگل آدمی ہوں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ میں قتل کا سزاوار ہوں۔ لہذا میرے دل پر۔ میری گردن پر۔ بلکہ میری روح پر انتہائی احسان ہوگا اگر مجھے قتل کردیا جائے۔

قلوپطرہ ۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آج کا دن رحم و کرم سے کام لینے کا ہے۔ میں تیری جاں بخشی کرتی ہوں۔

میمون ۔ میں جان لیکر کیا کروں۔ میرے لئے مرنا ہی بہتر ہے۔

قلوپطرہ ۔ ٹہر جا، ضبط سے کام لے۔ میں جانتی ہوں تو مجھ سے محبت کئے جانیکی تمنا میں مر رہا ہے۔ اپنے مجنونانہ تصور میں تو خیال کرتا تھا کہ ممکن ہے۔ بعض حالات کے ماتحت جن کا دورہ ہزار سال بعد کبھی ہو جاتا ہے، قلوپطرہ بھی مجھ سے محبت کرے۔ اچھا تو سُن لے! جو بات محال ہے وہ ممکن ہونیوالی ہے اور تیرے دل خوشکن خواب کی تعبیر بہت جلد ملنے والی ہے۔ میں رضامند ہوں کہ تجھ پر لطف و اکرام۔ عظمت و جلال اور جاہ و حشم کی بارش کردوں۔ میں نے قصد کرلیا ہے کہ تیری خوش قسمتی کو چار چاند لگادوں کہ لوگوں کی نظریں خیرہ ہو جائیں۔ تو زینہ کی آخری سیڑھی پر تھا لیکن اب میں تجھے فلک الافلاک پر پہونچائے دیتی ہوں۔ میں تجھے لاشیئت سے نکالتی ہوں اور تخت اجلال پر بٹھا کر دیوتاؤں کے برابر کئے دیتی ہوں۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ تجھے پھر اسی قعر عمیق میں پھینک دوں گی جہاں سے نکال رہی ہوں۔ لیکن یہ جسارت ہرگز نہ کرنا کہ اس کے بعد بھی تو مجھے ظلم و ستم کا مجرم گردانے یا رحم و کرم کی التجا کرے۔ جب وقت آئے تو تیرا قدم لغزش نہ کرے۔ میں تجھ پر مہربان ہو گئی ہوں۔ اور میں اپنے نفس کو عارضی طور پر تیری حماقتوں کے حوالہ کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اختیار اور حق حاصل ہے کہ تجھے قتل کردئے جانیکا حکم دیدوں۔ لیکن چونکہ تو مجھ سے محبت کرنیکا

مدعی ہے۔ اس لئے آج کے بجائے تو کل قتل کیا جائے گا۔ تیری زندگی ایک شب کے لئے میری ہے۔ لیکن میں یہ زندگی تجھ سے قیمتاً خریدوں گی۔ اُٹھ! ہاتھ لا۔ تاکہ قصر شاہی کو واپس چلیں۔

(۴)

ایوانِ نشاط نہایت عظیم الشان اور وسیع ایوان تھا۔ اس کے ستون ان پایوں پر قائم کئے گئے تھے جن پر قدیم مصری حروف کندہ تھے۔ اور ان کے سروں پر سنگین محرابوں کا عظیم الشان سلسلہ چلا گیا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ تو بتو محرابیں نہیں ہیں۔ بلکہ علیحدہ سنگین زینے بنا کر نصب کر دیئے گئے ہیں۔ ان دونوں ستونوں کے درمیان ایک ابوالہول تعمیر تھا۔ جس کے سر پہ تاج نما ٹوپی تھی۔ اس کی ٹھوڑی پر سینگ سا نکلا ہوا تھا اور چہرہ آگے کو بڑھا ہوا ٹکٹکی باندھے پُر اسرار آنکھوں سے ایوانِ نشاط کو تک رہا تھا۔ دوسری منزل کے ستون جو کسی قدر پیچھے کو ہٹے ہوئے تھے زیادہ خوبصورت اور نازک بنائے گئے تھے۔ ان کی چوٹیوں پر تاج کے بجائے چار زنانہ سر بنائے گئے تھے۔ جو مصری کلاہ کی تمام خوبیوں اور رعنائیوں سے آراستہ تھے۔

ان محراب خانوں کی تیسری منزل اور نمونہ پر تعمیر کی گئی تھی۔ یہاں بر بجی نیل نصب تھے جن کی سونڈوں سے عطر کے فوارے چھوٹتے تھے اور سب سے اوپر آسمانی رنگ کی چھت بنائی گئی تھی۔ جس میں ستاروں کی طرح عجیب وغریب نقشے آویزاں تھے۔ بے داغ سنگ یشب کے زینے جن پر اس قدر پالش کی گئی تھی کہ آئینہ کی طرح ان میں انسان کا عکس نظر آتا تھا۔ دونوں طرف عمارت کے ان حصوں کو مربوط کئے ہوئے تھے۔

میمون اس وقت کتان کے ملبوس میں تھا۔ جس پر ستارے جڑے ہوئے تھے۔ شانہ پر طاؤسی رنگ کی عبا پڑی ہوئی تھی۔ اور شاہانِ مشرق کی طرح بالوں پر ایک زرکار سربند تھا۔ قلوبطرہ کی زریں پوشاک دھانی رنگ کی تھی۔ دونوں طرف سے کھلی ہوئی۔ جس میں شہد کی مکھیوں کی وضع کے طلائی تکمے لگے ہوئے تھے۔ بازو برہنہ تھے۔ اور کلائیوں میں جواہر نگار کنگن جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سر پر مخروطی شکل کا طلائی تاج چمک رہا تھا۔ باوجودیکہ وہ مسکرا سی رہی تھی۔ لیکن اس کی پیشانی پر کسی آئندہ ہونے والی بات کے خیال کی جھلک نظر آتی تھی۔ اور وقتاً فوقتاً ابرو پر بل پڑ جاتے تھے۔

قلوبطرہ آکر ایک طلائی مسند پر متمکن ہوئی اور میمون کو اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ اور تالی بجائی۔ فوراً ہر طرف اس قدر روشنی نمودار ہو گئی کہ محل بقعۂ نور بن گیا۔ اور تمام مجسموں کی جواہر نگار آنکھوں سے بجلیاں سی برسنے لگیں۔ اور وہ بر بجی ہاتھی جن کے سونڈوں سے گلاب اور کیوڑہ کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ دفعتاً شعلے اگلنے لگے۔ دور دیوار میں بر بجی ہاتھ پیدا ہو گئے۔ جن میں سے ہر ایک شمع لئے ہوئے تھا۔ در و دیوار پر جو کنول کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ان کے کٹوروں

روشنی باہر نکلنے لگی۔ برنجی تپائیوں پر بڑے بڑے نیلگوں شعلے جھلملانے لگے۔ الغرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جو چمکتی نہ ہو اور روشنی نہ پیدا کر رہی ہو۔ بلوری مثلث ٹکڑوں کی رنگین شعاعیں قوس قزح کی طرح ہر طرف فضا میں پھیل رہی تھیں۔ اور عجیب و غریب سماں پیدا کر رہی تھیں۔ سنگ مرمر و سنگ سماق کے زینوں کی سیڑھیوں پر روشنی کی شعاعیں اس طرح کھیل رہی تھیں، گویا نور سیال کی آبشاریں جاری ہیں۔

اس وقت یہ بزم نشاط شباب پر تھی۔ اور ہر قسم کا "نعمت خانہ" ادھر سے ادھر تک چُنا ہوا تھا۔ جزیرہ کریٹ کی شرابیں۔ فالرنوس کے بادۂ ناب کی صراحیاں جن کی گردنوں میں گلاب کے گجرے پڑے ہوئے تھے۔ ایشیا نژاد غلام جن کے ریشم جیسے ملائم لمبے لمبے عنبریں بالوں سے شراب پینے والے اپنے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اور عجیب و غریب قسم کے ساز۔ جو فضا میں ایک روح پرور ترنم پیدا کر رہے تھے۔ یہ تھا ایوان نشاط جہاں میموَن اپنا سر قلوبطرہ کے حسین مرمریں شانہ پر رکھے ہوئے یہ محسوس کر رہا تھا کہ شاید یہ سارا ایوان اپنی تمام تعمیری وسعتوں اور ہولناک خوبیوں کے ساتھ اس کی آنکھوں میں گردش کر رہا ہے اور چونکہ مستی کے عالم میں نظریں ایک جگہ قائم نہ ہو سکتی تھیں اس لئے ہر چیز مسلسل دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جتنے نئے ایوان نئے نئے محل تعمیر ہو رہے تھے وہ اس قدر بلند تھے کہ مینار بابل کو بھی اتنی بلندی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ اگر اس وقت وہ اپنے ہاتھ میں قلوبطرہ کا نرم و گرم ہاتھ نہ پاتا تو وہ یہ سمجھتا کہ اسے عجم کے کسی بزرگ مجوسی نے چشم زدن میں پرستان کے کسی طلسم کے اندر پہونچا دیا ہے۔

خاصہ کے بعد کوزہ پشت بونے، اور نقال نکل کر نقلیں کرنے لگے۔ مصری اور یونانی اچھوتیوں نے جو "لیل و نہار" کی مظہر تھیں یونانی طرز کا ایسا ولولہ انگیز اور ہیجان آفریں رقص شروع کیا کہ ہر شخص بیچین ہو گیا۔

اسکے بعد قلوبطرہ اپنے تخت جاہ و جلال سے اُٹھی۔ لباس شاہی اُتار دیا، تاج کو، جس میں جواہرات ستاروں کی طرح درخشاں تھے اتارا اور اس کے بجائے پھولوں کا ایک ہار پہن لیا۔ اپنے مرمریں ہاتھوں میں قدیم وضع کی چٹ چٹی لی اور میموَن کے سامنے رقص کرنا شروع کیا۔ اس کے خوبصورت سڈول ہاتھوں نے جو گویا بہترین بلور کے بنے ہوئے تھے چٹ چٹی سے دلربا تال بجانی شروع کی اور یہ تال رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ ناچتی ناچتی اور بھاؤ بتاتی ہوئی وہ اپنے حسین پاؤں کی گلابی انگلیوں کے بل بجلی کی طرح میموَن کے پاس پہونچی۔ پیشانی کو چوما اور پھر اپنے حیرت انگیز فن میں مصروف ہو گئی۔ وہ کبھی آگے کو جھکتی۔ کبھی نیم وا آنکھوں کے ساتھ پیچھے کو ہو جاتی۔ اس کے بکھرے ہوئے بال عنبریں پرچم کی طرح لہرا رہے تھے۔ وہ کبھی ہنستی۔ کبھی مسکراتی۔ کبھی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اور کبھی بجلی کی طرح دور تک کوند جاتی۔ الغرض وہ جگہ جگہ اس طرح پھر رہی تھی جیسے ایک پھول سے دوسرے پھول تک کوئی رنگین تیتری پہونچ جاتی ہے۔

قلوبطرہ پھر ایک بار میمون کے پاس آکر بیٹھی - رات گذر چکی تھی - ان سیہ مستیوں کا آخری گھنٹہ بھی گذر جانیوالا تھا - ایک خفیف سی نیلی بزم نشاط کی شعلہ بار سرخ روشنی میں اس طرح داخل ہوئی گویا نور ماہتاب کی ایک کرن کسی "بھٹی" کے اندر داخل ہوگئی ہے - محرابخانوں کی بالائی منزل پر ہلکی ہلکی روشنی نمودار ہونے لگی - آفتاب طلوع ہو رہا تھا - اتنے میں ایک حبشی غلام جس کے چہرہ پر اُداسی برس رہی تھی - سینگ کی وضع کا ایک جام لے کر میمون کے سامنے حاضر ہوا - اس میں زہر تھا - اس قدر تیز کہ اگر سینگ کے علاوہ وہ کسی اور ظرف میں ہوتا تو فوراً شق ہوجاتا - میمون نے اپنی معشوقہ کی طرف ایک نگاہ اُٹھائی گویا اپنی تمام جان اسی ایک نگاہ کے ذریعہ سے نذر کردینا چاہتا تھا اور زہر ہلاہل کا وہ مہلک جام ہاتھ میں لیکر لبوں سے لگالیا -

یہ دیکھ کر قلوبطرہ کا رنگ زرد ہوگیا - اُس نے میمون کے ہاتھ پر ہاتھ ڈالا کہ رُک جائے - اسکی جرأت اور جانبازی نے اس کے دل پر شدید اثر کیا - اور وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دفعتاً قرنا و بوق کی آواز سُنائی دی - چار مسلح نقیب از سر تا پا آہن غرق گھوڑوں پر سوار ایوان نشاط میں داخل ہوئے - یہ لوگ الطونی کی فوج کے افسر تھے - جو اپنے آقا سے تھوڑی دور آگے بڑھ آئے تھے - یہ بات دیکھکر قلوبطرہ نے آہستہ سے میمون کا ہاتھ چھوڑ دیا - دفعتاً روشنی کی ایک شعاع اُس کی پیشانی پر نمودار ہوئی - گویا خورشید تاباں کا ہاتھ سر پر تاج پہنانے آیا ہے -

میمون - ملکۂ عالم دیکھئے - آفتاب طلوع ہوگیا - وقت آگیا ہے کہ رات کے اس کھیل کو ختم کردیا جائے" اُس نے یہ کہا اور جام لبوں سے لگالیا - زہر کا حلق سے نیچے اُترنا تھا کہ میمون پر موت کی بجلی گری اور وہ چشم زدن میں سرد ہوگیا -

قلوبطرہ نے اپنا سر جھکا کر دیکھا اور ایک گرم آنسو (جو اس کی زندگی میں پہلا آنسو تھا) اُس جام میں ٹپکا دیا جس کے اندر شراب کے ساتھ موتی حل کئے گئے تھے -

الطونی - (ایوان میں داخل ہو کر) قسم ہے ہرقلیس کی اے حسین ملکہ! میں نے آپ تک پہونچنے میں بہت جلدی کی - لیکن وقت پر نہ پہونچ سکا - میرے خیال میں اب یہ بزم نشاط ختم ہوگئی ہے - مگر یہ فرش پر لاش کیسی پڑی ہے؟

قلوبطرہ - (مسکراتے ہوئے) کچھ نہیں - صرف ذرا سا زہر تھا جس کا میں نے بایں خیال امتحان کیا تھا کہ اگر میں خدانخواستہ قیصر آگسٹس کے ہاتھوں پڑ گئی تو یہ زہر پوری طرح کام دیگا یا نہیں - آیئے میرے پہلو میں بیٹھ کر یونانی بھانڈوں کا تماشہ دیکھئے -

شہاب کی سرگذشت

نہایت خوبصورت جدید اڈیشن - علاوہ محصول (عمر)

مینیجر "نگار" لکھنؤ

ہمارے علمائے کرام کا عجیب و غریب نظریۂ دینی

اخلاق حسنہ سے نجات یقینی نہیں!

۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء کو میں نے ایک استفتاء مرتب کیا جس کا مضمون یہ تھا:-

استفتاء

"ایک شخص خاندانی مسلمان ہے اور خود بھی نہایت پابند صوم و صلوٰۃ شخص ہے، تہجد گزار ہے، ذکر و شغل کا بھی عادی ہے، وضع ظاہری بھی بالکل شریعت اسلام کے مطابق رکھتا ہے، لیکن زندگی اسکی مکر و فریب، کذب، افتراء، ایذا رسانی و قطع رحم میں بسر ہوتی ہے۔

دوسرا شخص قوم کا برہمن پشتینی کا فر و مشرک ہے، اس کے گلے میں بتوں کی ہیکل پڑی رہتی ہے، رات دن پوجا پاٹ کرتا رہتا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی زندگی ابناء جنس کی خدمت، یتامیٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوتی ہے اور اس کی ذات یکسر امن و سکون ہے۔

براہ کرم مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے بتائیے کہ ان دونوں میں کون ناجی ہے اور کون ناری یا دونوں ناجی ہیں یا دونوں ناری۔ اگر آپ چاہیں تو استناداً قرآن، حدیث، و اقوال اکابر کا حوالہ دیدیں ورنہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف جناب کی رائے بحیثیت ایک عالم دین ہونیکے درکار ہے۔ میں پندرہ دن تک جناب کے فتوے کا انتظار کروں گا۔"

اس کی مطبوعہ نقلیں بغرض حصول جواب حسب ذیل علمائے کرام کے نام روانہ کی گئیں:-

مولانا کفایت اللہ صاحب دہلی — مولانا محمد عرفان صاحب دہلی

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی — مولانا احمد سعید صاحب دہلی

مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب لکھنؤ
مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ لکھنؤ
مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڈھ
مفتی صاحب ریاست رام پور
مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ندوۃ العلماء لکھنؤ
مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت پھلواری
مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی
مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی
مولانا حسین احمد صاحب دیوبند
مولانا محی الدین صاحب امیر شریعت پھلواری
صدر مدرس صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ
مولانا لطف اللہ صاحب رحمانی مونگیر
مولانا عبدالعزیز صاحب صاحب گنج
مولانا احمد - احمدیہ - بلڈنگ لاہور

مولانا عنایت اللہ صاحب لکھنؤ
مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی
مولوی قاضی محمد یحییٰ صاحب بھوپال
مفتی صاحب حیدرآباد دکن
مفتی مولانا شبلی صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ
مولانا صبیح الحق صاحب پٹنہ
مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی
مولانا نثار احمد صاحب کانپور
مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسر
مولانا شاہ سید سلیمان صاحب پھلواری
صدر مدرس صاحب مدرسہ امدادیہ دربھنگا
مولانا محمد اسحاق صاحب بھاگلپور
مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ
مولانا عبدالستار صاحب لاہور

ان ۳۲ حضرات میں سے صرف ۱۶ نے جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائی جنکے نام یہ ہیں:-

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
مولانا احمد احمدی - قادیان
مولانا حسین احمد صاحب مدنی
مولانا عبدالقادر صاحب مفتی رام پور
مولانا محمد سجاد صاحب بہار
مولانا احمد سعید صاحب دہلی
مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڈھ
مفتی صاحب ملد و صدارت عالیہ حیدرآباد دکن

قاضی محمد یحییٰ صاحب بھوپال
مولانا عبدالستار صاحب لاہور
مولانا عبدالعزیز صاحب ڈھاکا
مولانا نثار احمد صاحب آگرہ
مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلی
مولانا عنایت اللہ صاحب لکھنؤ
مولانا غلام حسنین از طرف شاہ سید سلیمان پھلواری
مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ

اب میں اسی ترتیب سے ان حضرات کے جوابات پیش کرتا ہوں:-

مولوی اشرف علی۔ تھانہ بھون۔ ۱۴/۱۲ ۲۹

"سوال تنقیح طلب ہے۔ جو تحریر سے خالی از تکلف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے۔"

مولانا محمد یحییٰ صاحب قاضی بھوپال۔ ۱۳/ دسمبر ۲۹ء

الجواب

"یہ مسلمان ناجی ہے۔ مکر، فریب، کذب، افترا، ایذا رسانی، قطع رحم کی سزا کا مستوجب یہ شرک ناری ہے۔ خدمت ابنائے جنس۔ پرورش یتامے۔ ہمدردی بیوگان۔ یک سر امن ہونا اور سکون اُسی کی ذات کا بیکار۔ جواب ہذا کے نتائج قابل انتظار ہیں۔ جبتک سوال میں استناد کی ضرورت نہیں تو جواب میں بھی نہیں۔ جب ضرورت ہو تو بہت کچھ موجود ہے۔"

مولانا احمد لاہور۔ نمبر ۲۱۷۳۔ ۴/ دسمبر ۲۹ء

"اخویم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بجواب استفتا و گذارش ہے کہ مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے جو کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے اسکا ثمرہ اسکو ملتا ہے اور جو کوئی برا کام کرتا ہے اسکی سزا بھگتتا ہے۔

من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ط ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ ط ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب من یعمل سوءً یجز بہ ط

نہ تمہاری جھوٹی خواہشیں کچھ کام آتی ہیں نہ اہل کتاب کی جو بھی برا کام کرے گا اسکی سزا اس کو دیجائیگی۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پس کوئی مسلمان ہو یا اہل کتاب یا مشرک بت پرست ہر ایک کے اچھے اور برے عمل کا بدلہ اچھا یا برا اسکو ملتا ہے۔ ناری یا ناجی ہونا تو ازن اعمال پر منحصر ہے جس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو وہ آرام اور خوشی کی زندگی پائیگا جس کے نیک اعمال کا پلہ ہلکا ہو وہ تکلیف کی زندگی پائیگا۔

فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ الراضیۃ۔ واما من خفت موازینہ فامہ ہاویۃ ط پارہ ۳۰ سورۃ قارعہ

اور اس کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے کہ کس کا پلہ اعمال نیک کا بھاری ہے اور کس کا ہلکا۔ کسی عالم کا یہ کام نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ کون ناری ہے اور کون ناجی۔ اس کا علم اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔"

مولانا عبدالستار صاحب لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ حمد الکون ومنہ استمد التوفیق والعون

انک لعلیٰ خلق عظیم

فقالت خدیجہ

کلا واللہ ما یخزیک ابدا انک لتصل الرحم، وتحمل الکل، وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق ط (بخاری)

نماز، روزہ، جو کہ مذہب اسلام کے شعائر ہیں، وہ تب ہی منتج نتائج حسنہ ہوتے ہیں، جبکہ ان کی ادائگی ضابطۂ اخلاق فاضلہ کے ماتحت ہو، ورنہ نہیں، ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر ۲۹/۴۵

پس جس نماز کا یہ اثر نہیں، وہ فی الحقیقت نماز ہی نہیں، بلکہ وہ ایک رسمی فعل ہے، اللہ تعالےٰ اس قسم کی رسمی عبادت کو قبولیت کی عزت نہیں بخشتا۔ انما یتقبل اللہ من المتقین ۵/۲۷

اسی طرح ہندو مذہب کے شعائر بھی مستوجب نتائج سیئہ بکر اخلاق فاضلہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، جبکہ انکا ظہور ضابطۂ اخلاق ذمیمہ کے ماتحت ہو، ورنہ وہ صرف ایک لغو رسمی فعل ہے، وبس۔

اخلاق خواہ حمیدہ ہوں، خواہ ذمیمہ، چونکہ یہ نفس انسانی کے وہ افعال ہیں، جن میں فطرت کے نیک پہلو یا بد پہلو کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اس لئے وہ ہر حالت میں موثر ہیں، لیس للانسان الا ما سعیٰ ۵۳/۳۹ کل نفس بما کسبت رھینۃ ۷۴/۳۸ کل امرء بما کسب رھین ۵۲/۲۱ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ط ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۹۹/۸-۷ لیکن اخلاق حمیدہ منتج نتائج حسنہ ہیں، لھا ما کسبت ۲/۲۸۶ اور اخلاق ذمیمہ مستوجب نتائج سیئہ وعلیھا ما اکتسبت ۲/۲۸۶

اللہ تعالےٰ مکر، فریب، کذب و افترا، ایذا رسانی، قطع رحم، سے جو اخلاق ذمیمہ ہیں، انسان کو روکتا ہے، اور ابنائے جنس کی خدمت، یتامےٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی، امن و سکون، جو اخلاق حمیدہ ہیں، ان کے کرنیکا ارشاد فرماتا ہے، اور اسکے متعلق ذیل کے قرآنی ارشادات

بغور ملاحظہ فرمائیں۔

یخادعون اللہ والذین آمنوا، لعنۃ اللہ علی الکاذبین، وقد خاب من افتریٰ، و من الذین اشرکوا اذیً کثیرا، ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئک ھم الخٰسرون، ولا تعثوا فی الارض مفسدین، وابتغ فیما اٰتٰک اللہ الدار الاٰخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین، ان یدعون من دونہ الا شیطانا مریدا، ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما، ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی، واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب، واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین ط

والصلح خیر

اب رہا یہ امر کہ میں فیصلہ کروں، کہ ان دو شخصوں میں سے کون ناری ہے، اور کون ناجی، یا دونوں ناری ہیں، یا دونوں ناجی، سو اس پر میں لب کشائی نہیں کرسکتا، کیونکہ میں جنت اور دوزخ کی کنجی کا مالک نہیں ہوں، اس کا مالک، مالک الملک لا شریک لہٗ ہے وبس،

ہاں اس قدر ضرور کہوں گا کہ اسلام ہر قسم کے توحید، اعتقادی، عبادتی، عملی، کا خواہاں ہے، اگر ایک طرف عملی توحید مسلوب نظر آرہی ہے۔ تو دوسری طرف عبادتی و اعتقادی توحید کا فقدان ہے، نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا۔

مولانا حسین احمد صاحب۔

الجواب

اول الذکر کا خاتمہ اگر ایمان پر ہوا اور اُسکی بداعمالیوں نے حسن ختام میں کھنڈت نڈالی تو ضرور ناجی ہے پھر اگر گناہوں سے قبول ہونیوالی توبہ کرنیکے بعد مرا ہے، یا اُسکی تکالیف و مصائب گناہوں کے لئے کفارہ ہونے میں ہم پلہ ہیں تو ابتداء ہی سے نجات پاجائے گا، ورنہ سزا پانے یا شفاعت یا لحوق رحمت خاصہ کے بعد۔
ثانی الذکر کا خاتمہ اگر شرک و کفر پر ہوا اور اوسکے اچھے اعمال نے حسن خاتمہ اور ایمان تک نہ پہونچایا تو وہ ناری اور مخلد فی النار ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۶ ر رجب ۱۳۴۸ھ

مولانا عبدالعزیز صاحب گیلانی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۹ء

الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب ط

کسی محکم قانونی نظام کی تحت میں عمل پیرا ہونے پر اعمال کے نتائج مترتب ہوا کرتے ہیں۔ جیسے عمل ہوں گے ویسے ہی ثمرات۔ خیر ہوئے تو خیر۔ شر ہوئے تو شر ہوں گے۔ لیکن جہاں کسی قانونی نظام کی تحت میں عمل نہیں ہوتے بلکہ صرف کورانہ تقلید۔ یا آباؤ اجداد کے نقش قدم کی اتباع تو وہاں من حیث عمل اچھے بُرے ہونگی رائے انسانی عقل چاہے کچھ بھی دیا کرے ہر نظام قانونی کے نقطۂ نظر سے وہ ایک غیر منتج عمل ہی تصور کیا جائے گا۔

یا بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ بار آوری کے لئے زمین اور تخم کی صلاحیت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر زمین صالح تھی۔ پر خراب تخم ڈالے گئے تو خراب ہی ثمر بر آئیں گے۔ اور اگر تخم اچھے ہیں پر زمین میں صلاحیت نہیں۔ تو کچھ بھی ثمر نہیں دیگی۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زمین شور سنبل بر نیارد ۔۔۔ درو تخم عمل ضائع مگرداں

رحمت عالم سید العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے التوحید راس الطاعات کے مبارک ارشاد میں بصیرت افروز اشارہ ارباب بصیرت کے لئے اسی کی طرف فرمادیا ہے فتدبر

اس تمہید کے بعد جواباً گزارش ہے

کہ ایک طرف تو مسلم موحد ہے جسکے بھلے بُرے اعمال عباداتاً و اخلاقاً نظام قانونی کی تحت میں ہو رہے ہیں اسلامی نقطۂ نگاہ سے اُسکے اچھے بُرے اعمال کے ثمرات کا ترتب عالم آخرۃ میں یقینی ہوگا۔ خیر۔ خیر شر۔ شر ہوں گے۔ اگر خیر محض ہیں تو ناجی اور شر محض ہوئے تو پس از عقوبت ناجی ہوگا۔ اور مختلط فی العمل بالعفو والکرم یا بعد از سزا دلقم نجات پانے کا مستحق سمجھا جائے گا۔

دوسری طرف مشرک و کافر ہے۔ اس کے اعمال گو ملک و قوم۔ ابنائے جنس کی خدمت اہل وطن کے حق میں تو بہت ہی مستحسن نظر آتے ہیں۔ اور اُس کی ذات سراپا امن و سکون بنی ہوئی ہے پر قرآنی نقطۂ نظر و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین سے اجمالاً اور مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علیٰ شیٔ سے صراحتاً ناجی ہونے کے خلاف میں شہادت ملتی ہے۔ ھذا ما عندی ربی من الکتاب واللہ اعلم بالصواب ط

مولانا عبدالقادر صاحب مفتی رام پور۔

الجواب باللہ تعالیٰ التوفیق

بصورت مسئولہ اسلامی نقطۂ نظر سے کافر و مشرک بوجہ شرک ناری ہے جس پر قرآن مجید شاہد ہے، ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء الآیۃ اعمال خیر مصرحہ سوال باعث نجات نار نہیں۔ بلکہ ان کا ثمرہ دنیا میں حاصل ہونا ممکن۔ آخرت میں کفار کا کوئی حصہ خیر نہیں جس پر نصوص قرآنی شاہد ہیں۔ مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ اُسکی مغفرت کی یقینی امید ہے لقولہ تعالیٰ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء الآیۃ، خواہ مغفرت فرما کر اللہ تعالےٰ بلا عذاب نجات فرماوے یا بقدر گناہ عذاب دیکر نجات بخشے یہ مشیئت الٰہی پر موقوف ہے۔ بہرحال مسلمان ناجی ہے، واللہ اعلم یہ نہایت مشہور مسئلہ ہے۔ جسکے سوال کی حاجت نہ تھی، اللہ ایسے شبہات آپکے دل سے نکالدے۔

مولانا نثار احمد صاحب آگرہ۔

الجواب وہو الموفق للصواب

سائل نے وہ سوال فرمایا جس سے ہم جیسے کم فہم اپنے آپ کو مفتی ہوتے ہوئے خدا کے ٹھیکہ دار اور ناری ناجی ہونے کا فیصلہ کرنیوالا سمجھنے لگیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء یوں پوچھا جانا چاہئیے کہ از روئے شرع شریف کون اچھا ہے اور کون مستحق مدح ہے، بہرحال اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ مرتکب کبائر گناہ کا فاسق ہوتا ہے کافر نہیں ہوتا ہے، یہ تو پہلے شخص کی نسبت حکم شرعی ہے کہ وہ فاسق ہے مگر کافر نہیں اب اللہ کے اختیار میں ہے جو چاہے کرے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جو مسلمان شرک اور کفر خالص سے محفوظ رہے اور اللہ کے حوالہ چاہے تو بخشدے یا بقدر گناہ سزا بھگتکر جنت میں داخل ہووے۔

دوسرے صاحب کی نسبت قرآنی فیصلہ ہے کہ بغیر ایمان و اسلام کے بڑی سی بڑی نیکی بیکار ہے، عمر بھر نیکی کرے تمام عمر شب بیداری کرکے اللہ کو یاد کرے لاکھوں روپے خیرات کرے۔ بے ایمان و اسلام کے تو معتبر نہیں۔ قرآن میں ہے۔ من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ و ہو مومن ۔ والذین کفروا اعمالہم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً ط واللہ اعلم بالصواب ط

مولانا محمد سجاد صاحب۔ پھلواری۔

الجواب ہو الموفق للصواب

پہلا شخص اپنی بد اعمالی اور محرمات قطعیہ کے ارتکاب کی وجہ سے مستحق عذاب ہے۔ لیکن ایمان و اسلام کی وجہ سے غفران کی امید ہے اور بعد تعذیب آخری نجات کا تحقق بشرطیکہ ایمان و اسلام پر اوسکا خاتمہ ہو۔
دوسرا شخص اپنے عقائد و اعمال شرکیہ کی وجہ سے مستحق عذاب ہے اور یہ کہ ہمیشہ عذاب الٰہی میں مبتلا رہے بشرطیکہ اوسکا خاتمہ بھی اسی کفر و شرک پر ہو۔ (العیاذ باللہ)
ظاہری اعمال بر اور تبرعات، ایمان باللہ و بما جاء الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد آخرت میں مفید ہو سکتے ہیں۔"

مولانا محمد کفایت اللہ صاحب و مولانا احمد سعید صاحب دہلی

الجواب

اسلامی اصول کے موافق نجات کے لئے ایمان لازم ہے۔ مشرک کے لئے نجات نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء (نساء) اللہ تعالےٰ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دیگا۔ یعنی مشرک کی مغفرت کے ساتھ مشیت ایزدی متعلق ہی نہ ہو گی۔
خازن میں ہے۔ ومعنی الآیۃ ان اللہ لا یغفر لمشرک مات علی شرکہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء یعنی و یغفر ما دون الشرک لمن یشاء من اصحاب الذنوب والآثام (خازن صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ مصر جلد اول)
یعنی آیت کریمہ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ مشرک کو جو مشرک ہونے کی حالت میں مرجائے نہیں بخشے گا اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ اور جرائم والوں میں سے جسے چاہے گا بخش دیگا۔ اور حدیث میں ہے۔ ثم امر بلالاً فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ (بخاری جلد اول صفحہ ۴۳۱) یعنی پھر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے لوگوں میں پکار کر کہدیا کہ جنت میں صرف نفوس مسلمہ داخل ہونگے۔

ہاں جو مسلمان کہ ایمان و اسلام کے ساتھ گناہوں کا مرتکب بھی ہوگا۔ اگر توبہ کرکے نہ مرے تو اس کو گناہوں کے بدلے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ یعنی وہ عذاب نہ دئے جانے کا مستحق ہے اگر حق تعالےٰ چاہے تو اُس کو بغیر عذاب دئے بخش دے اور چاہے عذاب دیکر بالآخر نجات دے۔

کافر اور مشرک کے پاس نجات کی اساسی شرط اور رضاء حق تعالےٰ کی کلید یعنی ایمان نہیں اسلئے وہ نجات جسکو رضاء مولےٰ کے حصول یا وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے نہیں پا سکتا۔ نہ نجات کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

انسانی روح کی منزل مقصود رضاء مولیٰ یا بہ لفظ دیگر وصول الی اللہ ہے۔ اس منزل مقصود تک سفر کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ ایمان کی قوت (سٹیم) ہے۔ اعمال حسنہ اس قوت کی معین ہو سکتے ہیں لیکن اصل قوت کا کام نہیں دے سکتے۔

مثلاً ایک مقام پر دو ٹرینیں کھڑی ہیں۔ ایک ٹرین کے ڈبے نہایت نفیس صاف و شفاف اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ ڈبوں میں ہر قسم کے راحت کے سامان فواکہ الوان طعام سب موجود ہیں۔ اس میں بیٹھنے والے نہایت راحت و آرام پاتے ہیں۔ کھانا کھاتے مٹھائیوں اور میووں سے لذت حاصل کر رہے ہیں۔

دوسری ٹرین کے ڈبے نہایت میلے کچیلے خراب خستہ ٹوٹے پھوٹے۔ نہ کسی قسم کی راحت کا سامان نہ کھانے پینے کا آرام۔ اس کے پُرزے بھی پرانے گھسے ہوئے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی ٹرین میں سٹیم کا انجن نہیں ہے اور دوسری میں سٹیم والا انجن لگا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری خراب خستہ ٹرین باوجود اپنی تمام قباحتوں اور خرابیوں کے واصل الی المقصود (ناجی) ہوگی۔ اور پہلی نفیس اور صاف و شفاف ٹرین باوجود اپنی تمام خوبیوں بلکہ راحت پاشیوں اور فائدہ رسانیوں کے غیر واصل الی المقصود (غیر ناجی) ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر اس ٹرین میں سٹیم کا انجن لگا دیا جائے۔ تو اس کی سیر الی المقصود اعلیٰ و اکمل ہوگی۔ لیکن جب تک اصل قوت یعنی سٹیم کا انجن نہ ہو اس کی تمام خوبیاں فائدہ رسانیاں زر پاشیاں۔ ڈبوں کی صفائی پرزوں کی خوبی اور مضبوطی سب بیکار ہے۔

یہی مطلب ہے اس آیہ کریمہ کا۔ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملءُ الارض ذھبا ولو افتدیٰ بہ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مرگئے تو انمیں سے کسی طرف سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ سونا اُسنے فدیۂ خسران یعنی عدم نجات کے طور پر پیش کیا ہو مراد یہ ہے کہ چونکہ اس نے وصول الی اللہ کے لئے اصل قوت محرکہ و موصلہ حاصل نہیں کی (یعنی ایمان) تو اگرچہ دنیا میں اُسنے زمین بھر سونا بھی خرچ کیا ہو مگر یہ اُسکے لئے ایمان (یعنی اصلی قوت موصلہ) کے قائم مقام نہ ہوگا۔

جس طرح کہ مثال مذکور میں پہلی ٹرین کی خوبصورتی صفائی مضبوطی فائدہ وراحت رسانی وصول الی المقصود کے لئے کام نہ آئی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی قوت موصلہ کا کام نہیں دے سکتی اور جب تک قوت موصلہ نہ ہو ہر ایک کا وجود بیکار ہے۔

جو لوگ کہ اللہ تعالےٰ کے وجود اور اسکی صفات مالکیۃ، ربوبیۃ رزاقیۃ وغیرھا پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے تو اس امر کا سمجھ لینا کچھ مشکل ہی نہیں کہ اسلام نے نجات کے لئے ایمان باللہ کو کیوں لازم قرار دیا ہے۔

بادشاہ سے بغاوت ایسا جرم ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے مجرم کی تمام صفات حسنہ اُسکے بچانے کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ بالخصوص جبکہ بادشاہ نے یہ اعلان بھی کر دیا ہو کہ باغی کا جرم معاف نہیں کرونگا۔ باقی جرائم کو چاہوں گا تو معاف کردوں گا۔

یہ شبہ کہ جس شخص کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت۔ یتامےٰ کی پرورش۔ بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوئی ہے اس کا ناجی نہ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ یہ اعمال حسنہ بے کار اور ضائع ہو جائیں اور یہ بات غیر معقول ہے۔ اس امر پر مبنی ہے کہ اعمال حسنہ کو نجات کے لئے موجب بالذات مانا جائے اور یہ غلط ہے کیونکہ نجات بہ معنے وصول الی اللہ کا تصور بغیر اللہ تعالےٰ کے اعتراف اور ایمان باللہ کے نہیں ہوسکتا۔ اور کافر جبکہ بت پرست عابد صنم ہے۔ مومن باللہ اور مصدق بالصفات موحد قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تو اس کے افعال حسنہ بہ نیت تقرب الی اللہ (یعنی سیر الی اللہ) ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اُن کو حقیقۃً افعال حسنہ ہی کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے یہ لازم ہی نہیں آیا کہ افعال حسنہ بیکار ہو جائیں۔

دوم یہ کہ ایسا شخص جو نیک کام کرتا ہے اُس کی منزل مقصود حصول نیک نامی ہوتی ہے اور یہ مقصد اُسے حاصل ہو جاتا ہے۔ من سمع سمع اللہ بہٖ۔ پس اس کے اعمال کا بطلان اور ضیاع لازم نہیں آیا۔

تیسرے یہ کہ اگر باوجود کفر اور شرک کے اس کے اعمال صالحہ میں اگر ادنےٰ سے ادنےٰ شائبہ بھی اعتراف وایمان باللہ کا ہوگا اور کسی درجہ میں بھی وہ حصول رضاء مولےٰ تعالےٰ کا قصد رکھتا ہوگا تو حضرت حق تعالےٰ اس کے انھیں اعمال صالحہ کو اُس کے لئے وسیلۂ ایمان باللہ بنادیگا اور اس کیلئے سیر الی اللہ کی اصل قوت (سٹیم) مہیا و میسر فرماے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اسلمت علی ما سلف لک من خیر سے مفہوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اسلام لانے سے پہلے میں نے جو اعمال صالحہ (مثلاً صدقہ غلام آزاد کرنا صلہ رحمی وغیرہ) کئے ہیں۔ کیا مجھے اُن کا بھی کچھ ثواب ملے گا۔ تو

حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ انھیں اعمال کے صلے اور نتیجے میں تو تمکو ایمان و اسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔
اس مختصر تشریح کے بعد آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مومن عاصی آخر کار ضرور ناجی یعنی واصل الی اللہ ہے۔ اُس کے ایمان کا مقتضے یہ ہے کہ مولیٰ تعالےٰ اس کو اطاعت و انقیاد کے صلے میں آخر کار ضرور رضامندی کا تمغہ عطا فرمائے۔ اگرچہ وصول الی اللہ کے سفر میں اس کو اپنی خستگی خرابی کمزوری اجرائم و معاصی کی وجہ سے کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی تکلیف اور مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ قوت موصلہ (ایمان کی سٹیم) موجود ہے اسلئے ایک نہ ایک دن ضرور منزل تک پہنچ کر رہیگا۔

اور کافر نیکوکار ناجی نہیں یعنی واصل الی اللہ و فائز برضاء اللہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں دُنیا میں اس کے اعمال صالحہ کا بدلہ یعنی نیک نامی منقبت۔ مقبولیت۔ شہرت یا دولت و ثروت مل جائے لیکن ما لھم فی الاٰخرۃ من خلاق۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محل لکھنؤ۔

ہو المصوب

و لعبد مومن خیر من مشرک۔ مسلمان مشرک سے بحیثیت اسلام بہرحالت بہتر ہے اور ہر مسلمان ناجی ہے گو بعد عذاب ہو اور ہر مشرک مخلد فی النار ہے والعبرۃ بالخواتیم واللہ اعلم

مولانا سید سلیمان ندوی۔

الجواب

۱۔ دونوں ناری ہیں۔ کیونکہ نجات کامل موقوف ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے۔ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار (نساء) قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون، والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم للزکوۃ فاعلون والذین ہم لاماناتهم و　هم ماعون والذین ہم علی صلواتهم یحافظون ط　(المومنون)
لیس البر ان تولوا وجوھھم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکة والکتب والنبیین واتی المال علی حبه ذوی القربٰی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون هم اذا عاهدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس

اولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون (بقرہ-۲۲)

۲- لیکن ممکن ہے کہ پہلا بخشا جائے، اور دوسرا نہیں،

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد افتریٰ اثماً عظیما (النساء،۷)

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً (النساء،۱۸)

مولانا غلام حسنین پھلواروی۔

اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ ایمان بغیر عمل اور عمل بغیر ایمان آیا برابر ہیں۔ یا دونوں کے مدارج میں فرق ہے۔ لیکن جمہور امت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان کا مرتبہ عمل سے افضل ہے۔ لہذا عمل بغیر ایمان۔ ایمان بغیر عمل کے برابر نہیں ہو سکتا۔ عمل کا فقدان موجب عذاب ہے لیکن ایمان کا فقدان زیادہ عذاب کا موجب ہے۔ اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ عمل کا فقدان ابدی عذاب کا موجب نہیں ہے مگر فقدان ایمان کی صورت میں اکثریت ابدی عذاب کی قائل ہے اور ایک گروہ ابد سے مراد طول مکث لیتا ہے اور قائل ہے کہ آخری انجام سبھوں کا نجات ہے۔

ہماری ذاتی رائے جمہور کی موافقت میں ہے کہ مومن عاصی کا آخری انجام نجات ہے اور غیر مومن کا عذاب ابدی ہے۔ مگر اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر مومن کا حسنِ عمل تخفیف عذاب کا باعث ہوگا یا نہیں۔

مفتی صاحب حیدرآباد دکن۔

الجواب حامداً ومصلیاً

مسلمان کیسا ہی عاصی کیوں نہ ہو اپنے اعمال کے سبب مستوجب سزا ہوگا۔ لیکن ناری نہیں اس لئے کہ محض اسلام خلود فی الجہنم کو مانع ہے۔ "واہل الکبائر من المومنین لا یخلدون فی النار وان ماتو من غیر توبة ما صُہ"۔ شرح عقائد نسفی۔

اگر توبہ کرکے مریں تو مغفرت کی امید ہے۔ کافر و مشرک خواہ اُسکی تمام زندگی نیکیوں ہی میں کیوں نہ گذرے

جائے۔ ناجی نہیں اس لئے کہ شرک ناقابل بخشش و مانع حصول بہشت ہے۔ واللہ تعالےٰ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء من الصغائر والکبائر ۔ شرح عقائد نسفی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۵۔ شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ

مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔

جواب استفتاء

السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ!

تمہید۔ دفتر رسالہ نگار سے مطبوعہ استفتاء کی ایک کاپی میرے پاس بھی پہونچی۔ مجھکو تعجب ہوا کیونکہ افتاء منصب دینیہ میں ایک جلیل الشان منصب ہے۔ اس کے مخصوص آداب و شرائط ہیں۔ جن پر عالم دین کی ذات میں جمع ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر جامع شرائط بزرگ پر یہ لازمی ہے کہ بغیر کسی خاص داعیہ دینی کے اس جانب اقدام کرے۔ میں نے اپنی گزشتہ زندگی کے کسی لمحہ میں بھی خود کو نہ منصب افتاء کا اہل سمجھا اور نہ مفتی فی الفروع کی حیثیت سے ملک و ملت کے سامنے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے شعبہ سیاسیات یا التعلقات بین الملل کے علاوہ کسی استفتاء کا نہ جواب لکھتا ہوں۔ اور نہ حتی الوسع تہیہ کرتا۔ مخصوص شعبہ سیاست میں دوسرے مقدس پیشوایان مذہب کے مقابلہ میں مجھکو بعض حضرات سے نسبتاً زیادہ غور و فکر کا موقع ملا ہے۔ اس لئے بحول اللہ و قوتہ اپنی بصیرت کے موافق سیاسی استفتاءات کا جواب تحریر کرنے میں تامل و تردد نہیں ہوتا۔ میری حیثیت اس سے زائد نہیں کہ مسلمانوں کا قومی خدمت گزار ہوں اور ان میں اپنی بساط کے مطابق اسلاف صالحین کے اسلام کا داعی۔ مذکورہ بالا استفتاء میرے حدود عمل سے بظاہر خارج تھا۔ اس لئے مجھکو تعجب بھی ہوا اور تحریر جواب میں کسی قدر متامل رہا۔ بالآخر اس خیال سے کہ شاید عنوان استفتاء اپنے مشہور و متعارف اصطلاح میں مستعمل نہ ہوا ہو۔ مختصراً جواب لکھنے کا تہیہ کیا اگر ضرورت پیش آئی تو مناسب شرح و بسط کے ساتھ دوبارہ عرض کر دیا جائے گا۔

غالباً یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ جوابات پر اظہار خیال کے سلسلے میں جب میری تحریر کا نمبر آئے تو نقد و تبصرہ کی ایک کاپی مجھکو بھی بھیجدی جائے۔

ہوالہادی

جواب۔ کسی کے ناجی یا ناری ہونے کا علم حقیقی نہ کسی عالم دین کو ہو سکتا ہے نہ عالم دنیا کو۔ یہ حقیقت

انسانی عقل و ادراک کی سطح سے بالاتر ہے۔ اس میں انجام کا اعتبار ہے۔ جو بندوں سے مخفی ہے۔ علیم و خبیر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدیٰ جس شے کا ہمکو علم نہیں۔ اس پر ہم حکم نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی نجات اُخروی یا ہلاکت کا فیصلہ صرف احکم الحاکمین کا کام ہے۔ ان ربک لیفصل بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ لہٰذا اس اہم مسئلہ میں قطعی رائے کا اظہار اور کسی مخصوص شخص کے ناجی یا ناری ہونے کا حکم لگانا اعمال الوہیت میں دخل در اندازی کے مترادف ہوگا۔ ہاں! بے شک حق تعالےٰ کے نازل فرمائے ہوئے قانون قرآن کریم کی روشنی میں ظاہری علائم و آثار کی بنا پر جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ استفتاء کے تنقیح طلب فقرات پر اظہار خیال کے بعد آخر میں خلاصہ لکھدیا جائے گا۔

نمبر ۱۔ خاندانی اسلام کی قید بے اثر اور غیر ضروری ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا محض خاندانی مسلمان ہونا اُس کی نجات کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ خود عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کا پابند نہ ہو۔ من قعد بہ عملہ لم یرفعہ نسبہ۔ جس کے ذاتی اعمال اُس کو پستی میں گرادیں اس کو عالی نسبی بلند نہیں کر سکتی۔ اور مشرف باسلام ہونے کے وقت کسی نو مسلم کا درجہ ایک بے عمل خاندانی مسلمان سے اعلےٰ و ارفع ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام قبول کرتے ہی اس کے سارے پچھلے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سب معاف ہوگئے۔ الاسلام یھدم ما قبلہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونیوالے معصوم بچہ کی طرح تمام آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

نمبر ۲۔ پابند صوم و صلوٰۃ ہونا خاندانی مسلمان کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلام میں کسی نئے داخل ہونیوالے کے لئے۔ تہجد و ذکر و شغل قلب کی سختی اور سیاہی کو دور کرکے ایمان و معرفت کے نور سے منور کرتا ہے۔ اعمال بد رفتہ رفتہ بتدریج ایسے شخص کی زندگی کا جزو لاینفک ہو جاتے ہیں۔ اور معاصی سے سخت نفرت و وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ سے بتقاضائے بشریت احیاناً گناہ سرزد تو ہوتا ہے۔ لیکن معصیت آلود زندگی گذارنا اُسکے حق میں محال ہو جاتا ہے۔ غلطی کے بعد فوراً اس کا احساس ہوتا ہے۔ اور جب تک توبہ و استغفار کرکے اس کا اثر زائل نہ کردے اس وقت تک اس کے قلب مضطرب کو چین نہیں آتا۔ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون ط

نمبر ۳۔ یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے جو کچھ لایا جس شخص کو مسلمانوں کے

لئے بالخصوص مردوں یا عورتوں کے لئے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے محترز رہتا ہے لباس میں غیر مسلموں کی وہ مخصوص وضع اختیار نہیں کرتا جو اسلامی امتیاز کو اٹھا دے کہ اگر کسی اجنبی مقام پر اس وضع میں مر جائے تو مسلمان اس کو اپنے طریقہ پر تجہیز و تکفین کر کے اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے قاصر رہیں۔ حق تعالٰے کے برگزیدہ بندوں کی وضع و قطع اختیار کرنا بھی پاک درونی کی علامت ہے۔

جو اعمال و احوال استفتاء کی ابتدائی دو سطروں میں از فقرہ نمبر ا تا نمبر ۹ تحریر ہوئے ہیں، جن کسی شخص کے ایسے اعمال و احوال ہوں محال عادی ہے کہ اس کی زندگی ان کمزوریوں سے آلودہ رہ سکے۔ جن کا شمار "لیکن" کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس غریب کی پابندی صوم و صلوٰۃ کسی شخص با جماعت کو مکر و فریب نظر آئے۔ اس کی نصیحت آمیز تلقین مذہب کذب و افتراء کا لقب پائے۔ اس کی اسلامی وضع و قطع کسی کو پسند نہ آئے۔ یہ فرض محال ہی نہیں واقعات ہیں۔ مخالفین حق و اہل حق کی نسل منقطع نہیں ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے استفتاء کی صورت مفروضہ فرض محال کے درجہ میں ہے۔ بہرحال اگر کسی نیک عمل مسلمان کی زندگی بھی مکر و فریب کذب و افترا ایذا رسانی و قطع رحم جیسے سنگین جرائم سے محفوظ نہیں رہی اور اخیر دم تک تلافی مافات اور سچی توبہ و انابہ کی توفیق بھی نہیں ہوئی اور ایمان و توحید پر قائم دنیا سے رخصت ہو گیا تو ایسے شخص کی نجات یقینی ہے۔ لیکن گناہوں کی پاداش میں معذب ہونا یا نہ ہونا حق تعالٰے کی مشیئت پر محول ہے۔ حقوق العباد کے سوا بقیہ معاصی کو خواہ ابتداء ہی سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرما دے خواہ ان گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے اور سزا بھگتنے کے بعد اس کو جہنم سے نکال کر جنت نصیب فرمائے۔

نمبر ۵۔ جواب کا دار و مدار عقیدہ شرک و کفر پر ہے۔ اسلام نے نہ اپنے ماننے والوں کے لئے ذات کی اونچ نیچ اور نسلی امتیاز کا کوئی حق تسلیم کیا ہے اور نہ کفار و مشرکین اور تمام غیر مسلموں کے لئے، اس کا صاف صاف اور غیر مشتبہ فیصلہ ہے۔ ان الحکم عند اللّٰہ الحاکم۔ اس نے مشرک و کافر برہمن ہو یا چمار دونوں کی حالت یکساں ہے۔ بشرطیکہ اپنی جماعت کا سرغنہ اور کفر کا علمبردار نہ ہو اسی طرح پشتینی کی قید بھی بالکل بیکار ہے۔ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ باپ دادا کے کفر کا یہ حصہ دار نہیں۔ لا یزر وازرۃ وزر اخریٰ۔

نمبر ۶۔ علیٰ ہذا بتوں کے ہیکل ڈالنے یا نہ ڈالنے کا بھی کوئی خاص اثر نہیں۔ اور نہ پوجا پاٹ کرنیکا یا نہ کرنیکا۔

نمبر ۷۔ کوئی مشرک و کافر ابنائے جنس کی خدمت یتیموں کی پرورش بیواؤں کی ہمدردی۔ غرض اس قسم کی بے شمار نیکیاں کرتا ہوا شرک و کفر کی حالت میں مر جائے تو ناری ہوگا۔ انہ من یشرک باللّٰہ فقد حرم اللّٰہ علیہ الجنۃ وماواہ النار۔ رہا اس کی نیکیوں کا معاملہ تو اس کا صلہ اسکو دنیا ہی

میں مل جائے گا۔ کشائش رزق۔ کثرت مال و اولاد۔ نیک شہرت۔ ہر دلعزیزی۔ روحانی کلفتوں اور جسمانی آفتوں سے تحفظ۔ اس طرح دنیاوی صلہ کی ہزارہا شکلیں ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں آخرت میں ایسے رحمدل مشرک کا عذاب کسی سفاک بے رحم کافر کے مقابلہ میں یقیناً ہلکا ہوگا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ کہ عالم آخرت میں کوئی نیکی اس وقت تک معتبر نہ ہوگی۔ جب تک توحید و رسالت کے اعتقاد و اقرار کے ساتھ پیش نہ ہو۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ جہاں تک نجات اخروی کا تعلق ہے۔ کسی مشرک و کافر کی نیکیاں رائیگاں اور ضائع ہیں۔ اور اس کا کوئی وزن نہیں لا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔ ان کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ وما ھم بخارجین من النار البتہ دوسرے سنگدل کفار کے مقابلہ میں نیک خصلت مشرکوں کو عذاب ہلکا ہوگا۔ ان فی الجنۃ درجات وفی النار درجات ولکل درجات مما عملوا

دین الٰہی میں کفر و شرک کا وہی درجہ ہے جو دنیاوی حکومتوں کے خود ساختہ قوانین میں بغاوت کا ہے۔ اگر بغاوت کا محض شبہ اور کسی ظالم حکومت کے خلاف سازش کا صرف الزام کسی نیک دل پاک طینت نوجوان کی جانب سے خداوندان امن و آزادی کے تمام اعلیٰ جذبات انسانیت و ہمدردی منقطع کرکے ان مدعیان تہذیب و شائستگی کو سنگدلی و بے رحمی کے جامہ میں پیش کر سکتا ہے۔ اور یہ سنگدلی اور بے رحمی نام نہاد انصاف و قانون کی نظر میں جائز قرار پاتی ہے۔ اور مذہب اور مذہبیت کے خلاف کسی مجاہد اعظم کی زبان یا قلم کو حرکت نہیں ہوتی۔ تو پھر عقل و دانش کی رب العالمین جسکی شان الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ہے۔ اس کے اس عادلانہ فیصلہ پر کہ وہ کسی اقراری باغی کو ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار دیتا ہے کس کی مجال ہے جو زبان اعتراض کھولے اور جبکہ جزا و سزا اور قانون مجازاۃ عام ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اور اس قانون کی رو سے ہر نیکی یا بدی کی جزا یا سزا ملتی ہے۔ تو ایمان و کفر جو اساس عمل ہیں۔ کیونکہ مستثنیٰ قرار پا سکتے ہیں۔ اور اعتقاد کفر و ایمان کو کس بنا پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔ ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام وہ مسلمان جن کا خاتمہ زندگی عقیدۂ توحید پر ہوا ہے ان کا مآل نجات ہے۔ خواہ ابتداءً ہو یا اپنے گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد۔ اور سارے کافر ناری ہیں۔ اگرچہ ایک پرہیزگار مسلمان کا درجہ

کسی گناہگار مسلمان سے اعلیٰ وارفع ہوگا اور اسی طرح ایک رحمدل نیک طبیعت مشرک کا عذاب بے رحم ظالم کافر کے مقابلہ میں ہلکا ہوگا۔ ھذا
نسأل اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان یجعلنا وایاکم ممن اتبع ھداہ ویوفقنا لما یحبہ ویرضاہ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

(**نگار**) ان جوابات کو اگر ان کی مختلف ذہنیتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے، تو ان کو چار علیحدہ علیحدہ تقسیموں میں جدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ضعیف و کمزور یا مصلحت اندیش ذہنیت جو کسی قسم کا جواب دینا پسند نہیں کرتی، دوسری وہ جسے ہم "مذبذبین" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ تیسری وہ جس کا تعلق "راسخون" سے ہے اور چوتھی وہ جو بالکل غیر جانبدار رہنا چاہتی ہے اور عدم علم کا اعتراف کرتی ہے۔

اول الذکر ذہنیت کی مثال آپ کو صرف ایک مولانا اشرف علی صاحب کے جواب میں نظر آئیگی کہ انھوں نے نہ صرف جواب دینے سے احتراز کیا بلکہ اس کی بھی کوشش کی کہ ان کی شخصیت کا پتہ نہ چلے، کیونکہ نہ اُنھوں نے جواب میں اپنے دستخط ثبت فرمائے اور نہ مقام درج کیا جس سے کچھ سراغ چل سکتا۔ لیکن شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ لفافہ کے اوپر ڈاک خانہ ایک مہر بھی ثبت کر دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو پتہ چلنا مشکل تھا کہ یہ کس بزرگ کی تحریر ہے، کب لکھی گئی اور کہاں سے آئی؟

اس کے بعد جو جواب دیا گیا ہے اس کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے کہ:-

"سوال تنقیح طلب ہے جو تحریر سے خالی از تکلف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے۔"

مولانا نے گویا غالب کے انداز میں کوئی ادق شعر تصنیف فرمایا ہے۔ جس کے بعض درمیانی حصے متروک و محذوف ہیں۔ اور اپنے نزدیک ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ شاید ہی اس سے زیادہ کوئی بلیغ جواب فریق ثانی کو اس درجہ تکمیل کے ساتھ ساکت کر سکتا ہو۔

مولانا کا مدعا اس جواب سے غالباً یہ ہے کہ: "اس استفسار یا استفتاء پر بعض تنقیحیں (عدالتی نہیں بلکہ دینی و مذہبی) قائم ہونا چاہیئے اور ان تنقیحوں کے قائم کرنے میں انھیں تکلف ہے، تکلیف کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے"۔ کیونکہ مگر کوئی شخص لکھنؤ سے تھانہ بھون جانیکی زحمت اختیار کرے گا، اور نہ مولانا کو جواب دینے کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑے گی۔ وہ "تاوک فرمائی" ہے، جو سودا کے زمانہ میں صرف "مرغ قبلہ نما" کو تڑپا دیتی تھی، لیکن اب "حلیم کعبہ" کو متزلزل کر رہی ہے۔

شکر ہے کہ اس ذہنیت کی مثال مجھ کو تمام جوابوں میں صرف ایک ہی ملی اور وہ بھی ایک ایسی ہستی کی طرف سے جو شاید مسائل روزہ و نماز سے زیادہ کسی ایسے استفسار کا جواب دینے کی اہل نہیں ہے۔ جو فلسفۂ مذہب سے متعلق ہو یا جو کسی اصولی گفتگو کی طرح ڈالنے والا ہو۔

باقی تین ذہنیتوں میں سے وہ ذہنیت جس کو میں نے "راسخون" میں داخل کیا ہے یا جدید سیاسی اصطلاح میں قدامت پسند یا کنسرویٹو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حسب ذیل حضرات کی طرف سے ظاہر ہوئی ہے :-

"قاضی صاحب بھوپال۔ مفتی صاحب رام پور۔ مفتی صاحب حیدر آباد۔ مولانا حسین احمد صاحب مفتی دیوبند۔ مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ۔ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب دہلی۔ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی۔ مولانا سید سلیمان شاہ پھلواروی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔ مولانا محمد عبدالعزیز صاحب۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔"

ان حضرات نے نہایت صفائی اور پورے رسوخ و یقین کے ساتھ حکم لگایا ہے کہ مسلمان چاہے کچھ کرے بہر حال اُسے ناجی ہونا ہے۔ بشرطیکہ ایمان پر اس کا خاتمہ ہو اور بُت پرست کافر کتنا ہی اچھے اخلاق کا کیوں نہ ہو اس کا ناری ہونا یقینی ہے۔

غیر جانبدار یا اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنیوالی ذہنیت مولانا عبدالستار لاہوری اور مولانا احمد احمدی کے جوابات سے ظاہر ہوتی ہے، اول الذکر نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ناری اور ناجی ہونے کے متعلق "وہ لب کشائی نہیں کرسکتے اس کا علم مالک الملک کو ہے۔ اسی طرح ثانی الذکر صاحب نے صفائی کے ساتھ لکھدیا ہے کہ اس کو خدا بہتر جانتا ہے کہ کون ناری ہے اور کون ناجی۔

اب صرف ایک جواب مولانا سید سلیمان ندوی کا رہ گیا جس کو میں نے مذبذب ذہنیت کے نام سے موسوم کیا ہے، کیونکہ وہ جواب شروع کرتے ہیں ان الفاظ سے کہ :-

"دونوں ناری ہیں" اور ختم کرتے ہیں اس "لیکن" پر جس میں مسلمان کے بخشے جانے اور کافر کے نہ بخشے جانے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ ایک شخص کے لئے دشوار ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کس کا اعتبار کرے، اور کس کو صحیح جواب خیال کرے۔

یہ تھا ایک سرسری اور مختصر سا جائزہ یا عمومی تبصرہ جو "علماء کرام" کے جوابات پر کیا گیا ہے لیکن میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اصولی گفتگو اس مسئلہ پر کرنا چاہتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ عقل انسانی یا فطرت انسانی جس پر اسلام کی بنیاد کا قائم ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ان جوابات میں سے کس جواب پر مطمئن ہو سکتی ہے یا کسی پر نہیں۔

مولانا نثار احمد صاحب لاہوری اور مولانا احمد صاحب احمدی کے جوابات تو قطعاً لائق اعتناء نہیں کیونکہ جب وہ اسلام کی صداقت کے مدعی ہونے کے بعد اس کی پیروی کر رہے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ انھیں علم نہیں کون ناری ہے اور کون ناجی، اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام سے بہتر کسی اور مذہب کے ہونے کا امکان باقی ہے اور وہ ایک ایسے مسلک کے ماننے والے ہیں جو خود ان کے اندر کوئی کیفیت یقین و رسوخ کی پیدا نہیں کرتا۔ اگر اُن سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیوں مذہب اسلام کو صحیح مذہب مانتے ہیں تو اصولاً وہ یہی جواب دینگے کہ اسلام ان کے نزدیک سب سے بہتر مسلک ہے۔ لیکن اس کے بعد اگر ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیا اسلام کا بہترین مسلک ہونا ان کے نزدیک اس لئے نہیں ہے کہ اسی پر انسان کی نجات منحصر ہے تو ان کو یہی جواب دینا چاہیئے کہ اس کا علم ان کو نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ وہ اس عالم ریب و شک میں کس طرح اپنے آپ کو حقیقی معنے میں اسلام کا متبع کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو دعوت اسلام کیونکر دے سکتے ہیں۔ جبکہ خود انھیں اس امر کا یقین نہیں کہ اسلام نجات کا ضامن ہے۔ مجھے مولانا احمد احمدی کے اس جواب پر بہت زیادہ حیرت ہے۔ کیونکہ احمدی جماعت بالکل تبلیغی جماعت ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کسی کو بھی اپنے مسلک کی طرف دعوت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا جواب بھی زیادہ توجہ طلب نہیں، کیونکہ اُنھوں نے کوئی یقینی صورت پیدا نہیں کی۔ اگر وہ صرف دونوں کے ناری ہونے پر حکم لگاتے، تو علیحدہ گفتگو ہو سکتی تھی، لیکن چونکہ اخیر میں انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ "ممکن ہے پہلا بخشا جائے اور دوسرا نہیں" اس لئے جو گفتگو راسخون کے جوابات کے سلسلہ میں ہوگی، وہی مولانا ندوی کے فتوے کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ظاہر کیا گیا ہے۔ منجملہ سولہ حضرات کے بارہ نے پورے وثوق کے ساتھ مسلمان کے ناجی ہونے پر حکم لگایا ہے خواہ وہ کتنی ہی معصیت کرے اور برہمن کے ناری ہونے کا فتوے دیا ہے۔ خواہ اسکے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کسی صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے بقول مولانا اشرف علی صاحب پہلے چند تنقیحوں کا قائم کر لینا ضروری ہے۔

۱۔ مذہب کا مقصد صحیح کیا ہے؟

۲۔ اخلاق حسنہ کی غایت کیا ہو سکتی ہے؟

۳۔ ناری و ناجی ہونا کسے کہتے ہیں؟

۴۔ خدا اور مذہب کا باہمی تعلق کس قسم کا ہے؟

اگر ہم ان چاروں باتوں کا فیصلہ کر سکے تو ان علمائے کرام کے جوابات پر بھی تنقید کر سکیں گے۔ اور خود

اولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون (بقرہ - ۲۲)

۲- لیکن ممکن ہے کہ پہلا بخشا جائے، اور دوسرا نہیں،

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد افتری اثما عظیما ط (نساء، ۷)

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا ط (نساء ۱۸)

مولانا غلام حسنین پھلواروی۔

اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ ایمان بغیر عمل اور عمل بغیر ایمان آیا برابر ہیں۔ یا دونوں کے مدارج میں فرق ہے۔ لیکن جمہور امت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان کا مرتبہ عمل سے افضل ہے۔ لہذا عمل بغیر ایمان۔ ایمان بغیر عمل کے برابر نہیں ہو سکتا۔ عمل کا فقدان موجب عذاب ہے لیکن ایمان کا فقدان زیادہ عذاب کا موجب ہے۔ اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ عمل کا فقدان ابدی عذاب کا موجب نہیں ہے مگر فقدان ایمان کی صورت میں اکثریت ابدی عذاب کی قائل ہے اور ایک گروہ ابد سے مراد طول مکث لیتا ہے اور قائل ہے کہ آخری انجام سبھوں کا نجات ہے۔

ہماری ذاتی رائے جمہور کی موافقت میں ہے کہ مومن عاصی کا آخری انجام نجات ہے اور غیر مومن کا عذاب ابدی ہے۔ مگر اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر مومن کا حسنِ عمل تخفیف عذاب کا باعث ہوگا یا نہیں۔

مفتی صاحب حیدر آباد دکن۔

الجواب حامداً ومصلیاً

مسلمان کیسا ہی عاصی کیوں نہ ہو اپنے اعمال کے سبب مستوجب سزا ہوگا۔ لیکن ناری نہیں اس لئے کہ محض اسلام خلود فی الجہنم کو مانع ہے۔ واہل الکبائر من المومنین لا یخلدون فی النار وان ماتوا من غیر توبة ط صفحہ شرح عقائد نسفی۔

اگر توبہ کرکے مریں تو مغفرت کی امید ہے۔ کافر و مشرک خواہ اسکی تمام زندگی نیکیوں ہی میں کیوں نہ گذر

جائے۔ ناجی نہیں اس لئے کہ شرک ناقابل بخشش و مانع حصول بہشت ہے۔ "واللہ تعالیٰ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء من الصغائر والکبائر ص ۲۷ شرح عقائد نسفی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ

مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔

جواب استفتاء

السلام علی من اتبع الھدیٰ

تمہید۔ دفتر رسالۂ نگار سے مطبوعہ استفتاء کی ایک کاپی میرے پاس بھی پہونچی۔ مجھکو تعجب ہوا کیونکہ افتاء منصب دینیہ میں ایک جلیل الشان منصب ہے۔ اس کے مخصوص آداب و شرائط ہیں۔ جن پر عالم دین کی ذات میں جمع ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر جامع شرائط بزرگ پر یہ لازمی ہے کہ بغیر کسی خاص داعیہ دینی کے اس جانب اقدام کرے۔ میں نے اپنی گذشتہ زندگی کے کسی لمحہ میں بھی خود کو نہ منصب افتاء کا اہل سمجھا اور نہ مفتی فی الفروع کی حیثیت سے ملک و ملت کے سامنے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے شعبہ سیاسیات یا تعلقات بین الملل کے علاوہ کسی استفتاء کا نہ جواب لکھتا ہوں۔ اور نہ حتی الوسع تہیہ کرتا۔ مخصوص شعبہ سیاست میں دوسرے مقدس پیشوایان مذہب کے مقابلہ میں مجھکو بعض حضرات سے نسبتاً زیادہ غور و فکر کا موقع ملا ہے۔ اس لئے بحول اللہ و قوتہ اپنی بصیرت کے موافق سیاسی استفتاءات کا جواب تحریر کرنے میں تامل و تردد نہیں ہوتا۔ میری حیثیت اس سے زائد نہیں کہ مسلمانوں کا قومی خدمت گذار ہوں اور ان میں اپنی بساط کے مطابق اسلاف صالحین کے اسلام کا داعی۔ مذکورہ بالا استفتاء میرے حدود عمل سے بظاہر خارج تھا۔ اس لئے مجھکو تعجب بھی ہوا اور تحریر جواب میں کسی قدر متامل رہا۔ بالآخر اس خیال سے کہ شاید عنوان استفتاء اپنے مشہور و متعارف اصطلاح میں مستعمل نہ ہوا ہو۔ مختصراً جواب لکھنے کا تہیہ کیا اگر ضرورت پیش آئی تو مناسب شرح و بسط کے ساتھ دوبارہ عرض کر دیا جائے گا۔

غالباً یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ جوابات پر اظہار خیال کے سلسلے میں جب میری تحریر کا نمبر آئے تو نقد و تبصرہ کی ایک کاپی مجھکو بھی بھیجدی جائے۔

ہو الھادی

جواب۔ کسی کے ناجی یا ناری ہونے کا علم حقیقی نہ کسی عالم دین کو ہو سکتا ہے نہ عالم دنیا کو۔ یہ حقیقت

انسانی عقل و ادراک کی سطح سے بالاتر ہے۔ اس میں انجام کا اعتبار ہے۔ جو بندوں سے مخفی ہے۔ علیم و خبیر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان ربک ہو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وہو اعلم بمن اہتدیٰ۔ جس شے کا ہمکو علم نہیں۔ اس پر ہم حکم نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی نجات اُخروی یا ہلاکت کا فیصلہ صرف احکم الحاکمین کا کام ہے۔ ان ربک یفصل بینہم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ لہٰذا اس اہم مسئلہ میں قطعی رائے کا اظہار اور کسی مخصوص شخص کے ناجی یا ناری ہونے کا حکم لگانا اعمال الوہیت میں دخل در اندازی کے مترادف ہوگا۔ ہاں البتہ بےشک حق تعالےٰ کے نازل فرمائے ہوئے قانون قرآن کریم کی روشنی میں ظاہری علائم و آثار کی بناء پر جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ استفتاء کے تنقیح طلب فقرات پر اظہار خیال کے بعد آخر میں خلاصہ لکھ دیا جائے گا۔

نمبر ۱- خاندانی اسلام کی قید بے اثر اور غیر ضروری ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا محض خاندانی مسلمان ہونا اُس کی نجات کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ خود عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کا پابند نہ ہو۔ من قعد بہ عملہ لم یرفعہ نسبہ۔ جس کے ذاتی اعمال اُس کو پستی میں گرا دیں اس کو عالی نسبی بلند نہیں کر سکتی۔ اور مشرف باسلام ہونے کے وقت کسی نومسلم کا درجہ ایک بالکل خاندانی مسلمان سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام قبول کرتے ہی اس کے سارے پچھلے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سب معاف ہو گئے۔ الاسلام یہدم ما قبلہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونیوالے معصوم بچہ کی طرح تمام آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

نمبر ۲- پابند صوم و صلوٰۃ ہونا خاندانی مسلمان کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلام میں کسی نئے داخل ہونیوالے کے لئے۔ تہجد و ذکر و شغل قلب کی سختی اور سیاہی کو دور کر کے ایمان و معرفت کے نور سے منور کرتا ہے۔ اعمال برھتے تقویٰ بتدریج ایسے شخص کی زندگی کا جزو لاینفک ہو جاتے ہیں۔ اور معاصی سے سخت نفرت و دہشت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ سے بتقاضائے بشریت احیاناً گناہ سرزد تو ہوتا ہے۔ لیکن معصیت آلود زندگی گذارنا اُسکے حق میں محال ہو جاتا ہے۔ غلطی کے بعد فوراً اس کا احساس ہوتا ہے۔ اور جب تک توبہ و استغفار کرکے اس کا اثر زائل نہ کر دے اس وقت تک اس کے قلب مضطرب کو چین نہیں آتا۔ ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وہم یعلمون۔

نمبر ۳- یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جو کپڑا یا جس وضع کو مسلمانوں کے

لئے بالخصوص مردوں یا عورتوں کے لئے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے محترز رہتا ہے لباس میں غیر مسلموں کی وہ مخصوص وضع اختیار نہیں کرتا جو اسلامی امتیاز کو اٹھا دے کہ اگر کسی اجنبی مقام پر اس وضع میں مر جائے تو مسلمان اس کو اپنے طریقہ پر تجہیز و تکفین کر کے اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے قاصر رہیں۔ حق تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں کی وضع و قطع اختیار کرنا بھی پاک درونی کی علامت ہے۔

جو اعمال و احوال استفتاء کی ابتدائی دو سطروں میں از فقرہ نمبر ۱ تا نمبر ۹ تحریر ہوئے ہیں جب کسی شخص کے ایسے اعمال و احوال ہوں محال عادی ہے کہ اس کی زندگی ان کمزوریوں سے آلودہ رہ سکے۔ جن کا شمار "لیکن" کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس غریب کی پابندی صوم و صلوٰۃ کسی شخص یا جماعت کو مکر و فریب نظر آئے۔ اس کی نصیحت آمیز تلقین مذہب کذب و افتراء کا لقب پائے۔ اس کی اسلامی وضع و قطع کسی کو پسند نہ آئے۔ یہ فرض محال ہی نہیں واقعات ہیں۔ مخالفین حق و اہل حق کی نسل منقطع نہیں ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے استفتاء کی صورت مفروضہ فرض محال کے درجہ میں ہے۔ بہر حال اگر کسی نیک عمل مسلمان کی زندگی بھی مکر و فریب کذب و افترا ایذا رسانی و قطع رحم جیسے سنگین جرائم سے محفوظ نہیں رہی اور اخیر دم تک تلافی مافات اور سچی توبہ و انابہ کی توفیق بھی نہیں ہوئی اور ایمان و توحید پر قائم دنیا سے رخصت ہو گیا تو ایسے شخص کی نجات یقینی ہے۔ لیکن گناہوں کی پاداش میں معذب ہونا یا نہ ہونا حق تعالےٰ کی مشیئت پر محول ہے۔ حقوق العباد کے سوا بقیہ معاصی کو خواہ ابتدا ہی سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرما دے خواہ ان گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے اور سزا بھگتنے کے بعد اس کو جہنم سے نکال کر جنت نصیب فرمائے۔

نمبر ۵ - جواب کا دار و مدار عقیدہ شرک و کفر پر ہے۔ اسلام نے نہ اپنے ماننے والوں کے لئے ذات کی اونچ نیچ اور نسلی امتیاز کا کوئی حق تسلیم کیا ہے اور نہ کفار و مشرکین اور تمام غیر مسلموں کے لئے، اس کا صاف اور غیر مشتبہ فیصلہ ہے۔ ان الحکم عند اللہ الحاکم۔ اس نے مشرک و کافر برہمن ہو یا چمار دونوں کی حالت یکساں ہے۔ بشرطیکہ اپنی جماعت کا سرغنہ اور کفر کا علمبردار نہ ہو اسی طرح پشتینی کی قید بھی بالکل بیکار ہے۔ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ باپ دادا کے کفر کا یہ حصہ دار نہیں۔ لا یزر وازرۃ وزر اخریٰ۔

نمبر ۶ - علیٰ ہذا بتوں کے ہیکل ڈالنے یا نہ ڈالنے کا بھی کوئی خاص اثر نہیں۔ اور نہ پوجا پاٹ کرنے یا نہ کرنے کا۔

نمبر ۷ - کوئی مشرک و کافر ابنائے جنس کی خدمت یتیموں کی پرورش بیواؤں کی ہمدردی۔ غرض اس قسم کی بے شمار نیکیاں کرتا ہوا شرک و کفر کی حالت میں مر جائے تو ناری ہوگا۔ انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماواہ النار۔ رہا اس کی نیکیوں کا معاملہ تو اس کا صلہ اس کو دنیا ہی

میں مل جائے گا۔ کشائش رزق۔ کثرت مال و اولاد۔ نیک شہرت۔ ہر دلعزیزی۔ روحانی کلفتوں اور جسمانی آفتوں سے تحفظ۔ اس طرح دنیاوی صلہ کی ہزارہا شکلیں ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں آخرت میں ایسے رحمدل مشرک کا عذاب کسی سفاک بے رحم کافر کے مقابلہ میں یقیناً ہلکا ہوگا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ کہ عالم آخرت میں کوئی نیکی اس وقت تک معتبر نہ ہوگی۔ جب تک توحید و رسالت کے اعتقاد و اقرار کے ساتھ پیش نہ ہو۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ جہاں تک نجات اخروی کا تعلق ہے۔ کسی مشرک و کافر کی نیکیاں رائیگاں اور ضائع ہیں۔ اور اس کا کوئی وزن نہیں لا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔ ان کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ وما ھم بخارجین من النار البتہ دوسرے سنگ دل کفار کے مقابلہ میں نیک خصلت مشرکوں کو عذاب ہلکا ہوگا۔ ان فی الجنۃ درجات و فی النار درجات ولکل درجات مما عملوا

دین الٰہی میں کفر و شرک کا وہی درجہ ہے جو دنیاوی حکومتوں کے خود ساختہ قوانین میں بغاوت کا ہے۔ اگر بغاوت کا محض شبہ اور کسی ظالم حکومت کے خلاف سازش کا صرف الزام کسی نیک دل پاک طینت نوجوان کی جانب سے خداوندان امن و آزادی کے تمام اعلےٰ جذبات انسانیت و ہمدردی منقطع کر کے ان مدعیان تہذیب و شائستگی کو سنگ دلی و بے رحمی کے جامہ میں پیش کر سکتا ہے۔ اور یہ سنگدلی اور بے رحمی نام نہاد انصاف و قانون کی نظر میں جائز قرار پاتی ہے۔ اور مذہب اور مذہبیت کے خلاف کسی مجاہد اعظم کی زبان یا قلم کو حرکت نہیں ہوتی۔ تو پھر عقل و دانش کی رب العالمین جسکی شان الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ہے۔ اس کے اس عادلانہ فیصلہ پر کہ وہ کسی اقراری باغی کو ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار دیتا ہے کس کی مجال ہے جو زبان اعتراض کھولے اور جبکہ جزا و سزا اور قانون مجازاۃ عام ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اور اس قانون کی رو سے ہر نیکی یا بدی کی جزا یا سزا ملتی ہے۔ تو ایمان و کفر جو اساس عمل ہیں۔ کیونکہ مستثنےٰ قرار پا سکتے ہیں۔ اور اعتقاد کفر و ایمان کو کس بنیاد پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔ ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ام نجعل الذین امنو وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام وہ مسلمان جن کا خاتمہ زندگی عقیدۂ توحید پر ہوا ہے ان کا مآل نجات ہے۔ خواہ ابتداءً ہو یا اپنے گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد۔ اور سارے کافر ناری ہیں۔ اگرچہ ایک پرہیزگار مسلمان کا درجہ

کسی گناہگار مسلمان سے اعلیٰ وارفع ہوگا اور اسی طرح ایک رحمدل نیک طبیعت مشرک کا عذاب بے رحم ظالم کافر کے مقابلہ میں ہلکا ہوگا۔ ھذا

نسأل اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ ان یجعلنا وایاکم ممن اتبع ھداہ ویوفقنا لما یحبہ ویرضاہ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

(نگار) ان جوابات کو اگر ان کی مختلف ذہنیتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے، تو ان کو چار علیحدہ علیحدہ تقسیموں میں جدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ضعیف و کمزور یا مصلحت اندیش ذہنیت جو کسی قسم کا جواب دینا پسند نہیں کرتی، دوسری وہ جسے ہم "مذبذبین" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ تیسری وہ جس کا تعلق "راسخون" سے ہے اور چوتھی وہ جو بالکل غیر جانبدار رہنا چاہتی ہے اور عدم علم کا اعتراف کرتی ہے۔

اول الذکر ذہنیت کی مثال آپ کو صرف ایک مولانا اشرف علی صاحب کے جواب میں نظر آئیگی کہ انھوں نے نہ صرف جواب دینے سے احتراز کیا بلکہ اس کی بھی کوشش کی کہ ان کی شخصیت کا پتہ نہ چلے، کیونکہ نہ اُنھوں نے جواب میں اپنے دستخط ثبت فرمائے اور نہ مقام درج کیا جس سے کچھ سراغ چل سکتا۔ لیکن شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ لفافہ کے اوپر ڈاک خانہ ایک مہر بھی ثبت کر دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو پتہ چلنا مشکل تھا کہ یہ کس بزرگ کی تحریر ہے، کب لکھی گئی اور کہاں سے آئی؟

اس کے بعد جو جواب دیا گیا ہے اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے کہ:-

"سوال تنقیح طلب ہے جو تحریر سے خالی از تکلف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے"

مولانا نے گویا غالب کے انداز میں کوئی ادق شعر تصنیف فرمایا ہے جس کے بعض درمیانی حصے متروک و محذوف ہیں۔ اور اپنے نزدیک ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ شاید ہی اس سے زیادہ کوئی بلیغ جواب فریق ثانی کو اس درجہ تکمیل کے ساتھ ساکت کر سکتا ہو۔

مولانا کا مدعا اس جواب سے غالباً یہ ہے کہ:- "اس استفسار یا استفتاء پر بعض تنقیحیں (عدالتی نہیں بلکہ دینی و مذہبی) قائم ہونا چاہیئے اور ان تنقیحوں کے قائم کرنے میں انھیں تکلف ہے، تکلیف کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے" کیونکہ نہ کوئی شخص لکھنؤ سے تھانہ بھون جانے کی زحمت اختیار کرے گا۔ اور نہ مولانا کو جواب دینے کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہی وہ ناوک فرمائی ہے، جو سودا کے زمانہ میں صرف "مرغ قبلہ" کو تڑپا دیتی تھی، لیکن اب "حطیم کعبہ" کو تنزل کر رہی ہے۔

شکر ہے کہ اس ذہنیت کی مثال مجھ کو تمام جوابوں میں صرف ایک ہی ملی اور وہ بھی ایک ایسی ہستی کی طرف سے جو شاید مسائل روزہ و نماز سے زیادہ کسی ایسے استفسار کا جواب دینے کی اہل نہیں ہے۔ جو فلسفۂ مذہب سے متعلق ہو یا جو کسی اصولی گفتگو کی طرح ڈالنے والا ہو۔

باقی تین ذہنیتوں میں سے وہ ذہنیت جس کو میں نے "راسخون" میں داخل کیا ہے یا جدید سیاسی اصطلاح میں قدامت پسند یا کنسرویٹو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حسب ذیل حضرات کی طرف سے ظاہر ہوئی ہے:۔

"قاضی صاحب بھوپال۔ مفتی صاحب رام پور۔ مفتی صاحب حیدرآباد۔ مولانا حسین احمد صاحب مفتی دیوبند۔ مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ۔ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب دہلی۔ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی۔ مولانا سید سلیمان شاہ پھلواروی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔ مولانا محمد عبدالعزیز صاحب۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔"

ان حضرات نے نہایت صفائی اور پورے رسوخ و یقین کے ساتھ حکم لگایا ہے کہ مسلمان چاہے کچھ کرے بہرحال اُسے ناجی ہونا ہے۔ بشرطیکہ ایمان پر اس کا خاتمہ ہو اور بُت پرست کافر کتنا ہی اچھے اخلاق کا کیوں نہ ہو اس کا ناری ہونا یقینی ہے۔

غیر جانبدار یا اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنیوالی ذہنیت مولانا عبدالستار لاہوری اور مولانا احمد احمدی کے جوابات سے ظاہر ہوتی ہے، اول الذکر نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ناری اور ناجی ہونے کے متعلق وہ لب کشائی نہیں کرسکتے اس کا علم مالک الملک کو ہے۔ اسی طرح ثانی الذکر صاحب نے صفائی کے ساتھ لکھدیا ہے کہ اس کو خدا بہتر جانتا ہے کہ کون ناری ہے اور کون ناجی۔

اب صرف ایک جواب، مولانا سید سلیمان ندوی کا رہ گیا جس کو میں نے مذبذب ذہنیت کے نام سے موسوم کیا ہے، کیونکہ وہ جواب شروع کرتے ہیں ان الفاظ سے کہ:۔

"دونوں ناری ہیں" اور ختم کرتے ہیں اُس "لیکن" پر جس میں مسلمان کے بخشے جانے اور کافر کے نہ بخشے جانے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ ایک شخص کے لئے دشوار ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کس کا اعتبار کرے اور کس کو صحیح جواب خیال کرے۔

یہ تھا ایک سرسری اور مختصر سا جائزہ یا عمومی تبصرہ جو "علماء کرام" کے جوابات پر کیا گیا ہے۔ لیکن میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اصولی گفتگو اس مسئلہ پر کرنا چاہتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ عقل انسانی یا فطرت انسانی جس پر اسلام کی بنیاد کا قائم ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ان جوابات میں سے کس جواب پر مطمئن ہوسکتی ہے یا کسی پر نہیں۔

مولانا ثناء احمد صاحب لاہوری اور مولانا احمد صاحب احمدی کے جوابات تو قطعاً لائق اعتناء نہیں کیونکہ جب وہ اسلام کی صداقت کے مدعی ہونے کے بعد اس کی پیروی کر رہے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ انھیں علم نہیں کون ناری ہے اور کون ناجی اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام سے بہتر کسی اور مذہب کے ہونے کا امکان باقی ہے اور وہ ایک ایسے مسلک کے ماننے والے ہیں جو خود ان کے اندر کوئی کیفیت یقین و رسوخ کی پیدا نہیں کرتا۔ اگر اُن سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیوں مذہب اسلام کو صحیح مذہب مانتے ہیں تو اصولاً وہ یہی جواب دینگے کہ اسلام ان کے نزدیک سب سے بہتر مسلک ہے۔ لیکن اس کے بعد اگر ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیا اسلام کا بہترین مسلک ہونا ان کے نزدیک اس لئے نہیں ہے کہ اسی پر انسان کی نجات منحصر ہے تو ان کو یہی جواب دینا چاہیئے کہ اس کا علم ان کو نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ وہ اس عالم ریب و شک میں کس طرح اپنے آپ کو حقیقی معنے میں اسلام کا متبع کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو دعوت اسلام کیونکر دے سکتے ہیں جبکہ خود انھیں اس امر کا یقین نہیں کہ اسلام نجات کا ضامن ہے۔ مجھے مولانا احمد احمدی کے اس جواب پر بہت زیادہ حیرت ہے۔ کیونکہ احمدی جماعت بالکل تبلیغی جماعت ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کسی کو بھی اپنے مسلک کی طرف دعوت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا جواب بھی زیادہ توجہ طلب نہیں، کیونکہ اُنھوں نے کوئی یقینی صورت پیدا نہیں کی۔ اگر وہ صرف دونوں کے ناری ہونے پر حکم لگاتے، تو علیحدہ گفتگو ہو سکتی تھی، لیکن چونکہ آخیر میں انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ "ممکن ہے پہلا بخشا جائے اور دوسرا نہیں"۔ اس لئے جو گفتگو راسخون کے جوابات کے سلسلہ میں ہوگی، وہی مولانا ندوی کے فتوے کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ظاہر کیا گیا ہے۔ منجملہ سولہ حضرات کے بارہ نے پورے وثوق کے ساتھ مسلمان کے ناجی ہونے پر حکم لگایا ہے خواہ وہ کتنی ہی معصیت کرے اور برہمن کے ناری ہونے کا فتوے دیا ہے۔ خواہ اسکے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کسی صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے بقول مولانا اشرف علی صاحب پہلے چند تنقیحوں کا قائم کر لینا ضروری ہے۔

۱۔ مذہب کا مقصد صحیح کیا ہے؟

۲۔ اخلاق حسنہ کی غایت کیا ہو سکتی ہے؟

۳۔ ناری و ناجی ہونا کسے کہتے ہیں؟

۴۔ خدا اور مذہب کا باہمی تعلق کس قسم کا ہے؟

اگر ہم ان چاروں باتوں کا فیصلہ کر سکے تو ان علمائے کرام کے جوابات پر بھی تنقید کر سکیں گے۔ اور خود

بھی اپنے استفسار کا جواب دے سکیں گے۔ جو ہندوستان کے اتنے حاملین شریعت کے پاس بغرض حصول فتوے بھیجا گیا تھا۔

چونکہ مختلف اوقات میں مختلف مذہبی مباحث کے ماتحت نگار میں ان تمام اُمور پر اس سے قبل کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ اس لئے میں زیادہ تفصیل وطوالت سے کام نہ لوں گا۔ بلکہ مختصراً صرف انھیں اُمور کو پیش کرونگا جو مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالنے کے لئے ضروری ہیں۔

تنقیح اول کے متعلق غالباً ساری دنیا کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مذہب کا مقصد اصلاح اعمال، تزکیۂ اخلاق اور تصفیۂ نفس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسی طرح تنقیح دوم کے متعلق بھی یہی ایک رائے پائی جاتی ہے کہ اخلاق حسنہ کی غایت صرف یہ ہے کہ انسان، دنیا کے نظام تمدن میں عضو مفید کی حیثیت اختیار کرے، دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے، ابناء جنس کے نظام عمرانی میں ایک فرد معاون ہو کر زندگی بسر کرے اور نفسانی و ذاتی اغراض سے شیرازۂ اخوت عامہ کو درہم برہم نہ ہونے دے۔ چنانچہ یہی وہ اصل اصول تھا جس کی بناء پر شریعتیں مرتب ہوئیں، قوانین وضع کئے گئے اور اچھے بُرے افعال کی فہرست ترتیب دے کر عوام کے سامنے گناہ و صواب اور سزا و جزا کی تعیین کی گئی تاکہ جو لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں، وہ بھی اصل راہ سے منحرف نہ ہوں اور قانونی پابندی سے اُن کی بے راہ روی کو متعذر بنا دیا جائے۔

تیسری تنقیح سب سے زیادہ اہم تنقیح ہے کیونکہ استفتاء میں یہی دریافت کیا گیا تھا اور اسی میں مجھے اکثر علماء کرام سے اختلاف ہے۔ عام طور پر ناری و ناجی ہونے کا تعلق "حیات بعد الممات" سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی جب انسان مر جائے گا تو جو اعمال دنیا میں اس نے کئے ہیں۔ ان کے لحاظ سے اس کو انعام یا سزا ملے گی اور اس انعام و سزا کو بہشت و دوزخ کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عذاب و ثواب جسم کے ساتھ ہوگا اور دوزخ میں واقعی سانپ، بچھو، اور آگ کے شعلے ہوں گے اور جنت میں حقیقتاً حوریں، غلمان، باغ اور میوے وغیرہ ہوں گے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ عذاب و ثواب روحانی ہوگا اور دوزخ و جنت کا بیان صرف تشبیہی و تمثیلی ہے۔ بہر حال وہ انعام و سزا جسمانی ہو یا روحانی، نتیجہ ہے اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا جو اس دنیا میں انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس وقت اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ مرنے کے بعد سزا یا جزا کا مفہوم نتیجہ خیز و قابل یقین امر ہے یا نہیں بلکہ میں اس کو حرف بہ حرف صحیح ماننے کے بعد ناجی و ناری کے مفہوم پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ناری و ناجی ہونے کا تعلق علاوہ اعمال حسنہ کے کسی اور چیز سے ہے اور اگر ہے تو کیوں؟

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے لازمًا ہر شخص اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ چونکہ مذہب کا مقصود اصلی اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے، اسلئے ناری و ناجی ہونے کا انحصار صرف اخلاق انسان پر ہونا چاہیئے۔ اگر وہ بُرے ہیں تو ہم کہیں گے کہ وہ ناری ہے اور اچھے ہیں تو حکم لگائیں گے کہ وہ ناجی ہے۔

اس لئے ہمارے علماء کرام کا اُس فاسق و فاجر مسلمان کے متعلق یہ حکم لگانا کہ بہرحال وہ ناجی ہے اور اُس خوش اخلاق برہمن کی نسبت یہ فتویٰ صادر کرنا کہ وہ کچھ کرے نجات اُس کی ممکن نہیں، یقینًا متذکرہ بالا اُصول سے علحدہ کسی اور اصول پر مبنی ہوگا اور وہ اصول کیا ہو سکتا ہے؟

میں نے جہاں تک غور کیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علماء کرام نے مذہب اسلام اور اخلاق حسنہ کو علحدہ علحدہ دو چیز قرار دیا ہے۔ اور ان کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ ان دونوں کا اجتماع بھی ممکن ہے اور افتراق بھی یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو۔ لیکن اخلاق حسنہ نہ رکھتا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی میں اخلاق حسنہ موجود ہوں، اور وہ مسلمان نہ ہو، یعنی اصل چیز ان کے نزدیک اخلاق انسانی نہیں بلکہ محض مسلمان ہونا ہے، خواہ اُس کے اعمال کیسے ہی خراب کیوں نہ ہوں؟

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر محض مسلمان ہونا ہی نجات کا ضامن ہے اور انسان کے اچھے اعمال کوئی چیز نہیں ہیں تو پھر اسلام کا مقصد کیا ہے؟ اور اسلام کس چیز کا نام ہے؟

جن علماء کرام نے بدکار مسلمان کے ناجی ہونے اور نکوکار برہمن کے ناری ہونے پر حکم لگایا ہے وہ گویا بہ الفاظ دیگر اس بات کے معتقد ہیں کہ محض خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کر لینا یا یوں کہئے کہ اُن کی مقررہ کی ہوئی دایان مجمل و مفصل کی عبارت کو ایک اشلوک کی طرح پڑھ کر اعتقاد کر لینا کافی ہے اور کائنات میں انسان کا وجود صرف اس لئے ہے کہ وہ ان چند الفاظ کو یاد کر لے، کیونکہ خدا اور اُس کی خدائی کائنات اور اُسکا جملہ نظام عبارت ہے، انھیں دو سطروں کے حفظ کر لینے سے۔

اگر حقیقتًا اسلام یہی ہے اور اس کی تمام تعلیمات کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے تو ہم کو تنقیح چہارم کا پہلے فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ خدا اور مذہب کا باہمی تعلق کیا ہے، یعنی خدا کو مذہب کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا وہ ضرورت صرف ایک شخص کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

یہ مسئلہ میرے نزدیک زیادہ پیچیدہ نہیں ہے، کیونکہ خود انھیں علماء کرام کے اعتقاد کے موافق خدا کی ذات بے نیاز ہے اور وہ ہماری عبادت، ہماری نیائش بلکہ خود ہماری اور ساری کائنات ہستی کی طرف سے بالکل ایسا ہی بے پروا ہے جیسا کہ وہ حالت انعدام کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ نہ آفرینش سے اسے کوئی غرض البتہ ہے نہ ہلاکت و فنا سے۔ اس نے اگر عالم کو پیدا کیا تو اس طمع و غرض سے نہیں کہ کوئی اُس کا نام لے گا اور اگر وہ سب کو

تباہ و برباد کردے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ اگر وہ ہمارے انسانی بادشاہوں اور رئیسوں کی طرح نہیں ہے تو نہ اُس میں جذبۂ انتقام کی پرورش ہوتی ہے نہ جذبۂ استحسان کی، کوئی عمر بھر اگر اُس کی عبادت کرے تو وہ اپنے اُصول کو بدلنے والا نہیں۔ اور اگر کوئی ہر وقت اُسے گالیاں دے تو اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب سوال نہ اصطلاحی عبادت کا رہا، نہ اصطلاحی کفر کا، اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ ہماری عبادتیں اگر حقیقتاً کسی غرض سے والبتہ ہوسکتی ہیں، تو وہ خدا سے متعلق نہیں ہے بلکہ خود ہماری فلاح و بہبود سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا اثر ہماری ہی دنیادی زندگی پر پڑنا چاہیئے، دنیادی زندگی کی تخصیص میں نے اس لئے کی کہ اُخروی زندگی کے ماننے کے لئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کیوں اس سلسلہ کو قائم رکھے اور اس سے حیاتِ انسانی، و تمدنِ انسانی کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے، جبکہ بقول مقتدایانِ مذہب دوبارہ عالم آب و گل میں لوٹ کر آنا نہیں ہے اور جزا سزا نتیجہ کے لحاظ سے بالکل بیکار چیز ہوجاتی ہے۔ سزا و جزا کا مدعا یہ ہے کہ ایک شخص آئندہ ایک فعل سے احتراز کرے اور دوسرے کو اختیار۔ لیکن جب اس کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے اور دار العمل ختم ہوجاتا ہے تو سزا و جزا محض ایک لایعنی شے ہوکر رہجاتی ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو یہ بالکل یقینی ہے کہ خدا سے ہماری عبادت و نافرمانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی خدا اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اثر خود ہمارے اوپر ہوتا ہے۔ اور وہ اثر فلاح و بہبود یا ہلاکت و زوال کے سوا کچھ نہیں۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام کے اس فتویٰ دینے کا سبب کیا ہے اور انھوں نے کیوں اعمالِ حسنہ کو تنہا ذریعۂ نجات قرار نہیں دیا۔ اس کے لئے آئیے سب سے پہلے قرآن میں جستجو کریں کہ اس میں اس امر کا کیا فیصلہ کیا گیا ہے، کیونکہ اس کے فیصلہ سے علماء کرام کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

قرآن میں جہاں کہیں ایمان و اسلام کا ذکر آیا ہے وہیں اعمالِ صالحہ کو بھی اس کے ساتھ لازم کردیا ہے اور بغیر افعالِ حسنہ کے ایمان کا کوئی مفہوم قرار نہیں دیا گیا۔ کثرت سے اس مفہوم کی آیات قرآن میں موجود ہیں، مثلاً چند یہاں پیش کیجاتی ہیں:-

"انما المومنین اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔ (یعنی مومنین کی پہچان یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں اور باہمدگر امن و صلح صلاح و فلاح کی زندگی بسر کریں۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ یعنی جو کوئی (خواہ وہ کسی ملک و قوم کا ہو) ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کا نتیجہ دیکھ لیگا اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کریگا اس کا نتیجہ پائے گا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ یعنی اللہ کسی قوم کی حالت میں کوئی تبدیلی

نہیں کرتا۔ جبتک وہ خود اپنے اندر بُری یا بھلی کوئی تبدیلی نہ پیدا کرے۔

ان اللہ لایظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسھم یظلمون۔ بلکہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ خود انسان ہی اپنے اوپر ظلم کرتا ہے"۔

الغرض یہ اور اسی قسم کی آیات سینکڑوں کی تعداد میں ایسی پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کا مفہوم ہی عمل صالح ہے چنانچہ ایک جگہ صاف صاف ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وماھم بمومنین۔ یعنی بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے درآنحالیکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

کیوں؟ اسلئے کہ ان کے اعمال اچھے نہیں ہیں، اور اُن کے اخلاق بُرے ہیں۔ پھر کیا اس آیت کے ماتحت وہ مسلمان جس کا ذکر میں نے اپنے استفتا میں کیا ہے۔ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اور اسکو ناری نہیں کہہ سکتے۔

اسی طرح کثرت سے کلام مجید میں اعمال ونتیجۂ اعمال کے فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ یعنی انسان کو اتنا ہی ملیگا، جتنی اُس نے کوشش کی ہے اور وہی ملیگا جو اس کے عمل کا اقتضاء ہے"۔

پھر کیا اس اصول کے ماتحت وہ برہمن اپنے اعمال حسنہ کا اجر نہ پائے گا اور وہ مسلمان اپنے افعال سیٔہ کی سزا کا مستوجب نہ ہوگا اور کیا اس اجر وسزا کو ناجی وناری کے الفاظ سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

اس مسئلہ میں سب سے بڑی اُلجھن جس چیز نے پیدا کر دی ہے وہ شرک وتوحید یا کفر واسلام کی تفریق ہے۔ چونکہ مشرک وکافر کے لئے قرآن میں جابجا ناری ہونے کی وعید آئی ہے، اور مشرک وکافر کا مفہوم بُت پرست یا غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے، اس لئے ایک مولوی نہایت آسانی کے ساتھ ایک غیر مذہب والے کے ناری ہونے کا فتویٰ صادر کر دیتا ہے خواہ اُس کے اعمال کتنے ہی پاکیزہ کیوں نہ ہوں۔

میرے نزدیک کفر واسلام یا شرک وتوحید کا مفہوم ہی ان لوگوں نے بالکل غلط سمجھا ہے۔ جسطرح توحید کے معنے زبان سے خدا کو ایک کہدینے کے نہیں ہیں اسیطرح شرک کے معنے بُت پرستی کے بھی نہیں ہیں میں اس سے قبل اس مسئلہ پر نگار میں کافی بحث کر چکا ہوں۔ لیکن مختصراً یہاں بھی اسکا اظہار کئے دیتا ہوں کہ توحید سے مقصود خدا کو ایک کہلانا نہیں، کیونکہ ایک کی نسبت بھی اسکے شان کے منافی ہے۔ بلکہ ایک سے مراد اس کو کل سمجھنا ہے اور اپنے آپ کو بھی اسی کل کا جزو قرار دے کر تمام قوائے عمل سے کام لیکر تمام ان مدارج ارتقاء کو طے کرنا ہے جو اُس کل یا قدرت نے سعی وعمل کے لئے مخصوص کر دئیے ہیں۔ چونکہ بُت پرست اقوام، یعنی وہ قومیں جو تمام کاموں کا انحصار بتوں کی خوشنودی پر رکھتی ہیں، رفتہ رفتہ اپنے تمام عزائم وقوائے کا سبہ کو مضمحل بنا لیتی ہیں اس لئے رفتہ رفتہ انسانی عمران وتمدن کو تباہ

کر کے خود بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔

چونکہ عہد رسالت میں مشرکین عرب کی حالت بالکل اسی درجۂ انحطاط پر پہونچ گئی تھی اس لئے شرک و کفر کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ انھیں فلسفۂ کفر و اسلام سمجھایا جاتا جس کے سمجھنے کے وہ اہل نہ تھے۔

اس لئے معلوم یہ ہوا کہ محض کفر و شرک بغیر کسی سبب کے معصیت نہیں ہے، اور خود خدا کی خوشنودی یا برہمی یا اس کے اعزاز و توہین کا سوال اس میں پنہاں نہیں ہے۔ اگر کوئی رسول پیدا ہوتا ہے اور وہ کسی قوم کے لئے قوانین وضع کرتا ہے یا کوئی اسلوب حیات متعین کرتا ہے تو اس سے مراد اُس کی یہ ہوتی ہے کہ قوم ان کی پابند ہو کر ترقی کرے۔ محض اُن قوانین کا حفظ کر لینا یا بالکل مادی طور پر رسم و رواج کی طرح اُس اسلوب زندگی پر عامل ہو جانا مفید مدعا نہیں۔ اس لئے اگر کوئی مسلمان باوجود نماز روزہ و دیگر احکام شریعت کی پابندی کے اپنے اندر کوئی معنوی یا روحانی تبدیل پیدا نہیں کرتا اور یہ سمجھتا ہے کہ صرف ان اعمال و شعائر کی پابندی اُس کی نجات کیلئے کافی ہے (جیسا کہ ہمارے علمائے کرام نے اپنے فتادے میں ظاہر کیا ہے) تو میں اس کو بھی شرک و کفر ہی قرار دوں گا۔ اور ایک بدکار بت پرست کے مقابلہ میں اس کو کوئی ترجیح نہیں دے سکتا، کیونکہ ان دونوں کے درمیان سوائے اس کے کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک نے بت پتھر کا بنایا ہے اور دوسرے نے وہم و خیال کا۔ وہ اگر صرف مورت کی پرستش کو انجام مقاصد کا ذریعہ سمجھتا ہے تو یہ صرف نماز روزہ کو اصل ایمان قرار دیتا ہے۔ اُس کا خدا پارۂ سنگ ہے۔ اور اس کا بُت نماز۔

اسیطرح اگر کوئی شخص بُت پرستی کے بعد اعمال حسنہ کا حامل ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسکے اخلاق کی پاکیزگی کو بے نتیجہ و لایعنی چیز قرار دیں۔ اگر یہ نتیجہ اُسکی بت پرستی کا نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ آپ اسکی بُت پرستی کو ایک لایعنی شے کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی حکم لگا سکتے ہیں کہ اگر وہ بُت پرست نہ ہوتا تو بھی چونکہ فطرت کی طرف سے اسکو طبع سلیم عطا ہوئی تھی، اس لئے اسیطرح کا پاکیزہ اخلاق کا انسان ہوتا، لیکن یہ حق آپکو کب حاصل ہے کہ اسکے افعال حسنہ کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ پس اس صورت میں اسلام کا مفہوم بُت پرستی کے علاوہ کچھ اور رہ جاتا ہے، کیا اس صورت میں آپ اسکے قائل نہیں ہوتے کہ اسلام کا مقصود صرف ظاہری مراسم کی پابندی ہے اور کیا قرآن میں اس سے انکار نہیں کیا گیا ہے اسلئے میرے نزدیک اس فتوے کا صحیح جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ:-

"ایک بدکار مسلمان قطعاً ناری ہے کیونکہ وہ کافر و مشرک ہے اور ایک نکوکار برہمن یقیناً ناجی ہے کیونکہ وہ حقیقتاً مسلمان ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ تمام علماء کرام بھی اپنے انجام کے لحاظ سے خطرہ میں ہیں، کیونکہ وہ ایک کافر و مشرک کا ساتھ دینے والے ہیں۔ اور جو خدا کے دشمن کا ساتھ دے وہ خدا کا دشمن ہے اور دشمنِ خدا کا۔ انجام معلوم۔"

نیاز

خواب وخیال

(۱)

بچپن کی معصومیت - جوانی کی شورش اور بڑھاپے کی بے لبسی ضرب المثل ہے - بڑھاپے کا تو مجھے کوئی تجربہ نہیں (اور نہ ہونیکی امید ہے)، مگر ہاں اگر زندگی کے ان تینوں دور کے متعلق عوام کی کہاوت سچ ہے تو مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میرا بچپن بھی نرالا تھا اور جوانی بھی - سننے والے کہہ دیں گے کہ "یہ تو آپ کی نرالی شخصیت کا نتیجہ ہے اور اس کا جو کچھ بھی انجام ہو اُس کے تنہا ذمہ وار آپ خود ہیں" آپ کا کہنا بجا - مگر ذرا گھڑی بھر کے لئے سوچئے تو کہ میں کیا اور میری شخصیت کیا؟ فوق الانسان ہستیوں کے متعلق مجھے کچھ کہنا نہیں ہے لیکن اس دنیائے آب وگل میں آج تک ظلوم وجہول کی نسل میں کوئی ایسا فرد نہیں - جس نے اپنی فردیت یا شخصیت آپ بنائی ہو - بابا آدم تو خاص اُس ہستی کے بنائے ہوئے پُتلے تھے جسنے ایک "کن" میں نہ جانے کتنے عالم بنا ڈالے اور کتنے بگاڑ ڈالے - رہے ہم لوگ سو نہ اپنے پیدا ہونے میں کوئی دخل نہ اپنی زندگی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانیکی قدرت - پیدا کیا نہ جانے کس کارفرما قوت نے - شخصیت بنائی ماحول یا زمانے نے - اور یہ ایک ایسی قوت ہے جو قبل اس کے کہ ہم کو اس پر کوئی قابو ہو ہمکو بنا بگاڑ چکی ہے - پھر بتایئے ہم مجبور نہیں تو مجبور اور کس کو کہتے ہیں - اور ہم پر یہ "مختاری" کی تہمت نہیں تو اور کیا ہے - ہم تو جیسا بنائے گئے بن گئے اب اپنے کردار اور اپنی شاد یا ناشاد زندگی کے ذمہ وار ہم خود کیونکر ہو سکتے ہیں - بحث بیکار طویل ہو گئی - کہنا صرف اس قدر تھا کہ مجھے زندگی کی آب وہوا کچھ راس نہ آئی -

ہاں تو بچپن کا زمانہ بیفکری اور معصومیت کا زمانہ ہوتا ہے - ان دونوں نعمتوں میں سے میں ایک سے بھی لذت آشنا نہ ہو سکا - ہوش سنبھالنے کی نوبت نہیں آئی تھی - کہ ایک عزیز ترین ہستی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور ماں باپ کے ہوتے ہوئے یتیم ہو گیا - یہ پہلا جھٹکا تھا جس نے میرے دل ودماغ کو ہلا کر رکھدیا اور میرے کانوں میں آواز آئی "دیکھ ہو کے سے نیچ بے فکری جیسی کسی چیز کا دُنیا میں وجود نہیں" - مجھے جیسے کسی نے ڈنک مار دیا ہو میں ہوش میں آگیا - بیفکری نہیں تو معصومیت کیسی؟ جب انسان زندگی اور موت کی غرض وغایت پر غور کرنے لگا جب اُس کی عقل ہر چیز کی ماہیت کی اُدھیڑ بُن میں پڑی تو اس کا معصوم رہنا معلوم - ہمارے "مورث اعلےٰ" نے یونہی اپنی معصومیت کھوئی تھی اور ہم بھی اسی طرح کھوتے ہیں -

میرا شعور وقت سے پہلے نشو و نما پا رہا تھا۔ میں کون و فساد اور ''خیر و شر'' جیسے اہم مسائل پر جگر کاوی کرنے لگا تھا اور یقین مانئے تمام نظامِ کائنات کو ایک شیطانی کارخانہ سمجھنے لگا تھا۔ میری عمر تیرہ سال کی تھی۔ اس عمر میں ایسے پیچیدہ خیالات! کچھ بے تکی سی بات ضرور ہے۔ لیکن یہ کوئی معجزہ نہ تھا۔ انگلستان کا مشہور شاعر چیٹرٹن اٹھارہ برس کا ہو کر مر گیا اور اس سے پہلے ''جریدۂ عالم'' پر اپنا نام ثبت کر گیا۔ ''یہ ناکارہ آفت کا مارا اگر ایسے فاسد اور روح فرسا خیالات کی قابلیت رکھتا تھا تو کون سی حیرت کی بات ہے۔ اس کے علاوہ اسی عمر میں مجھکو تعلیم کچھ اس قدر زیادتی کے ساتھ دی گئی تھی کہ مجھ میں غور و فکر کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ انگریزی میں نے حال ہی میں شروع کی تھی اور آٹھویں درجہ میں پڑھتا تھا۔ لیکن عربی اور فارسی میں کافی مہارت حاصل کر چکا تھا۔ ایک طرف ''ایساغوجی''، ''صغریٰ و کبریٰ'' اور فقہ کی کتابیں گھول کر پلا دی گئی تھیں۔ دوسری طرف میری اپنی جولانئ طبیعت سے اردو اور فارسی شعرا کے کارنامے چاٹ گیا تھا۔

(۲)

میں پندرہویں سالگرہ ختم کر چکا تھا۔ نویں جماعت میں پہنچ چکا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہنوز ایک بے شعور طفلِ مکتب تھا۔ لیکن ''بزرگی بعقل است نہ بہ سال'' میں وقت سے پہلے ''بزرگ'' ہوا تھا۔ اور یہ بزرگی نوعیت میں انوکھی تھی۔ سوداویت کا زور تھا۔ مجھے زندگی میں صرف تاریک پہلو نظر آ رہا تھا۔ جس طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھتا تھا موت کھیل رہی تھی۔ کبھی سنتا کہ فلاں آدمی جو کل تک خاصا تندرست تھا چار گھنٹہ بیمار رہ کر مر گیا اور اپنی حسرتیں ساتھ لیتا گیا۔ کبھی خبر آتی کہ فلاں چمار جو ابھی دو روز ہوئے میرے کھیت میں کام کر رہا تھا دفعتاً مفلوج ہو گیا ہے اور پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اس کے بال بچے فاقہ کر رہے ہیں۔ ایک دن ایک بھکاری میرے دروازہ پر آیا۔ التعطیل کا زمانہ تھا۔ میں گھر پر موجود تھا۔ بھکاری نے اپنا سامانِ گداگری زمین پر بےفکری سے ڈال کر اور ایک آہ کھینچ کر کہا:۔

''ہاڑ جرے جیوں لاکڑی کیس جرے جیوں گھاس
سب جگ جرتا دیکھ کے بھئے کبیر اداس''

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ خود میری ساری ہستی جل کر راکھ ہوئی جا رہی ہے۔ میں اپنے کمرہ سے نکل آیا اور پوچھا ''کیوں بابا تم پر کیا ایسی پڑی ہے؟ تم کو کس نے ستایا ہے؟'' معلوم ہوا کہ وہ بھکاری ایک خوشحال کاشتکار تھا۔ ایک ہی طاعون میں اس کا گھر کا گھر صاف ہو گیا۔ ماں۔ بھائی۔ بہن۔ بیوی بچوں میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ اس حادثہ کا یہ اثر ہوا کہ بیچارہ اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور سب کچھ تج کر جوگ لے لیا۔ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ پیٹ سے اب بھی مجبور ہے اور بھیک پر بسر کرتا ہے۔ غرضکہ میں جس کو دیکھتا تھا وہ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا:

"موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے"

لیکن اس سے صرف اس قدر متاثر نہیں ہوتا تھا جس قدر کہ عام لوگ ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ زندگی کا یہ سارا کھٹراگ محض اس لئے پھیلایا گیا ہے کہ موت کو اپنی جولانیاں دکھانیکے لئے پورا میدان ملے اور میرے خیال میں دنیا کی لذتوں اور شادکامیوں کا بھی یہی مصرف تھا کہ وہ ہماری تلخیوں اور ناکامیوں کے احساس کو اور زیادہ تیز کردیں۔

میرے دماغ کی یہ نازک حالت نہ جانے میرا کیا حشر کرتی۔ اگر عین اُسی وقت میری زندگی میں ایک نیا باب نہ کھلتا۔

میری پھوپھی میرے گانوں سے تقریباً چالیس کوس کے فاصلہ پر گونڈہ کے ضلع میں بیاہی ہوئی تھیں سفر کسی قدر دشوار گذار تھا۔ اس لئے وہ بہت کم آیا کرتی تھیں۔ اب تک وہ صرف چار یا پانچ دفعہ آئی تھیں اور پندرہ بیس روز رہ کر چلی گئی تھیں۔ اُن کے ایک لڑکی تھی جس کا نام ریحانہ تھا۔ اُس کی خوبصورتی کا چرچا اکثر ہوا کرتا تھا مگر میرے سرد دل میں اس سے خفیف ترین حرارت بھی نہ پیدا ہوئی تھی۔ اب تک میری پھوپھی جتنی بار ہملوگوں سے ملنے آئی تھیں ریحانہ کو گھر پر چھوڑ آئی تھیں اور مجھے اُس کو دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا اور نہ دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ میں خود اپنے حال میں کچھ اس بُری طرح مبتلا تھا۔

میرے چھوٹے بھائی کی روزہ کشائی تھی۔ جہاں اور لوگوں کو دعوتی رقعے گئے وہاں پھوپھی بھی بلائی گئیں۔ اور میری شامت کہ والد صاحب نے اصرار کے ساتھ لکھ بھیجا کہ ریحانہ کو ابکی بار ضرور ساتھ لانا۔ ریحانہ آئی اور مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ واقعی خوب صورت ہے۔ حالانکہ خوبصورتی کا کوئی خاص معیار میرے ذہن میں نہ تھا۔ لیکن ریحانہ کو دیکھ کر میری الجھن اور بڑھ گئی۔ جب دنیا کا سرانجام پامالی ہو اُس میں ایسی حسین و جمیل چیزیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ دل نے جواب دیا "پامال ہونے کے لئے اگر حسین و جمیل چیزیں نہ ہوں تو پامال کسے کیا جائے؟" برائی کبھی پامال نہیں ہو سکتی۔ برائی تو نام ہے اچھی چیزوں کی پامالی کا" میں نے ریحانہ کو پھر دیکھا اور میری روح مضمحل ہو گئی۔ اس کے بعد میں ریحانہ کو بہت کم دیکھتا تھا۔

یہ بھی میری شامت کہ پھوپھی اس سے پہلے پندرہ بیس روز رہ کر چلی جایا کرتی تھیں۔ لیکن ابکی دفعہ والد نے ان کو تین چار مہینہ کے لئے روک رکھا۔ میں گانوں پر صرف چھٹیوں میں آیا کرتا تھا اس لئے ریحانہ کو بہت کم دیکھنے کا موقع ملتا تھا اور میں خوش تھا کہ اُس سے قریب نہیں ہوں۔ مگر جب کبھی میرا اُس کا سامنا ہوتا تو میں ایسا محسوس کرتا کہ اس کی نگاہیں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔

اسی درمیان میں گرمی کی تعطیل آگئی اور مجھ کو دو مہینہ کے لئے گانوں پر رہ جانا پڑا۔ اس دوران میں جو کچھ ہوا وہ میرے لئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ریحانہ نگاہوں سے میرا پیچھا کر رہی تھی۔ میں

اس سے پہلے بے خبر نہ تھا گو بے حس ضرور تھا۔ میرے دل پر اُس کی نگاہوں کا کوئی اثر نہ تھا۔ مگر ایک دن اور وہ بھی چند لمحوں میں میری دنیا میں جو تبدیلیاں ہو گئیں وہ کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہر طرف لوگ اپنی اپنی جگہ آرام کر رہے تھے۔ ہوا رکی ہوئی تھی۔ میں اپنے کمرہ میں پسینہ میں تر اور ابن یمین کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کمرہ کا ایک دروازہ مکان کے اندرونی حصہ میں کھلتا تھا۔ خلاف معمول دروازہ کو حرکت ہوئی۔ میں مڑا کہ دیکھوں کون ہے۔ اتنے میں ریحانہ میرے پاس تھی۔ میں اپنے خیال کو اچھی طرح اُس کی طرف منتقل بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس نے مسکرا کر پوچھا "کہو کیا پڑھ رہے ہو؟ تم کو تو دن رات کتابوں سے کام رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اور بھی مخبوط ہوتے جا رہے ہو۔ دنیا میں دن رات پڑھنے اور سوچنے کے علاوہ اور بھی کام ہیں جو اس سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں؟"
ریحانہ اگرچہ جاہل مطلق تھی لیکن نہایت چالاک اور پُرکار تھی۔ وہ مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔ اُس کی ملامت بیکار نہیں گئی۔ میں نے کتاب کو بند کر کے رکھ دیا اور بغیر کچھ سوچے سمجھے پوچھا "وہ کون سے کام ہیں؟ مجھے تو اور کوئی کام ایسا نظر نہیں آتا جو پڑھنے لکھنے سے زیادہ دلچسپ ہو، پڑھنا لکھنا بھی ایسی پُرآشوب دنیا میں ایک بے معنی مشغلہ ہے لیکن چونکہ انسان کو تھوڑی دیر کے لئے غم غلط کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے اس کو غنیمت سمجھتا ہوں۔"

ریحانہ پر میرے آخری جملوں کا شاید کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس نے ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی جب اطمینان ہو گیا کہ ہماری گفتگو کوئی دوسرا نہیں سن سکتا تو اُس نے اپنے کو آدھے جسم سے میری طرف جھکا کر کہا "بتادوں کہ وہ کون سا کام ہے؟" میں کسی قدر گھبرا گیا۔ اُس کے حرکات و سکنات میرے لئے غیر مانوس تھے لیکن میں نے حواس کو درست کر کے کہا۔ "ہاں بتاؤ۔"

ریحانہ نے میرا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر پیار کے لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "دیکھو ہر وقت خواہ مخواہ تم اپنی جان گھلاتے رہتے ہو۔ اگر میرا تمہارا کچھ مدت کے لئے ساتھ ہو جائے۔ تو میں تمہاری یہ عادت بڑے مزے سے چھڑا دوں۔" اتنا کہکر وہ رک گئی اور اپنی مخمور آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کے چہرہ کی سرخی بڑھ رہی ہے۔ میں بھی اپنے اندر ایک خفیف سی لرزش پا رہا تھا۔ غالباً میرے خون کا دوران بھی تیز ہو رہا تھا۔ ریحانہ نے تبسم کرتے ہوئے کہا "تم پوچھنا چاہتے ہو کیسے یہ عادت چھوٹ سکتی ہے؟ وہ اس طرح" میں نہ سمجھ سکا کہ کیا ہوا۔ میں ایک نئی لذت پا گیا۔ ریحانہ نے میرے ہونٹ اس طرح چوسے کہ ہونٹ دکھنے لگے اور چند لمحوں میں میری اندھیری دنیا میں ایک روشنی سی پھیل گئی۔ دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی کہ یہ لمحے ابھی جاری رہیں۔ مگر ریحانہ یہ کہکر چلی گئی "دنیا میں محبت بھی کوئی چیز ہے۔ اس کا بھی تجربہ کرو بڑی راحت پاؤ گے" کم از کم اس وقت وہ ایک فرشتہ معلوم ہو رہی تھی جو نجات کی بشارت لے کر آیا ہو۔ اس کے بعد سارا دن میرا سرور میں گذرا۔ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے یہ سرور محسوس کیا تھا۔ میں نے ٹھان لیا کہ "ہاں محبت کا ضرور تجربہ کروں گا۔" اور یقین ہو گیا تھا کہ زندگی میں راحت اگر مل سکتی ہے

تو محبت کے ذریعہ سے۔

"اسی رات کو ریحانہ پھر مجھ سے ملی اور پوچھا "کیوں میری باتوں پر کچھ غور بھی کیا؟" جناب میری زبان پر تھا "ہاں ریحانہ میں محبت کروں گا"۔ ریحانہ نے اپنی فتح پر نازاں ہو کر پوچھا "سچ؟" اور پھر میرا منھ چوم کر چلی گئی۔ اس طرح کے کئی دن اور کئی راتیں گذریں۔ اور آخر کار پھوپھی کے رخصت ہونے کی بھی تاریخ آگئی۔ ریحانہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں اپنی دنیا میں پھر ایک تاریک خلا محسوس کرنے لگا۔ لیکن اب مجھے ایک نئی چیز مل گئی تھی جو خوش آیند معلوم ہو رہی تھی۔ میں اس سے اب محروم ہو کر جی نہیں سکتا تھا۔

تعطیل ختم ہو گئی۔ میں انٹرنس میں آیا۔ اب میرا معمول یہ تھا کہ اگر دو چار روز کی چھٹی ہوتی تو بجائے گھر جانے کے پھوپھی سے ملنے جاتا۔ ریحانہ میری گرویدگی سے دل ہی دل میں لطف اٹھا رہی تھی اور ہر طرح سے مجھے زیادہ مبہوت کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور روز بروز میں زیادہ مبہوت بھی ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے کسی چیز کا بھی ہوش نہ رہا۔ ریحانہ بھی میری ہر تمنا پوری کر رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے تعلقات اس حد تک پہونچ گئے۔ جہاں تک نہ پہنچنا چاہیئے تھا۔ عزیز واقارب پر بھی یہ راز ظاہر ہو گیا اور مصلحت اندیشی نے مجھکو مجبور کیا کہ میں بہت زیادہ ریحانہ سے نہ ملا کروں۔ اس کا میرے قلب پر کیا اثر پڑ رہا تھا میں بیان نہیں کر سکتا۔ ریحانہ کے دل کی کیفیت صحیح طور پر مجھے معلوم نہیں شاید اس پر کوئی اثر نہ تھا۔ میرا جی کتابوں سے بھی اُچاٹ رہنے لگا تھا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کروں۔ اب تک کتابیں غمخواری کیا کرتی تھیں۔ اب دل بہلانے کی یہ بھی صورت نہیں رہی۔

(۳)

اپنی مصلحت اندیشی پر بھی میں کبھی کبھی ریحانہ سے مل ہی آیا کرتا تھا۔ ریحانہ میں وہ تڑپ وہ کرب و اضطراب نہ تھا جو میری زندگی کا ماحصل ہو کر رہ گیا تھا۔ میں اس کو محسوس کرتا تھا۔ مگر پھر اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دے لیتا تھا کہ شاید یہ مرد اور عورت کا فرق ہو۔ میں انٹرنس پاس کر چکا تھا۔ اُستادوں کی امیدیں جھوٹی ثابت ہو چکی تھیں۔ ان کو پورا یقین تھا کہ مجھے اول درجہ ملے گا اور ملا مجھکو دوئم درجہ۔ جو طالب علم دن رات ایسی اُلجھنوں میں سر کھپاتا رہے۔ جن کو علمی مشغلہ سے کوئی تعلق نہ ہو اُس کا امتحان میں کامیاب ہی ہو جانا معجزات سے ہے! اول درجہ پانا تو خدائی پا جانے سے کم نہیں۔

کالج کی نئی دلچسپیاں شروع ہو گئیں۔ مجھکو ایک طرف منطق سے اور دوسری طرف شاعری سے خاص دلچسپی تھی۔ میں شاعری اور منطق یا فلسفہ میں کوئی تقابل نہیں محسوس کرتا تھا۔ میرے خیال میں اگر منطق، فلسفہ اور سائنس کو جذبات سے مملو کر دیا جائے تو یہی چیزیں شاعری ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ان مباحث پر مجھے کالج کی لائبریری میں جو کتاب مل جاتی۔ اُس کو انہماک سے پڑھتا تھا۔ اس طرح چھ مہینے گذر گئے۔

میرا ششماہی امتحان ختم ہوچکا تھا۔ میں ہر چیز میں اول آیا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں خوش تھا عین اُسی زمانہ میں مجھے خبر ملی کہ ریحانہ لکھنؤ کے کسی متمول تعلیم یافتہ خاندان میں منسوب ہوگئی ہے۔ اور آٹھ دس مہینہ میں نکاح ہوجانے والا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ مجھے کسی نے کہیں ایسی اندھیری فضا میں پھینک دیا ہے جہاں کچھ نہیں ہے اور اگر ہے تو اُس کو میں پا نہیں سکتا۔

تین دن کی چھٹی تھی۔ میں ایک ڈوبتا ہوا دل لے کر پھوپھی کے وہاں گیا۔ سب سے مجھکو خوشی کا اظہار کرنا پڑا۔ لیکن میں دراصل ریحانہ سے دو باتیں کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ شام کو کہیں جا کر مجھے اُس کا موقع ملا۔ میں اُس کو گہری نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ اُس نے میری نگاہوں سے تجاہل کیا۔ میں نے اُس کو محسوس کر کے اپنی آنکھیں ہٹالیں۔ ریحانہ نے پھر میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے اور کہا "بس میرا تمہارا یہیں تک ساتھ تھا ہم کو اب اس محبت کو ضرورت سے زیادہ طوالت نہیں دینا چاہئے۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا وہ صرف اس لئے کہ تمہارے اندر ایک رگ بیکار پڑی سو رہی تھی۔ میں نے اس کو بیدار کر دیا۔ اب میں دوسرے کی ہونے والی ہوں تم بھی کسی دوسرے کے ہو رہو۔ .... ہاں مجھے یہ سن کر بڑا اطمینان ہوا کہ مجھے خوبصورت شوہر مل رہا ہے۔ ورنہ شاید میری زندگی وبال ہو جاتی"۔ ریحانہ کا پُرسکون لہجہ مجھے اور بھی جلائے ڈال رہا تھا۔ مجھے اپنی عزت نفس کا احساس ہوا اور میں نے دل کی میٹھوں کو دل ہی دل میں چھپا ڈالا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ ریحانہ کو مجھ سے محبت نہیں تھی اور اگر تھی تو محبت بھی اور چیزوں کی طرح ایک دھوکا ہے جو قائم نہیں رہ سکتا"۔ میں نے بھی ایک مصنوعی بے کیف لہجہ میں کہا۔ "اچھا جاؤ۔ میری دعا ہے کہ "بہار ہوکے رہو جس چمن میں رہو"۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا یہ دعا تھی یا بددعا۔ لیکن اس قدر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا اُس میں طنز ضرور تھا۔ ریحانہ نے چاہے اُس کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

میرے پُرانے معتقدات اور نظریات نے پھر مجھ پر غلبہ کرنا شروع کیا اور میں اب اُن پر پہلے سے زیادہ وثوق کے ساتھ ایمان لایا۔ زندگی واقعی ایک بلا ہے جو بلاوجہ آدم اور اُن کی اولاد پر نازل کی گئی ہے عزازیل کو آدم کے ساتھ ازلی کی دشمنی تھی۔ شاید یہ زندگی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ میرا دماغی ہیجان یقیناً مجھے مار ڈالتا یا میں خودکشی کر لیتا اگر اس زمانہ میں میں کتاب کا کیڑا نہ ہوگیا ہوتا۔ کتابوں نے پھر مجھے بچا لیا۔

(۴)

الف اے میں مجھے شوپنہار کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ جرمنی کے اس شاعر فلسفی کو میں نے اپنے مزاج کے موافق پایا۔ میں اُس کو اپنا ہمدرد سمجھنے لگا۔ اُس کا یہ خیال کہ ہستی کا ذمہ دار ایک "اندھا" ارادہ ہے

جس کو دنیا "مشیت ایزدی" کہتی ہے۔ میرے دل میں بیٹھ گیا۔ شوپنہار زندگی کو گناہ سمجھتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ شاعری۔ مذہب اور محبت زندگی کے دکھ میں بہت کچھ تخفیف کئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ تینوں چیزیں نہ ہوتیں تو یقیناً خودکشی ہی سے انسان کی نجات ہوتی۔ یہاں مجھے شوپنہار سے اختلاف تھا۔ شاعری۔ مذہب یا تصوف کو تو میں انسان کی خودفریبی سمجھنے لگا تھا۔ انسان نے جب دیکھا کہ کسی اور صورت سے چین نہیں ملتا تو اپنی بے چینیوں سے جھوٹی لذتیں حاصل کرنے لگا۔ جب دیکھا کہ دنیا میں سوا "نفوس" و "اموال" کے نقصان کے اور کچھ نہیں ہے تو "ان اللہ مع الصابرین" کہہ کر تسکین حاصل کرنا چاہی۔ ذرا پوچھیے کہ اللہ آپ کے ساتھ ہو یا نہ ہو آپ صبر نہیں کرینگے تو اور کیا کریں گے۔

رہی محبت سو اُس کے متعلق ممکن ہے میں شوپنہار کا قول تسلیم کر لیتا اگر خود میرا تجربہ مجھکو یہ نہ بتا چکا ہوتا کہ :۔

"بعالم ہر کجا درد وغمے بود ۔۔۔ بہم کردند و عشقش نام کردند"

محبت کی تلخی کو میں نے اور تلخیوں سے کہیں زیادہ ناقابل برداشت پایا۔ لیکن پھر بھی شوپنہار کا خیال میرے لئے پُرکیف ضرور تھا۔ میں اپنے اندر ایک غیر واضح تمنا پا رہا تھا اور اس تمنا کو محبت کی تمنا کہہ سکتا تھا۔ باوجود اس کے کہ میں بے انتہا افسردہ اور سرد دل ہو چکا تھا۔

کثرت مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ایف اے میں اول آیا۔ میری عمر تقریباً انیس سال کی تھی۔ اب میرے لئے ایک نئی راہ نکلی گذشتہ دو سال میں میری صحت بہت کچھ خراب ہو چکی تھی۔ میرا معدہ بُری طرح خراب رہنے لگا تھا۔ والدین ہر طرح کا علاج کر کے تھک گئے تھے۔ آخرکار والد کی رائے ہوئی کہ مجھے لکھنؤ کے طبیبوں کو دکھایا جاوے۔ لکھنؤ میں میرے ایک رشتہ کے چچا کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ اُن کی عمر کوئی تیس سال کی تھی۔ ان کا نام ابوطاہر تھا۔ اُنھوں نے حال میں ایک اعلےٰ خاندان کی مہذب اور تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کی تھی جو زیادہ سے زیادہ دو سال مجھ سے بڑی رہی ہوگی۔

جب زمانہ کو کوئی نئی چال چلنا ہوتی ہے تو وہ اُس کے لئے صورتیں بھی خوب نکال لیتا ہے۔ والد مجھے لکھنؤ لے گئے اور ابوطاہر صاحب کے مکان پر ٹھہرے (میں ابوطاہر صاحب کو صرف اُن کے منھ پر چچا کہا کرتا تھا) مجھے چند گھنٹوں میں معلوم ہو گیا کہ ابوطاہر صاحب ایک خوش باش بے فکر قسم کے آدمی ہیں اور کسی کے دکھ درد سے واقعی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ اُن کو یہ مغالطہ تھا کہ اُن کا دل بڑا دردمند ہے۔

میرا معالجہ شروع ہو گیا۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجھے فائدہ ہو رہا تھا۔ ابوطاہر صاحب میری پوری خاطرداری کرتے تھے مگر مجھکو نہ جانے کیوں اُن سے کوئی اُنس پیدا نہ ہو سکا۔ ثریا (میری چچی) البتہ میرے خیال کا مرکز بن رہی تھی۔ میں ثریا کو ہر لحاظ سے ابوطاہر صاحب کی ضد محسوس کر رہا تھا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ

یہ اتحاد زندگی کچھ بے جوڑ سا ہے۔ ثریا سے میری پہلے کی کبھی ملاقات نہ تھی۔ مگر اُس نے اس اہل دلی اور جاں نثاری کے ساتھ میری تیمارداری کی کہ میں اُس سے کوئی اجنبیت نہ محسوس کرنے پایا۔

ثریا کو میری طبیعت کا اندازہ پہلے سے تھا۔ میری سوداویت اور قنوطیت (PESSIMISM) کی خبر مجھ سے پہلے اُس تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے چند دنوں کی کوشش میں میرے دل کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں لیلیا۔ میں بہت جلد چنگا ہو گیا۔ اور اب کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا کہ اگر کہیں میری زندگی کسی ایسی عورت کے ساتھ گذرتی تو شاید کچھ دن مزے سے کٹ جاتے۔ ثریا اور ریحانہ کا مقابلہ کرتا تھا تو دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ثریا صورت کے لحاظ سے ریحانہ کی شاید پاسنگ بھی نہ رہی ہو۔ لیکن اُس کی نگاہوں میں دلربائی نہیں بلکہ خلوص و محبت کا جادو تھا۔ اُس کے حرکات و سکنات میں ایک وقار تھا جس کو میں "صداقت کا وقار" کہوں گا۔ اُسکی آہستہ خرامی اور آہستہ کلامی میں ایک مسکن قوت تھی جو دھڑکتے ہوئے دلوں میں سکون پیدا کر سکتی تھی۔ وہ جب باتیں کرتی تو مجھے معلوم ہوتا کہ نیند آ رہی ہے۔ اور میں چاہتا کہ وہ یوں ہی باتیں کرتی رہے۔ ثریا کی گود میں کوئی دو سال کا لڑکا تھا۔ اس پر بھی وہ چوبیس گھنٹہ میں کم از کم آٹھ گھنٹہ ضرور میرے پاس رہتی اور طرح طرح سے میری دلدہی کرتی۔ کبھی کوئی افسانہ پڑھکر سُناتی۔ کبھی زبانی اشعار سُناتی۔ فارسی اور اُردو شاعری میں اُس کا مذاق نہایت شستہ تھا۔ کبھی خود میرا لکھا ہوا کوئی مضمون پڑھتی اور ہنس ہنس کر اُس پر ہلکی ہلکی تنقید کرتی۔ مختصر یہ کہ روز اول سے اُس کو میرے ساتھ جو لگاؤ ہوا اُس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ ثریا کو اگر مجھ سے محبت نہیں تو ہمدردی ضرور ہے اور مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہ تھی۔

میں اب بالکل تندرست تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ طبیبوں کا اعجاز تھا یا ثریا کا۔ والد نے گھر واپس ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ ثریا کے چھوٹنے کے خیال سے میری روح کو تکلیف ہو رہی تھی۔ ثریا بھی مضمحل نظر آ رہی تھی ایسے نازک وقت میں ابو طاہر صاحب نے جو نئی رائے دی اُس کے لئے مجھے اپنے دل میں ان کا ممنون ہونا پڑا۔ انھوں نے والد سے کہا: "میری رائے میں بہتر یہ ہوگا کہ اب نسیم بی۔ اے یہیں کالج میں پڑھیں اور فلسفہ میں آنرز کریں۔" ثریا نے فوراً کہا "ہاں اور یہاں اُنکی پژمردہ دلی بھی دور ہو جائے گی۔ یہ نہ جانے ہر دم کن خیالات میں کھوئے سے رہتے ہیں میں ان کو درا راستہ پر لے آؤں گی۔" یہ کہکر اس نے میری طرف دیکھا اور ہنس دی۔ میں بھی ہنس دیا لیکن مجھے فوراً یاد آیا کہ ریحانہ نے بھی یہی کہا تھا۔ میں اپنے آئندہ سے تھوڑی دیر کے لئے گھبرانے لگا۔ مگر ثریا کی صورت صداقت و محبت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دل سے اندیشہ کو نکال دیا۔

والد مجھے لیکر گھر واپس آ گئے۔ پندرہ بیس دن میں مجھے اپنا پورا سامان درست کر کے لکھنؤ چلا جانا تھا یہ مدت کاٹے نہیں کٹتی تھی۔ بڑی مشکل سے خیر وہ دن آیا کہ میں پھر ثریا کے پاس پہنچ گیا۔ اس جگہ یہ بتا دینا

چاہتا ہوں کہ میں نے صرف چند ماہ تک ثریا کو رسماً چچی کہا۔ اُسکے بعد مجھے حق مل گیا کہ اُس کو اُسکے دلکش نام سے مخاطب کیا کروں اور پھر میں اُس کو تنہائی میں ثریا کہکر پکارا کرتا تھا۔

(۵)

یوں تو ثریا کو جب میں نے پہلی بار دیکھا میری روح نے اُس سے کچھ ایسے نقوش قبول کرلئے تھے جو قطعاً غیر فانی تھے۔ لیکن دن رات کی صحبت نے میری تمام ہستی کو اُس کی ملکیت بنا رکھا تھا وہ جس وقت جو چاہتی مجھ سے کرالیتی۔ وہ اپنی پوری توجہ اس بات پر صرف کر رہی تھی کہ میری وحشت اور اندرونی شورش دور ہو جائے۔ اسکے لئے وہ ایسی ایسی تدبیریں اختیار کرتی رہی جو بدترین دہریہ میں ایک انقلاب پیدا کرسکتی تھیں۔ اُس نے کبھی مجھ سے پُرزور لہجہ میں اختلاف نہیں کیا بلکہ جو کچھ سمجھانا ہوتا وہ اس پیرایہ میں سمجھاتی کہ چاہے میں سمجھتا یا نہ سمجھتا کم از کم اُسپر ظاہر کردیتا کہ سمجھ گیا۔

میری گرویدگی بڑھ رہی تھی۔ میں نے ابھی تک اس کا اظہار کھلے الفاظ میں نہیں کیا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ خیال مجھ پر قابو پانے لگا کہ ثریا کو حقیقتِ حال سے آگاہ نہ کرنا دغابازی ہے۔ مجھے اُس کو ایک بار اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ ضرور کردینا چاہیئے۔ اگر اُس کو میری محبت ناگوار ہے تو میں اس کو چھوڑ دینے کی کوشش کروں گا۔ ایک دن کالج سے واپس آیا۔ نومبر کا مہینہ تھا۔ ثریا برآمدہ میں بیٹھی انگیٹھی پر چاء تیار کر رہی تھی۔ دوسری طرف برآمدہ میں ماما لڑکے کو کھلا رہی تھی۔ میں کتابوں کو اپنے کمرہ میں رکھ کر سیدھا ثریا کے پاس گیا۔ اُس نے اپنا مسکراتا ہوا چہرہ اُٹھایا اور مجھے دیکھکر کہنے لگی "کیوں کچھ پریشان سے معلوم ہو رہے ہو؟ کچھ طبیعت خراب ہے یا یونہی حسب معمول وحشت کا دورہ ہے؟" میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور کہا "چچی میں کئی دن سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں اور بغیر کہے رہ بھی نہیں سکتا۔ سُن لو اور للّٰہ - اگر وہ بات معیوب ہو تو مجھکو معصوم سمجھ کر معاف کردینا میں پھر اس کا تذکرہ بھی نہ کروں گا"

ثریا نے میرا دامن پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھالیا اور پوچھا "کیوں خیر تو ہے؟ وہ کونسی ایسی بات ہے جسکو تم مجھ سے کہتے ہوئے ڈرتے ہو اور جس کو مجھ سے اس التجا اور آرزومندی کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہو؟ تمہاری صورت بیکسی کا اظہار کیوں کر رہی ہے؟ کیا مجھ سے تمکو کوئی صدمہ پہنچا ہے؟"

میں نے کہا "نہیں نہیں۔ مگر میں تم سے محبت کرتا ہوں اور شاید بُرا کرتا ہوں" یہ کہکر میں نے اپنا منھ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔ ثریا نے میرے ہاتھ ہٹادئے اور میرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولی "کیوں بُرائیوں کرتے ہو؟ کیا محبت کوئی گناہ ہے؟" میں نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا "ہاں گناہ ہے۔ یہ زندگی ہی گناہ ہے۔

اسکی ہر چیز گناہ ہے۔" ثریا نے میرا سر اوپر اُٹھایا اور بولی " دیکھو پھر تم اپنی پُرانی روش پر چل نکلے۔ میں تمہاری طبیعت نہیں بدل سکتی اور نہ بدلنا چاہتی تھی مگر ہر بات کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ تم سے کس نے کہا محبت گناہ ہے۔ تم اس کو کیا جانو۔" میں نے اس سے ریحانہ کا واقعہ بیان کر دیا۔

ثریا نے مجھکو ملامت نہیں کی۔ اُس نے کہا " تو تم کو محبت کا تجربہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ میں ریحانہ سے واقف نہیں ہوں۔ مگر اتنا جان گئی کہ وہ دل والی عورت نہیں ہے۔ وہ محبت نہیں کر سکتی۔ ورنہ وہ دوسرے کی بیوی ہو کر بھی تمہاری محبت کر سکتی تھی۔ محبت ایک لطیف اور پاکیزہ جذبہ ہے۔ جسکو دنیا کی کثافتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ خیر یہ جان کر مجھے بڑی راحت ملی کہ تم محبت کر سکتے ہو اور میری محبت کرتے ہو۔ میں تو تم کو ایک بیدل جانور سمجھتی تھی۔ میں خود تمہاری جیسی محبت کرتی ہوں اُس کو میرا دل جانتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر تمہاری ایک انگلی دُکھ جائے تو میں اپنا دل دکھانے کے لئے تیار ہو جاتی ہوں۔ نہ جانے کونسی ادا تمہاری مجھ پر کارگر ہو گئی۔ شاید تمہارا مُرجھایا ہوا چہرہ اور کملائی ہوئی روح۔ تم چاہے مانو یا نہ مانو لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر جیسا کہ تم کہتے ہو یہ دنیا واقعی دل جلوں کی ایک انجمن ہے تو اس میں محبت ہی ایسی چیز ہے جو ہماری سوزش کو کم کئے ہوئے ہے۔ اس درد کو تم کیا جانو۔ اس کو صوفیوں سے پوچھو، سادھوؤں سے پوچھو جو تمہاری طرح ہر وقت عالم محسوسات میں کھوئے نہیں رہتے۔"

مینے ثریا کی باتوں میں بڑا سکون پایا۔ لیکن ایک بات سے اختلاف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں نے کہا " یہ دیکھتے ہوئے کہ عالم محسوسات ایسا پُر آشوب اور المناک ہے۔ میں اس سے ایک لمحہ کے لئے تجاہل کرنا بے حمیتی اور کمزوری کی دلیل سمجھتا ہوں۔" ثریا اس کا جواب نہ دے سکی۔ ابو طاہر صاحب آتے ہوئے دکھائی دئے۔ ثریا نے کہا: " اب ذرا ٹھہر کر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

ہم لوگ چائے پی چکے۔ ابو طاہر صاحب کلب چلے گئے۔ ثریا نے اس کے بعد ایسی پیاری پیاری باتیں کیں کہ بے ساختہ جی چاہتا تھا " اپنا دین" چھوڑ کر اُس کا مُرید ہو جاؤں۔ اُس کا یہ کہنا کہ محبت انسان کے دکھ میں بھی ایک خاص لذت پیدا کر دیتی ہے۔ اور دل وجگر کی جراحتیں اُس کے لئے سرمایۂ راحت بن جاتی ہیں۔ نہ جانے کون سا جادو تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ثریا نے آنسو پونچھکر اور میری پیشانی چوم کر کہا " یہ کیا؟" میں نے کہا " کچھ نہیں اپنی شامت پر روتا ہوں۔ دیکھو مستقبل میرا کیا رنگ لاتا ہے۔" ثریا نے کہا " ان توہمات کو دل سے دور کرو ہم ایک دوسرے کی محبت کریں گے اور سب کچھ بھول جائیں گے۔ تم نے کبھی حافظ کے ان اشعار پر غور کیا ہے۔

بلبلِ برگِ گلِ خوش رنگ در منقار داشت — واندراں برگ و نوا صد نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست — گفت مارا جلوۂ معشوق برایں کار داشت

دیکھو محبت ایسی چیز ہوتی ہے۔ اس کا پہلا سبق تسلیم و رضا ہے۔ درد کے ہوتے ہوئے اُس کی ٹیسوں کو نہ محسوس کرنیکی یہی ایک صورت ہے۔ تم انسان ہو کر اُس بلبل کی ہمسری بھی نہیں کر سکتے؟" ثریا تصوف بک رہی تھی۔ میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا؟ نہ جانے کیوں اُس کی صورت دیکھ دیکھ کر طبیعت اُمڈی چلی آ رہی تھی اور میں رو رہا تھا ثریا نے تھوڑی دیر کے لئے مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ میں جب خوب رو لیا تو اُس نے پوچھا "محبت کا اظہار کرنے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ میں بھی تم کو چاہتی ہوں کیا تمہاری بیچینیوں میں کمی نہیں ہوئی؟" میں نے کہا "ہاں بہت کمی ہوئی اور میری دعا یہ ہے کہ تم کو اس کا اجر جمیل ملے"

ثریا میرا جی بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے حال ہی میں ایک افسانہ "شعبدہ روزگار" کے عنوان سے لکھا تھا جو ایک مقتدر اردو رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ افسانہ پر شوپنہاری فلسفہ کا رنگ غالب تھا۔ ثریا مجھ سے ایک روز پہلے اس پر بحث کر چکی تھی۔ اُسکی رائے میں افسانہ کا پلاٹ اور اسلوب کچھ اس قدر پر اثر تھا کہ بڑے سے بڑے راسخ الاعتقاد کو اپنے عقیدہ سے منحرف کر سکتا تھا۔ لیکن ثریا اس کو "دلفریب توہمات" سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ آج اُس نے پھر اُسی افسانہ کا حوالہ دے کر کہا "تم نے اپنی پوری کوشش اسی بات پر صرف کر دی ہے کہ محبت کو دنیا کے اور واقعات کی طرح ایک شعبدہ ثابت کر دکھاؤ اور تم اس میں کامیاب بھی خوب ہوئے ہو۔ تمہارے قلم میں زور ہے۔ دماغ میں قوت ہے۔ جو چاہو سوچو۔ جو چاہو لکھو۔ نہ جانے کتنے اس افسانہ کو پڑھ کر گمراہ ہو جائیں گے لیکن میں اپنے عقیدہ میں پکی ہوں۔ میں نے رات کو اپنے دماغ پر بڑا زور دیا اور ساری رات جاگنے کے بعد تمہارے افسانہ کے جواب میں یہ شعر کہہ پائی۔

اپنی تاثیر کھو نہیں سکتی،
ہاں وفا خاک ہو نہیں سکتی،

میں تمہارا سا استدلال اور زور بیان کہاں سے لاؤں۔ مگر تسلیم دنیا کی ساری چیز خاک ہو تو ہو محبت کو خاک سمجھنا بدترین گناہ ہے۔"

مجھے معلوم تھا کہ ثریا کبھی کبھی کھیل میں شعر کہہ لیا کرتی ہے۔ اُس نے اکثر مجھے اپنے اشعار سُنائے تھے۔ اشعار میں تغزل ہوا کرتا تھا۔ مگر اس شعر نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ نفسیات میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ جب انسان پر جذباتی کیفیت طاری ہو اُسوقت اُس میں ایمان و ایقان کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ کم از کم اسوقت تو میں ثریا کا ہم اعتقاد تھا۔ اسکا شعر میرے لئے نوید زندگی تھا۔

(۷)

ثریا کے ساتھ میری زندگی کے بہترین لمحے گذرے ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ میری زندگی صرف انہیں لمحوں پر مشتمل ہے۔ جس زندگی کو میں عذاب سمجھتا تھا اس کو ثریا کی دلنوازیوں نے عین سکون بنا دیا۔ روز بروز میں

میں اس میں محو ہوتا گیا اور وہ مجھ میں۔ میرا اُس کا چولی دامن کا ساتھ رہنے لگا۔ تعطیلوں میں تو قریب قریب دن دن بھر ایک ساتھ گذرتا۔ ورنہ صبح سے دس بجے دن تک اور چار بجے شام سے دس بجے رات تک ہم کسی نہ کسی بہانہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔ مجھے اُس کے بچے سے بڑا اُنس ہو گیا تھا۔ جب ثریا کے قریب نہ رہ سکتا تو اُس کے بچہ سے دل بہلایا کرتا۔

ہماری یہ گرویدگی لوگوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ ابوطاہر صاحب دل ہی دل میں سمجھ رہے تھے مگر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ گھر کی ماماؤں میں بھی سرگوشیاں ہوا کرتی تھیں۔ میرے ماں باپ کو بھی معلوم ہو گیا۔ اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے سال بھر کے عرصہ میں صرف ایک تعطیل گھر پر گذاری تھی۔ اور جب گرمیوں کی لمبی تعطیل ہوئی تو مشکل سے ایک مہینہ گھر پر رہا اور پھر لکھنؤ بھاگ آیا۔ میں پھر متفکر ہو رہا تھا۔ میں اب یہ سوچ رہا تھا کہ دنیا کے رسم و رواج سے بیگانگی اختیار کرکے کب تک اس طرح گذارا جائے گا۔ ثریا یہ کہکر مجھے اطمینان دلا رہی تھی "بیکار دل نہ دکھاؤ۔ ہم کوئی گناہ نہیں کر رہے ہیں۔ اپنا ضمیر صاف رہنا چاہیئے۔ دنیا جو سمجھے سمجھنے دو۔ لوگ جو آوازے کسیں کسنے دو۔ دنیا اور دنیا والوں کا کام یہی ہے"۔ لیکن میرے اطمینان میں خلل پڑ چکا تھا۔

(۷)

بی۔ اے کا دوسرا سال شروع تھا۔ اگست کا مہینہ تھا۔ ایک دن شام کے وقت احسن جو میرا ہم جماعت تھا اور فلسفہ میں آنرز لئے ہوئے تھا مجھ سے ملنے آیا۔ کالج کیا سارے لکھنؤ میں یہی ایک شخص تھا جسکو میں اپنا دوست کہہ سکتا ہوں۔ اور جب سے میں روز کسی نہ کسی وقت ضرور مل لیتا تھا۔ ورنہ میں اپنے کلاس میں یا شہر میں کسی دوسرے کو جانتا بھی نہ تھا۔ احسن کو بھی میری طرح ادب و فلسفہ سے بڑا اُنس تھا۔ اور اکثر لحاظ سے وہ مجھ پر فوقیت رکھتا تھا۔ لیکن ہم دونوں کی طبیعت میں فرق بھی بڑا تھا۔ ثریا کی طرح اُس کے خمیر میں بھی تصوف کی زیادتی تھی۔ دنیا کے حوادث سے وہ جلد اثر نہیں قبول کرتا تھا۔ وہ دنیا اور دنیا کی تلخیوں کو اس قابل نہ سمجھتا تھا کہ اُن پر کوئی اپنا دل دکھائے۔ وہ بڑی سی بڑی مصیبت کو یہ کہکر ٹال دیتا تھا:۔

"درست اگر نگری سیمیا و نیرنگ است نشاطِ مجلس ناہید و فتنۂ قمری"

باوجود اس اختلاف مزاج کے ہم ایک دوسرے کے رفیق تھے۔ شاید کسی کا یہ کہنا غلط نہیں کہ ہر چیز اپنی ضد کی طرف مائل ہوتی ہے۔ جس بات نے اس کی قدر میرے ذہن میں بڑھا دی تھی وہ یہ تھی کہ اُس کو عشق کی دولت نصیب تھی۔ وہ اپنی ایک رشتہ کی بہن کو چاہتا تھا۔ جس کا نام شاہدہ تھا۔ شاہدہ کی شادی ہو گئی تھی اور احسن اب بھی اُس کو اسی محویت اور وارفتگی کے ساتھ چاہتا تھا۔ شاہدہ بھی احسن کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ احسن کہا کرتا تھا "میرے سکون قلب کیلئے اتنا کافی ہے کہ جس دنیا میں میں ہوں اُسی میں شاہدہ بھی ہے اور میری محبت کرتی ہے۔"

زمانہ کی کج رفتاری دیکھیے کہ لکھنؤ میں طاعون پھیلا اور ثریا ہدہ کو اس کی نذر ہونا پڑا۔ احسن کچھ دنوں تک اس حقیقت کو سمجھ بھی نہ سکا۔ یہ سخت اور اچانک دھکا تھا۔ لیکن میں اُس کے دل ودماغ کی قوت دیکھکر دنگ رہ گیا کہ دو مہینے کے اندر وہ اپنے درد پر قابو پا گیا اور ایسے اندوہناک حادثہ کے بعد بھی وہ اپنے معتقدات سے نہ پھرا۔ البتہ کچھ ازخود رفتگی کے عالم میں رہنے لگا تھا اور اس کی صورت پر ایک قسم کی بیکسی برسنے لگی تھی جسکو دیکھکر میں بےچین ہو جاتا تھا۔

احسن میرے پاس آج ایک مدت کے بعد آیا تھا۔ میں مکان سے ملحق پائیں باغ میں بیٹھا ہوا تھا جو مکان کے زنانے اور مردانے دونوں حصوں سے ملحق تھا آج کچھ معمول سے زیادہ دلگیر ہو رہا تھا۔ میرے والد کا خط آیا تھا جو میرے لئے سولی کا حکم لایا تھا۔ میرے والدین میری شادی کر دینا چاہتے تھے۔ مجھے اس کا علم پہلے سے تھا۔ نسبت پکی ہو چکی تھی۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی یہ گمان نہ تھا کہ یہ طوق اتنا جلد مجھے پہننا ہوگا۔ میں عجیب خلفشار میں مبتلا تھا۔ اب تک ثریا سے اس خط کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن میں خود جس سوچ میں پڑ گیا تھا وہ میری جان گھلانے کے لئے کافی تھی۔

احسن نے میرے بشرہ سے میرے اندرونی ہیجان کا پتہ لگا لیا اور پوچھا "آج تم کچھ کھوئے ہوئے سے معلوم ہو رہے ہو۔ کہو کیا تازہ فکر ہے؟" احسن ان دوستوں میں سے نہ تھا جن سے دل کی بات چھپائی جائے۔ وہ میرا ہمراز تھا اور میری اب تک کی زندگی سے بخوبی واقف تھا۔ میں نے والد کا خط اُس کو پڑھ کر سنایا اور کہا "سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نئی آفت سے کیسے بچوں؟ لوگوں کو خیال ہوگا کہ میں ثریا کے دام میں گرفتار ہوں اس لئے شادی سے انکار کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے ثریا کی محبت ہے اور ایسی محبت ہے کہ شاید مرتے دم تک حٹ نہ سکے۔ میں اُسکی محبت کو اپنے حق میں ایک سرمدی راحت کی بشارت سمجھتا ہوں۔ میں زندگی کو عذاب سمجھتا ہوں لیکن کبھی کبھی اب میں اسمیں وقتی راحت بھی پانے لگتا ہوں۔ اور وہ اُسی وقت سے جب سے میں ثریا کو چاہنے لگا اور ثریا مجھے چاہنے لگی۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید مرنے کے بعد یہ محبت ابدی سکون کا ذریعہ بن سکے۔ لیکن یقین مانو اگر میں نے ثریا کو کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوتا تب بھی میں شادی کرنے پر تیار نہ ہوتا۔ میری الجھنیں یوں کیا کم ہیں جو ایک نیا سودا مول لوں"

احسن نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "ہاں میاں سچ کہتے ہو اگر محبت نہ ہوتی تو زندگی کی تلخیاں ناقابل برداشت ہو جاتیں۔ لیکن مجھے تمہاری کم ظرفی اور تنگ حوصلگی پر افسوس ہے۔ تم آخر اس منزل پر کب پہنچو گے جبکہ خلوص دل کے ساتھ یہ کہہ سکو:۔

"جاں مطرب ترانہ ھل من مزید ہے — لب پردہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں"

زندگی پر اگر فتح پانا ہے تو اس کی الجھنوں سے بھاگو نہیں۔ بلکہ اُنکو لبیک کہو اور اُن کا مقابلہ کرو۔ رہ گئی محبت۔ سو محبت ایک بار پیدا ہونے کے بعد کبھی مٹتی نہیں۔ محبت غیر فانی۔ محبت کرنے والا غیر فانی۔ تم نے ثریا کو چاہا یہ تمہارے لئے

یقیناً سرمدی راحت ہے۔ تم شادی کرو یا نہ کرو۔ اگر تم واقعی ثریا کی محبت کرتے ہو تو یہ محبت تمہارے اور ثریا کے بعد بھی دونوں کی خاک کے ذروں میں جاری و ساری رہے گی۔ یہ کوئی شاعری نہیں ہے بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جو آپ اپنا ثبوت ہے۔ مجھے دیکھو۔ شاہدہ کے خاک کے ذرہ بھی منتشر ہو چکے ہوں گے مگر میں اپنی محبت کے ساتھ جہاں تھا وہیں ہوں۔ بہت ممکن ہے دنیوی ضرورتوں سے مجبور ہو کر شادی بھی کر لوں لیکن اس سے مجھ میں یا میری محبت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔“

احسن نے محبت کا تصوف مجھے خوب سمجھایا مگر میں اُن کافروں میں سے ہوں جن کی تشفی جلدی نہیں ہوا کرتی۔ احسن مجھے سمجھا بجھا کر چلا گیا۔ میں اُسی پائیں باغ میں بیٹھا سوچتا رہا۔ احسن کو گئے ہوئے مشکل سے پانچ منٹ ہوئے ہوں گے کہ زنانہ مکان کا دروازہ کھلا اور ثریا برآمد ہوئی۔ اور سیدھی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا ”ثریا میرا دل دھڑکتا ہے کہ دیکھو ہماری محبت کا انجام کیا ہوتا ہے؟ میں تمہارا نقش دل سے کبھی نہیں مٹا سکتا۔ یہ شاید ہم دونوں کے لئے بُرا ہو۔“

ثریا نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا:۔

”لطف دنیا کا جب اُٹھاؤ گے دو ہی دن میں تو بھول جاؤ گے۔“

میں اسکو ماننے کے لئے تیار نہ تھا اور مجھے ثریا کا یہ کہنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ ثریا کو جب معلوم ہوا کہ میرے دل کو اُسکی بات سے ٹھیس لگ گئی ہے تو وہ بڑے پیار سے مُسکرائی اور مجھے لپٹا کر کہنے لگی:۔ ”مگر آخر اس وقت ایسی کون سی آفت آ پڑی ہے کہ تم خواہ مخواہ آئندہ کے خیال سے کڑھو۔ اس وقت اس صحبت کو غنیمت سمجھو۔ اور اس کی لذتوں کو خاک میں نہ ملاؤ۔ اس سے بڑھ کر تم اور کونسی کامرانی چاہتے ہو۔ میں تمہارے پاس ہوں اور اگر تم سمجھنا چاہتے ہو تو سمجھو کہ میں تمہاری ہو رہی ہوں۔ لیکن خدا کے لئے بےکار اپنا دل نہ جلاؤ۔ تمہاری یہ دلکش صورت اور یہ افسردہ دلی! اچھی بے تُکی سی باتیں ہیں۔“ یہ کہکر اُس نے مجھے خوب پیار کیا۔ میں نے جی بھی بھر کر اُس کو پیار کیا۔ لیکن میرے دل کا بار ہلکا نہوا اور میرے منھ سے بیساختہ نکل گیا:۔

”ز مکر چرخ نظیری عجب ہراسانم که کارہائے مرا بر مراد من دارد“

ثریا نے کہا ”خدا تم پر رحم کرے۔ تم کو معلوم نہیں کہ انسان کے خیالات کا اُسکی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے مزن خال بد کا ورد حال بد۔“ میں نے کہا ”ثریا اب چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں لوگ میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ یہ کہہ کر میں نے خط نکال کر اُس کو دینا چاہا۔ اُس نے کہا ”مجھے سب معلوم ہے۔ تم سے اور احسن سے جو باتیں ہو رہی تھیں میں کھڑی سُن رہی تھی۔ میں بھی اس کا جواب وہی دونگی جو احسن نے دیا ہے۔“

میں نے کسی قدر جھنجلا کر جواب دیا ”تم لوگوں کا نہ جانے کیسا فلسفہ ہے؟ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ دل میں

تمہارا خیال لئے رہوں۔ اور پھر ایک دوسری عورت کے ساتھ پیمانِ وفا باندھ کر خوش گوار زندگی بسر کروں۔ میں صاف انکار لکھ بھیجتا ہوں!" "ہرگز نہیں میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ ثریا نے تحکمانہ لہجہ میں کہا "تم دیکھتے نہیں میری بھی تو شادی ہو چکی ہے۔ لیکن کیا میں تمہاری محبت نہیں کرتی۔ شادی تو ایک دنیا کا کاروبار ہے اس سے اور محبت سے کیا سروکار ہے" اس کے بعد اُس نے موضوع بدل دیا۔ کہنے لگی "آج جی چاہتا ہے تمہیں کچھ گا کر سناؤں۔ اچھا۔ جاؤ ہارمونیم اٹھا لاؤ" میں ہارمونیم اُٹھا لایا اور اُس نے سب سے پہلے نظیری کی وہ غزل چھیڑی جس کا ایک شعر یہ ہے:

"ساز دبرگِ بوسِ آغوش وکنارت دادہ اند پیش ازیں چوں نے نمی باید وم از دوری زنی"

اس شعر کو ثریا نے بڑے کیف انگیز انداز سے گایا اور پھر اپنی محبت طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اُس کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور اُس کے ہونٹ چوم لئے۔ ثریا دیر تک میری آغوش میں پڑی رہی مگر آہ نہ جانے کیوں اسکی آنکھیں نم تھیں۔ میں نے وجہ دریافت کی۔ اُس نے کہا "تم ان آنسوؤں کی فکر نہ کرو۔ ممکن ہے یہ مسرت کے آنسو ہوں۔"

(۸)

دسمبر کی چھٹیوں میں تاہل کی زنجیر میرے گلے میں ڈالدی گئی۔ میری دنیا میں تازہ مصیبتوں کی بنیاد پڑگئی اتنی خیریت تھی کہ ابھی صرف نکاح ہوا تھا۔ رخصتی دو سال تک ٹال رکھی گئی تھی۔ یہ بھی شاید میرے باپ کی دوراندیشی تھی کہ اُنھوں نے مجھے آنیوالی قید وبند کے خیال سے موانست پیدا کرنیکیلئے مہلت دی ورنہ اندیشہ تھا کہ اپنی وحشت سے مجبور ہوکر کوئی غیر معمولی حرکت کر بیٹھتا اور دامان وگریباں پھاڑ کر کسی طرف نکل جاتا۔ لیکن مصلحت اندیشیوں نے مجھے محسوس کرنے کا موقع نہ دیا کہ میں کس بلا میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔

ثریا میرے نکاح میں شریک ہوئی اور بہ ظاہر بڑے ارمان اور حوصلہ کے ساتھ مجھے اور میری دلہن کو بنایا سنوارا۔ لیکن جس وقت میرے سر سہرا بندھ چکا ہے اور گھر کی اور عورتوں کے ساتھ وہ بھی میری بلائیں لینے آئی ہے اُس وقت میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کپاس ہو رہا ہے۔ وہ مسکرا اب بھی رہی تھی مگر اُسکی مسکراہٹ میں کوئی کیفیت نہ تھی۔ وہ اس روح فرسا حقیقت کو مجھ سے چھپا نہ سکی کہ وہ ایک جانگسل آزمائش سے مقابلہ کر رہی ہے۔ ثریا کی حسرتناک صورت اُسکے دل کا راز بُری طرح کھول رہی تھی۔ اور میں اس کی تاب نہ لاسکا۔ اگر میں فوراً عقد کے لئے باہر نہ لے آیا گیا ہوتا تو دل پر ہرگز قابو نہ رکھ سکتا اور اسی جگہ شاید دونوں رسوا ہو جاتے۔

جبتک ثریا میرے وہاں تھی مجھ سے تنہائی میں کبھی نہیں ملی اور مجھے اس کا موقع نہیں دیا گیا کہ میں اس سے کچھ کہتا۔ اتنا میں جان چکا تھا اور یقین کے ساتھ جان چکا تھا کہ ثریا اس خیال کو بھی برداشت نہیں کر سکتی کہ

میں اُسکے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت کا ہو کر رہوں۔ اُس نے مجبور کیا تھا کہ میں گھر والوں کا ارمان پورا کروں اور شادی سے انکار نہ کروں۔ لیکن خود اُس کے دل پر جو گذر رہی تھی اُس کو اُس نے مجھ سے کبھی چھپا ڈالنے کی کوشش کی۔
ابو طاہر صاحب میرے نکاح کے دوسرے ہی دن لکھنؤ چلے گئے لیکن ثریا نے پوری چھٹیاں میرے گھر گذاریں اور میرے ہمراہ لکھنؤ آئی۔

ہم لوگ رات کے وقت لکھنؤ روانہ ہوئے۔ سکنڈ کلاس کا سفر تھا۔ پورا ڈبہ خالی تھا۔ گویا قدرت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا تھا کہ آج دو چاہنے والے دلوں کو راز و نیاز کا پورا موقع دیا جائے۔ اور پھر اُن کے جذبات کو برانگیختہ کیا جائے کہ وہ خود اپنے آپ اپنی خرابی کے درپے ہو جائیں۔ ثریا سامنے کے بنچ پر تھی۔ میں اخبار ہاتھ میں لئے سگرٹ پی رہا تھا۔ دو تین اسٹیشنوں تک دونوں طرف سے سکوت تھا۔ مجھے اس کا ملال تھا کہ ثریا نے مجھے دھوکہ دیا اور اپنے دل کی اصلی حالت مجھ سے چھپائی۔

آخرکار ثریا نے مجھے ایک پان لگا کر دیا اور کہا "تو اب تم دوسرے کے ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ اتنا جلد تم بیوی والے ہو جاؤ گے"۔ میرا پیمانۂ ضبط لبریز ہو چکا تھا۔ اور پھر اُس نے ان جملوں کو کچھ ایسے حسرت بھرے لہجہ سے ادا کیا کہ میں اپنی خاموشی کو برقرار نہ رکھ سکا۔ میں نے کہا "ثریا تمہیں ہوا کیا ہے؟ تمہاری نیت میری سمجھ میں نہیں آتی۔ تم کس قسم کی عورت ہو؟ میں جب پہلے کہتا تھا کہ ماں باپ کا حکم میں کبھی نہ مانوں گا اور شادی ہرگز نہ کروں گا تو اسوقت تو تم مجھ سے لڑنے پر تُل جاتی تھیں۔ اور مجھے آنکھیں دکھانے لگتی تھیں اور اب جبکہ شادی ہو گئی جبکہ چھوٹے ہوئے تیر کو واپس لانے کی کوئی معقول صورت نہیں تو تم کو اسکا ملال ہے۔ بیکار مجھے یہ سمجھانیکی کوشش نہ کرو کہ تمکو کوئی ملال نہیں۔ میں جانتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ تم کڑھ رہی ہو۔ تمہیں میری شادی کا غم ہے نکاح کے بعد تمہارا جو حال رہا ہے وہ تمہارا غماز ہے۔ بہرحال تم نے ابھی سے میری مشکلیں بڑھا دیں"۔

"دیکھو نسیم بے انصافی نہ کرو۔ مجھے کوئی ملال نہیں۔ میری بہترین دعائیں تمہارے اور تمہاری بیوی کے ساتھ ہیں۔ یہ تو میں نے یوں ہی ایک بات کہدی تھی۔ اتنا جلد تم بیوی والے ہو گئے۔ یہ کچھ غیر مانوس سی بات معلوم ہوتی ہے۔ سوا اس کے اور کوئی بات نہیں"۔ ثریا کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے آنسو چھپانے کی غرض سے میری طرف سے منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کیا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور ثریا کا منہ اپنی طرف کر کے کہا "ثریا یہ کیا تم تو رو رہی ہو۔ آج تمہارا وہ فلسفہ محبت کہاں گیا؟"

میں خود بے انتہا تلخ ہو رہا تھا۔ اس لئے میری باتیں بھی تلخ تھیں۔ ثریا نے اپنی پرنم آنکھیں اوپر اُٹھا کر کہا "تم بڑے ظالم ہو۔ مجھے اس آزمائش میں ثابت قدم نہ رہنے دو گے۔ میں اپنی پوری تاب و طاقت اس کوشش میں صرف کر رہی ہوں کہ میرے قدم رہِ راست سے ہٹنے نہ پائیں اور تم"۔

میں نے اپنے طنز کو قائم رکھتے ہوئے کہا" میں کیا۔ اب واقعات اس پر تلے ہوئے ہیں کہ تمہارے قدم ڈگمگا جائیں اور تم نے خود اس معاملہ میں انکی مدد کی ہے"۔ ثریا اب ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جب خوب رو چکی تو آنسو پونچھ کر کہنے لگی" خیر خدا تمہارا بھلا کرے جو تم نے مجھے اتنا رلایا۔ ایک ہفتہ سے میرے دل میں جو جلن تھی آج جا کر وہ ٹھنڈی ہوئی ہے"۔

اب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میرا دل پہلے سے بھرا تھا۔ میں زبردستی اس کو روکے ہوئے تھا۔ ثریا کی یہ حالت دیکھ کر میری آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑے۔ پھر ہم دونوں نے ملکر خوب آنسو بہائے اور مدت کا غبار نکالا۔ ثریا نے کہا" مجھے اپنی طبیعت کا غلط اندازہ تھا۔ میں تمہیں اس گرویدگی کے ساتھ چاہنے لگی ہوں کہ آج اس خیال سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے کہ تم نے دوسرے کے ساتھ رفاقت کا عہد کر لیا ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے میں ہرگز تم کو بہکانا نہیں چاہتی۔ کم از کم تم مجھکو غلط نہ سمجھنا میری دلی تمنا یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ تمہاری زندگی خوشگوار رہے"۔

میں نے ثریا کو روک دیا اور کہا" بس اس وقت سے اگر پھر تم نے کبھی میری شادی یا بیوی کا ذکر کیا تو اس کا انجام برا ہوگا۔ میں نہ گھر والوں کی پرواکرونگا اور نہ تمہاری۔ کہیں ایسی جگہ جا کر سر چھپاؤں گا کہ کسی کو میری گرد کا بھی پتہ نہ لگے گا"۔

ثریا نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور کہنے لگی" تم دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ نہیں میرے اچھے نسیم یہ سب کچھ نہ ہوگا۔ تم ہوگے۔ میں ہوں گی۔ یہی دنیا ہوگی۔ ہم کو ایک دوسرے سے جیتے جی کون جدا کر سکتا ہے خیر آگے چلکر جو ہوگا سو ہوگا۔ اسوقت تو رات کا یہ سناٹا ہے اور دو محبت سے سرشار روحیں یکجا ہیں۔ اس وقت دنیا اور دنیا کی شورشوں کا ذکر کیا" پھر کھڑکی سے باہر چاند کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگی:-

"تا سحر امشب شراب ناب می باید گرفت — خونبہائے شمع از مہتاب می باید گرفت"

اور یہی ہوا۔ ساری رات میں تھا۔ ثریا تھی۔ اور محبت کی بیخودی تھی۔

(۹)

نکاح کو ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ میں آنرز میں تھا اور امتحان کے لئے بڑی دھن اور سرگرمی کے ساتھ تیاری کر رہا تھا۔ امید تھی کہ کسی خاص امتیاز کے ساتھ کامیاب ہونگا۔ ثریا کی شیفتگی میرے ساتھ بڑھ رہی تھی اور میں بھی روز بروز اس میں محو ہوتا جا رہا تھا۔ نہ زمانہ کی نیرنگیوں کا اندیشہ تھا نہ دنیا و مافیہا کی خبر ہاں ثریا کبھی کبھی بلا کسی ظاہری سبب کے آزردہ ہو جاتی تھی اور مجھے بھی آزردہ کر دیتی تھی۔

امتحان کو مشکل سے دو ماہ رہ گئے تھے کہ پردۂ تقدیر سے ہماری سکون و اطمینان کی دنیا میں پھر خلل پیدا کیا گیا اور ایسا خلل جس کا اثر دور تک پہونچا اور دو معصوم ہستیوں کو غارت کرکے رہا۔ خود میری زندگی پر اسکا

کیا اثر پڑا۔ میں اس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔ دنیا سمجھ رہی ہے کہ میں چین کی زندگی بسر کر رہا ہوں اور بہ ظاہر ایسا معلوم بھی ہوتا تھا۔ پھر نہ اسکی ضرورت اور نہ مجھے اس کا حق کہ میں دنیا کا یہ خیال غلط ثابت کرنے کی کوشش کروں۔

تدا خل کا موسم تھا۔ شہر میں فصلی بخار پھیل رہا تھا نہ جانے کتنے اس میں بیمار پڑے اور رنجگے ہو گئے اسی سلسلہ میں ثریا کا اکلوتا لڑکا جمیل بھی بیمار پڑا جسکی عمر اب تقریباً پانچ سال کی تھی۔ جمیل کو تپ چڑھی۔ ڈاکٹر آیا۔ فصلی بخار تجویز کیا گیا۔ نسخہ لکھا گیا۔ دوا کا استعمال ہوا۔ ایک ہفتہ ہو گیا اور درجہ حرارت اپنی جگہ قائم رہا۔ اب وہی بخار تپ محرقہ بتایا گیا۔ دوسرا ہفتہ گذرا اور تیسرا ہفتہ گذرا۔ ایک مہینہ گذرا۔ دوسرا مہینہ گذرا اور جمیل کا بخار نہ اُترنا تھا نہ اُترا۔ لکھنؤ کے مشہور ترین اطباء اور ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سب نے یہی کہا کہ بخار آپ سے آپ اُتر جائے گا۔ لیکن بخار نہ خود اُترا اور نہ کسی کے زور لگائے اُترا۔

ثریا کی صحبت کا اتنا اثر ہوا تھا کہ میں اپنی قنوطیت میں کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا اور اس کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ ڈاکٹر کو خدا سمجھنے لگا تھا جسکے آتے ہی موت "ابلہ" ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ڈاکٹروں کے ہاتھوں جمیل اچھا ہو جائے گا۔ اور اس نے ثریا کو بھی اس کا یقین دلا دیا تھا۔ ثریا میری ہر بات پر امنا و صدقنا کہتی تھی۔ اس لئے اُسے بھی امید بندھی تھی کہ اُس کا جمیل اچھا ہو جائے گا۔ میں بڑی دُھن اور لاگ کے ساتھ جمیل کی تیمارداری کر رہا تھا نہ دن کو دن سمجھتا تھا نہ رات کو رات چوبیس گھنٹے جمیل کی خدمت میں کمر باندھے کھڑا رہتا تھا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ ماں بھی اپنے بچے کے پیچھے ستی نہیں ہو سکتی تھی۔ سال بھر ایک دُھن کے ساتھ جمیل کی تیمارداری کرتا رہا۔ آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب اُنھیں اندھے ڈاکٹروں نے جمیل کو پرانا سل بتایا اور مجھے "چوں قضا آید طبیب ابلہ شود" کی سنگین حقیقت کو ماننا پڑا۔

جمیل چلتا ہوا اور ماں کی گود کو اجاڑ گیا۔ اور میرا یہ اعتقاد پہلے سے کہیں زیادہ راسخ ہو گیا کہ:-

"از بیابانِ عدم تا سرِ میدانِ وجود به تلاشِ کفنے آمده عریانے چند"

ثریا کا قول ہے کہ اُس کو اب تک دو ہستیوں سے محبت ہوئی۔ ایک تو اُس کا جمیل دوسرا میں۔ جمیل یوں داغ دے گیا۔ میرا کوئی اعتبار نہیں۔ اب ثریا کی المناکیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دنوں کے لئے اُس کا دماغ ٹل سا گیا تھا۔ دن رات سوا آنسو بہانے کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے ثریا کی طبیعت کو سنبھالا میں اب اپنا زیادہ تر وقت اسی کے دل بہلانے میں صرف کرنے لگا۔ نہ کہیں سیر و تفریح کو جاتا تھا اور نہ کسی دوست سے ملتا تھا۔ کالج سے بھی چھٹی لیکر بھاگ آیا کرتا تھا۔ اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو مجھے آنرز میں کوئی امتیاز حاصل ہوا اور نہ ایم۔ اے میں۔

(۱۰)

جمیل کے مرنے کے بعد کوئی سال بھر میں اور ثریا کے ساتھ رہا۔ میں نے بڑا زور لگایا کہ لکھنؤ ہی میں

پیٹ پالنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ مگر مجھے تو لکھنؤ سے نکلنا تھا اور ثریا سے بچھڑنا۔ لکھنؤ میں روزی کا کوئی ذریعہ نہیں نکلا۔ مجبوراً مجھے حیدرآباد ایک علمی خدمت پر مامور ہو کر جانا پڑا۔ جانے سے پہلے بیوی رخصت ہو کر گھر آئی اور میرے ساتھ حیدرآباد چلی۔ میں فطرتاً بے حد حساس ہوں۔ ہر بات کا احساس میرے اندر ایک غیر معمولی شدت کے ساتھ ودیعت کیا گیا ہے۔ چنانچہ جس تاریخ سے بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اپنے دل کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ میں بیوی کے لئے ہوں۔ اور بیوی میرے لئے ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ خام خیالی ہے۔ میں ثریا کو کبھی بھولا نہیں مگر بھولنے کی کوشش ضرور کرتا رہا۔ میں اس کشمکش کو اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ تمنا کروں کسی کی اور مجھے ملے کوئی اور۔ جسکی واقعی تمنا تھی اس کا ملنا محالات سے تھا اس لئے جو مجھے مل گئی اسی کو میں نے اپنا مرکز تمنا بنانا چاہا۔ کہہ نہیں سکتا کہاں تک کامیاب ہوا؟

بہرحال میں بیوی کو لے کر حیدرآباد روانہ ہوا اور لکھنؤ ہوتا ہوا چلا تا کہ راستہ میں سے ثریا سے ملتا چلوں۔ لکھنؤ میں دو دن ٹھیرا۔ ثریا نے میری بیوی کی خاطرداری میں بڑے حوصلہ سے کام لیا۔ پہلے دن دن بھر مجھے اس سے تنہائی میں ملنے کا موقع نہ ملا۔ دوسرے دن شام کو جبکہ میری بیوی سامانِ سفر درست کر رہی تھی ثریا میرے کمرے میں آئی جو مردانہ میں تھا۔ اُس نے آتے کے ساتھ مجھ سے ایک تلخ لہجہ میں سوال کیا "کیوں نسیم گذشتہ صحبتوں کی یاد اپنے ساتھ لئے جا رہے ہو یا گرد کی طرح جھاڑ کر یہیں چھوڑ چلے۔ جو گھڑیاں یہاں ساتھ گذری ہیں۔ اب ان کو پُرلطف صحبتوں سے زیادہ تو کچھ سمجھنا نہیں ہے"

ثریا کے طنز پر میں تلملا اُٹھا۔ میں نے بھی اُسی تلخی کے ساتھ کہا "اب اس یاد کو ساتھ لیجاؤں۔ یا یہیں چھوڑ جاؤں۔ دونوں میں دراصل کوئی فرق نہیں۔ مگر خدا کے لئے اتنا بتا دو کہ یہ کس گناہ کی سزا مجھے دی گئی ہے؟" میں نے آنکھیں اوپر اُٹھائیں تو دیکھا کہ ثریا کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ہیں۔ میں بے چین ہو گیا اور اُس کو لپٹا کر کہا "ثریا شاید تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تم کو بھول گیا ہوں اور تم سے بیوفائی کر رہا ہوں۔ کیا اسکے کہنے کی ضرورت ہے کہ میں تمکو اب بھی چاہتا ہوں۔ اور اسیطرح چاہتا ہوں۔ ہاں صورت حال ضرور بدلی ہوئی ہے"

ثریا نے بات کاٹ کر کہا:۔

"نہ کرو اب نباہ کی باتیں تمکو اے مہربان دیکھ لیا"

یہ میرا شعر تھا۔ جس کو اُس نے شاید اسی دن کے لئے یاد رکھ چھوڑا تھا۔ اس کی صورت پر یاس وحسرت برس رہی تھی۔ میں نے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے پیار کے لہجہ میں کہا "آخر ثریا میں کیا کرتا اور تمہاری کیا آرزو تھی؟"

ثریا نے بے تامل جواب دیا "یہ تو میرے بتانے کی بات نہ تھی تم خود سوچتے"

"لیکن جب میں شادی سے انکار کر رہا تھا تو سب کی ہاں میں ہاں ملا کر تم نے بھی تو مجھے مجبور کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اب تمہیں بتاؤ میں کیا کروں؟"

ثریا اب آنسو کے موتی برسانے لگی۔ دل کی بھڑاس نکال چکنے کے بعد اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "اور تم شادی بھی نہ کرتے تو کیا ہوتا۔ میں تو جہاں تھی وہیں رہتی۔ آہ!

"تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ　　اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا"

تھوڑی دیر کے بعد پھر کہنے لگی "تمکو تمہاری سوداویت اور پیدائشی سرمہری نے بچا لیا اور مجھے میرے پُر ارمان دل نے کہیں کا نہ رکھا مجھے اندیشہ ہے کہ اب تمہارا روگ مجھے لگ چلا ہے اور خسرو کا یہ شعر مجھ پر صادق آیا چاہتا ہے۔

"بے دلی کش عیب می کردم کجا است　　تا بکام خویشتن بیند مرا"

یہ کہکر وہ پھر رونے لگی۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اُس نے مجھکو آبدیدہ دیکھکر اپنے کو سنبھالا اور آنسو پونچھکر کہا "اُف! میں تمہیں بیکار ہی رُلا رہی ہوں یا اللہ مجھے اس آزمائش سے بچا۔ میں بڑی بڑی آزمائش سے بچی رہی ہوں۔ یہ آخری آزمائش ہے اور سخت ترین۔ میرے خدا میری مدد کر۔" یہ کہا اور مجھے لپٹا کر میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر جلدی سے قدم بڑھا کر میری بیوی کے پاس جا پہنچی۔ اسکے بعد ثریا پھر مجھ سے اکیلی نہیں ملی۔

(۱۱)

حیدرآباد میں میری زندگی ہموار رہی۔ دھیرے دھیرے میری بیوی نے مجھ پر اپنا سکہ جما لیا وہ بڑی طبیعت شناس عورت ہے میری سرکش طبیعت اور میرے وارستہ مزاج سے وہ پہلے سے خبردار تھی اور جانتی تھی کہ الیسوں کو کیسے رام کیا جاتا ہے۔ اُس نے میری شوریدہ سری میں کبھی کوئی مداخلت نہیں کی۔ اُس نے کبھی ان باتوں پر وہ بیان بھی نہیں کیا جنکا بیویاں عموماً محاسبہ کیا کرتی ہیں۔ اتنا تھا کہ وہ میرے ساتھ رہنا اور میرے آرام و آسائش کا خیال رکھنا ضروری سمجھتی تھی ورنہ ہر لحاظ سے مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا حال کبھی تباہ نہ ہونے پایا۔

ثریا سے مجھ سے خط و کتابت عرصہ تک جاری رہی۔ میں اسکو جو کچھ لکھتا تھا قلم روک کر لکھتا تھا اسلئے کہ اغیار سے ڈر تھا کہ کہیں وہ دیکھ نہ لیں۔ لیکن ثریا جی کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کرتی تھی اور اپنی تحریر میں دل و جگر کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیتی تھی۔ مگر مجھے یہ کہہ دینے میں کوئی عار نہیں کہ میں جہاں دنیا کے اور بہت سے معاملات میں بیدل و بے حوصلہ ہو رہا تھا وہاں ثریا کی طرف سے کچھ کم بے حس نہ تھا دنیا کے ہنگامے یوں کیا کم دم گھٹانے والے ہیں جو محبت کی شورشوں کو ان میں اور اضافہ کیا جائے۔ کم از کم میرے کلیجے میں اتنا خون نہ تھا کہ میں ایک نہ ملنے والی چیز کی تمنا کو زیادہ عرصہ تک اپنے دل میں پرورش دیتا۔ میں بہت جلد دل تنگ ہو کر ثریا کی طرف سے بیخبر ہو گیا۔

اسکے یہ معنے نہیں کہ میں واقعی ثریا کی محبت دل سے نکال چکا تھا۔ لیکن اب یہ محبت صرف ایک یاد ہو کر رہ گئی تھی جو تمام تر ایک مجہولی کیفیت کا۔ البتہ ثریا کے محبت نامے اکثر میری رگوں میں ہیجان پیدا کر دیتے تھے کبھی کبھی تو میں دیوانہ ہو جاتا تھا خاصکر اسکے ایک خط نے تو مجھے بُری طرح [illegible] وہ سارا خط جذبات کا ایک طوفان لئے ہوئے تھا لیکن یہ شعر نہ جانے کس عالم میں لکھا گیا تھا

"یاریوں دور جا بسے اللہ کیا زمانے کا انقلاب ہوا!!"

اسی خط سے مجھے معلوم ہوا کہ ثریا کچھ بیمار رہنے لگی ہے۔ اس وقت مجھے حیدر آباد آئے ہوئے پورے سال بھر ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ ایک مہینہ بعد چھٹی لیکر ثریا کو دیکھ آؤنگا۔ مگر زندگی کے جھگڑے مہینوں گذر گئے اور میں سوچتا ہی رہا۔ کبھی ملازمت کی مصلحتیں رکاوٹ پیدا کرتی رہیں۔ کبھی بیوی کی جھوٹی سچی علالت۔ کبھی صاحبزادے کا بگڑا ہوا مزاج اور کبھی خود اپنی کاہلی اور سستی۔

ثریا کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ وہ مجھے یہ تو لکھتی تھی کہ "ایک بار آکر مجھ سے مل جاؤ" مگر اپنی حالت کبھی مفصل نہیں بتاتی تھی۔ آخر کار اسکا ایک خط مجھے ملا جس نے میرے حواس کو آنًا فانًا منتشر کر کے رکھدیا۔ خط یہ تھا:۔

"پیارے نسیم۔ میں بیمار ہوں اور سخت بیمار ہوں۔ بستر سے ہل نہیں سکتی۔ بہت ممکن ہے یہی بستر میرا بستر مرگ ثابت ہو۔ ڈاکٹروں نے سل بتایا ہے۔ یہ وہی مرض ہے، جو جمیل کو ہوا تھا۔ میں خوش ہوں کہ اس سرائے فانی کی صعوبتوں سے بہت جلد نجات حاصل کر کے جمیل سے جا ملونگی۔ لیکن آہ! تمہیں دیکھنے کی حسرت باقی رہی۔ میں نے بہت چاہا کہ جس طرح تم مجھ سے بے نیاز ہو گئے میں بھی تم سے بے نیاز ہو جاؤں۔ مگر ہر شخص کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی۔ میری زندگی کی آخری تمنا یہ ہے کہ تم کو مرنے سے پہلے ایک بار جی بھر کے پھر دیکھ لوں۔ لیکن شاید یہ بھی گوارا نہیں۔

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا
لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

مجھے معلوم ہے کہ تم آؤنگے اور روتے اور سر پیٹتے آؤ گے۔ مگر اسوقت جبکہ نہ تم مجھے دیکھ سکو گے نہ میں تم کو۔ نسیم کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ دو دن کیلئے مجھے آکر دیکھ جاؤ اور اپنی صورت مجھے دکھا جاؤ۔ اگر بیوی کی تنہائی کا خیال دامنگیر ہے تو انھیں بھی ساتھ لیتے آؤ۔ میں اس حالت میں بھی انکے آرام کا کافی خیال رکھ سکتی ہوں۔"

تمہاری خستہ اور رنجور
"ثریا"

خط پڑھکر میں پاگل سا ہو گیا۔ خواب و خیال میں بھی یہ دن دیکھنے کا کبھی مجھے اندیشہ نہیں ہوا تھا۔ اب میرے لئے ناممکن تھا کہ حیدر آباد میں دو دن بھی ٹھیر دوں۔ فوراً چھٹی کی درخواست دی اور بیوی کو ایک دوست کے گھر کر کے دو روز بعد لکھنؤ روانہ ہو گیا۔

لکھنؤ پہنچکر میں نے کیا دیکھا۔ یہ بیان کرنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ یہ ثریا تھی! وہی ثریا جو کبھی حسن و جمال میں ڈیانا اور وینس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی تھی۔ آج وہ محض چمڑا اور ہڈی ہو کر بستر پر اس طرح پڑی تھی کہ دیکھکر وحشت ہوتی تھی۔ اس کے تپ زدہ ہونٹ اسکے بیٹھے ہوئے رخسار۔ اسکی بے نور آنکھیں۔ اسکی ہوا کی موجوں میں گم ہو جانیوالی کمزور آواز۔ اسکی زندگی سے مایوس نگاہیں۔ غرضکہ وہ موت اور تاریکی کا مجسمہ ہو کر رہ گئی تھی! ایک بات بھی اسمیں اب ایسی نہ تھی جسکو ثریا کی یادگار بھی کہہ لیا جاتا۔

ثریا نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا اور رو دی۔

"وہ نہ سمجھا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے"

آج میری رگوں میں پھر ایک تلاطم تھا۔ میں نے بیتاب ہو کر اسکی گردن میں باہیں ڈالدیں اور رونے لگا۔ بہت دنوں کے بعد دل اُمڈا تھا پھر خوب اُمڈا اور میں خوب رویا۔ ثریا نے مجھے رونے دیا اور خود بھی خاموش آنسو بہاتی رہی۔ ثریا میری ہر بات کے جواب میں ایک شعر پڑھتی تھی۔ میں نے پوچھا "کیوں ثریا یہ کیا حال ہے؟ اور تم نے یہ کیا کیا؟" اس نے جواب دیا:۔

"صرف غم میں نے نوجوانی کی
واہ کیا خوب زندگانی کی"

اسکے بعد کہنے لگی "نسیم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں کوئی الزام دیتی ہوں۔ نہیں تمہارے سر کی قسم نہیں۔ تم کر ہی کیا سکتے تھے؟ جب دنیا کسی کو مٹانے پر تل جاتی ہے تو کسی کے کئے کچھ نہیں ہوتا۔ تمہیں یاد ہوگا تم میر کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے جس میں رفتہ رفتہ اسکی قائل ہو گئی ہوں۔

"بہت سعی کیجئے تو مر رہیئے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے"

مگر اللہ رے زمانہ کی زبردستی اور اللہ رے انسان کی بے بسی۔ اب تمہارا اتنا مقدور بھی نہیں رہا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھ پر کوئی اپنی جان قربان کر سکتا تھا تو وہ تم تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب تم اس قابل نہیں رہے ورنہ مرنے کے بعد یہ اندیشہ لگے ہوتے قبر میں بھی بے چین رہتی۔ کیوں نسیم تم نے اس دنیا کا آغاز و انجام دیکھلیا۔ مگر میں نادم نہیں ہوں۔ میں نے محبت کی اور صرف اس بات پر

مجھے اپنی عاقبت خوش آیند نظر آرہی ہے۔" میں چپ چاپ بت بنا ہوا ثریا کا منھ تکتا رہا۔ مجھ سے کچھ کہتے نہ بن پڑا۔

ثریا کی حالت روز بروز گرتی گئی۔ میں نے اپنی رخصت بڑھالی اور بیوی کو بھی لکھنؤ بلا لیا۔ ثریا نے مجھ سے کچھ زیادہ خدمت بھی نہ لی۔ مجھے آئے کوئی ڈیڑھ ماہ ہوئے تھے کہ اس نے اپنی لحد کا راستہ لیا۔ دم نکلتے وقت اُس نے خدا کا نام لینے سے پہلے جس کا نام لیا وہ میں بدبخت تھا۔

اور اس کے بعد؟ اس داستان کے پڑھنے والے یہ جاننے کیلئے بیتاب ہونگے کہ میرا کیا حال رہا۔ سو میرا حال نہ اتنا دلچسپ رہا کہ اسکو بیان کیا جائے اور نہ میرا منھ کہ میں بیان کروں۔ ثریا کی سرگذشت کے بعد اب میرے پاس کیا رہا جسکو میں بہ طور ضمیمہ کے شامل کردوں۔ وہی میں اور وہی میری بیوی۔ وہی حیدرآباد کی زندگی۔ ہاں اب دو بچے بھی ہیں اور عمر کٹ رہی ہے۔

محبت کو میں ہمیشہ دنیا کے اور بہت سے واقعات کی طرح ایک آنی و فانی آفت سمجھتا رہا۔ اور اب میرا یہ عقیدہ اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔ ثریا کے ساتھ محبت کرکے رہا سہا وہم بھی خاک میں مل گیا۔

"آہ سارا یہ ہے جہان غلط! دوستی کا ہے یاں گمان غلط!"

کم از کم اس دنیا میں محبت کی اصلیت لے دیکر بس اتنی ہے۔

(۱۴)

میں اس روداد محبت کو نہ جانے کیوں حوالۂ قلم کرنے بیٹھ گیا۔ نصف لکھ چکا تھا کہ میری بیوی بچے کو گود میں لئے آگئی۔ اور ایک صفحہ لیکر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے کہنے لگی "کیوں صاحب آخر اب کیا رکھا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ یہ لکھکر ایک بھولی ہوئی یاد کو کیوں تازہ کرتے ہیں۔ اور جو زخم بھر چکے ہیں۔ اُنکو زبردستی کیوں ہرا کرتے ہیں۔ میں آپ کو ہرگز یہ افسانہ لکھکر اپنا دل خون کرنے نہیں دونگی" میری بیوی پکی دنیادار ہے۔ اُس نے یہ کہکر قلم کو میرے ہاتھ سے لے لینا چاہا۔ میں نے کہا "بیگم آخر تمہارا کیا بگڑا اور کیا بگڑ جائے گا۔ تمہاری راحتوں میں میں نے کب خلل پڑنے دیا۔ سب کچھ ہو گیا مگر مجھ پہ تو تم مسلط رہیں۔ اس کا بھی تو موقع نہیں ملا کہ ثریا کے غم میں کچھ دنوں سوگوار رہتا۔ اب کیا میں اس المناک واقعہ کو ایک دلچسپ کہانی بنانے سے بھی رہا۔ تم ڈرو نہیں۔ میرا دل خون نہیں ہوگا۔ اس کو خون ہونا ہوتا تو اب تک کب کا خون ہو کر بہہ گیا ہوتا"

بیوی نے قلم میرے ہاتھ میں رہنے دیا اور میں نے افسانہ ختم کر دیا۔ جواب آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ اس سے جو نتیجہ چاہیئے نکالئے اور جو سبق چاہیئے سیکھئے۔ مجھ پہ تو اس کا سوا اسکے اور کوئی اثر نہیں ہوا کہ کسی کے یہ چار مصرعے یاد آگئے۔

جو دل سے نکل گئی وہ چاہت کیا تھی! بنکر جو بگڑ گئی وہ صورت کیا تھی!

اللہ رے یہ دن مجھی کو کہنا ہی پڑا! اک خواب و خیال تھا محبت کیا تھی!

مجنوں گورکھپوری

انجام و آغاز

خیال تھا، کوشش تھی، یقین تھا کہ نگار کا دسواں سال (جو ۳۱ء سے شروع ہوتا ہے) کسی خاص آہنگ کی ابتدا ہوگا، غیر معمولی نشاط کے ساتھ طلوع ہوگا، "گل فشانیاں" اسکے ساتھ ہونگی اور "طرحِ نو" کے اسباب سترس سے قریب لیکن ٹھیک اُس وقت جبکہ ۳۱ر دسمبر کی نصف شب خط فاصل یا خط تماس بنی ہوئی معلوم نہیں ایک سال کو دوسرے سے جدا کر رہی ہے یا ملا رہی ہے میں شمع کے سامنے تنہا بیٹھا ہوا سوچ رہا ہوں کہ اگر گذشتہ ایک سال کی "عمر رائگاں" کا احتساب فعل عبث ہے تو سال حال کی امید ڈنکو کیوں استوار کروں، سوچنا اور سوچتے رہنا، روز تعمیر تمنا کرنا اور روز اسکو آنکھوں کے سامنے گرتے ہوئے دیکھنا، یہی ہے حاصل زندگی۔ یہی ہے مقصود آفرینش۔

جب قدرت اپنے اثبات وجود کیلئے، گل و بہار، سبزہ و مرغزار کی پابند نہیں، تو فسردگی خزاں اور بے برگ و سازی ہونے کا گلہ کیوں؟ مظاہرِ وسمِ آثار کیلئے وہ حسِ کفرانِ نعمت ہے جو "چون وچرا" پیدا کرے۔ تو آئیے جسطرح امید و بیم کی کشمکش میں زندگی کا بڑا حصہ گزار دیا ہے باقی چند سال بھی اسیطرح بسر کر دیئے جائیں اگر امید کا پیدا ہونا اپنے بس کی بات نہیں تو اسکے فنا ہونے پر کلیجہ سخت کر لینا تو اختیار سے باہر نہ ہونا چاہیئے۔

سال حال کے لئے میں نے کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کیا، کیونکہ مجھ میں اس قدر حوصلۂ ضبط نہیں کہ سوچوں کچھ اور ہو کچھ جب سیل میں ایک تنکے کی طرح بہنا مقدر ہو چکا ہے تو پھر مقاومت بیکار ہے۔ اسکی مرضی ہے جدہر چاہے لیجائے اور جہاں چاہے گم کر دے۔

گذشتہ سال معاصرین میں سے جن جن ارباب لطف نے مجھ کو مورد عتاب بنایا، انکا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور جو اس سال جدید طیاریاں کر رہے ہیں انکا بھی۔ میری طرف سے وہ جواب کی توقع نہ رکھیں، کیونکہ حقیقتاً میں ہر الزام و ملامت کا مستحق ہوں اور اگر وہ اس سے زیادہ "تلخ نوائی" سے کام لیں تو بھی وہ میرے استحقاق سے زائد نہ ہوگی۔

میرے کفر و الحاد کے افسانے اب اس حد سے گذر گئے ہیں کہ ان کے متعلق مجھے کوئی عذر پیش کرنیکی ضرورت لاحق ہو لیکن غالباً یہ سنکر "کافر گر" جماعت کو حیرت ہوگی کہ ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ کیا اسلام کا صحیح مفہوم اس سے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے جو میں سمجھ رہا ہوں اور کیا دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی اور سچا مسلمان ہو سکتا ہے۔ اگر میری آنکھوں پر پردہ نہیں پڑ گیا تو کیا یہ منظر کم حیرتناک نہیں کہ ساری دنیا یوں دفعتاً بے بصر ہو گئی ہے

سالگذشتہ جن حضرات نے نگار کی اعانت فرمائی ہے، انکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے خصوصیت کے ساتھ جناب مولوی عبدالمالک صاحب

آروی کا جنھوں نے باوجود تنگیِ وقت، کثرتِ مشاغل، و فقدانِ دلجمعی اپنے نتائجِ مطالعہ سے نگار کو محروم نہیں رکھا۔ اسی طرح جناب خان امتیاز علی عرشی، جناب بدر اصلاحی، جناب قمر امروہوی، حضرت کیفی چریاکوٹی، جناب عبدالقیوم صاحب سہا، جناب ظفر قریشی، جناب سراج الحق صاحب مچھلی شہری، سید یاسین صاحب ہاشمی، عبدالسلام صاحب فاروقی و دیگر حضرات کا جنھوں نے نگار کو قابلِ التفات سمجھا۔ حصۂ نظم کی طرف سے مولوی علی اختر صاحب اختر کے حضور میں جتنا بھی اعترافِ احسان کیا جائے کم ہے، کیونکہ آپ نے اپنے افکارِ عالیہ سے کبھی نگار کو محروم نہیں رکھا۔ امید ہے کہ یہ سلسلۂ کرم برابر جاری رہے گا۔

نگار ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مدارس اور کتب خانوں کے لئے منظور ہو چکا ہے، لیکن اس قسم کی منظوری کوئی معنے نہیں رکھتی اگر مدرس صاحبان توجہ نہ کریں۔ میں پنجاب کے بعض اضلاع کے افسرانِ تعلیمی کا حد درجہ شکرگزار ہوں کہ انھوں نے کافی قدرافزائی فرمائی اور نگار کی توسیعِ اشاعت میں پوری ہمدردی سے کام لیا۔ توقع ہے کہ یہ نظرِ التفات بدستور قائم رہیگی۔ اور دوسرے صوبوں میں بھی "حق شناسی" کو نظرانداز نہ کیا جائے گا۔

تبصرہ کیلئے کتابوں کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے اور مجھے اسوقت تک اتنی مہلت نہیں ملی کہ میں انھیں دیکھ سکتا۔ ماہِ آئندہ اس طرف بھی توجہ کرونگا۔ اسوقت تک جو زحمتِ انتظار حضرات مصنفین کو اٹھانا پڑی ہے، اسپر اظہارِ معذرت و ندامت کرتا ہوں۔

ماہِ گزشتہ میں ناظرین نگار سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اپنے حلقۂ احباب میں توسیعِ اشاعت کے فرض کو نظرانداز نہ کریں۔ شک ہے کہ یہ التجا بیکار نہیں گئی، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی غالب جماعت ان حضرات کی ہے جو اسوقت تک اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہوئے۔ بہرحال اب بھی وقت ہے۔ اور لطف و کرم کے لئے وقت و ساعت کی کیا قید۔

سالِ حال سے بعض مخصوص مباحث کیلئے مخصوص ابواب کھولنے کا ارادہ ہے تاکہ اختتامِ سال پر ہر خریدارِ نگار کے پاس ایک سے زائد کتابیں مستقل مباحث پر پہونچ جائیں۔ ماہِ آئندہ سے اس تجویز پر عمل شروع ہوگا۔

مثنوی زہرِ عشق بلاک بنانے والوں کی غفلت سے اسوقت تک شائع نہیں ہو سکی، لیکن یقین ہے کہ جس وقت یہ رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا، مثنوی طبع ہو چکی ہوگی اور روانگی شروع ہو جائے گی۔

نیاز

لفظوں کے ساز پر موسیقی کا رقص

یعنی

حامد اللہ افسر کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ

پیامِ رُوح

افسر صاحب اردو شاعری میں ایک بالکل جدید طرز کے موجد ہیں، خیالات نئے، طرز بیان نہایت دلنشین بعض بحریں نئی، تاثیر کا یہ حال ہے کہ ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد افسر کے اشعار حفظ یاد ہو جاتے ہیں، پیام روح کی غزلیات ایسے تڑپا دینے والے جذبات سے لبریز ہیں جن کی نظیر کسی زبان کی شاعری میں مشکل سے ملیگی۔ چند مقتدر رسائل کے ریویو ملاحظہ کیجئے۔

”افسر صاحب کے کلام میں ترنم اس حد تک موجود ہے کہ پڑھتے ہی روحانی کیف آنے لگتا ہے۔ تخیلات بام اوج پر جا پہنچتے ہیں اور انسان معرفت اور صداقت کے جلوؤں میں محو ہو جاتا ہے۔“ ”نیرنگ خیال“ لاہور

”افسر کی شاعری.... جامد سے جامد انسان کو اپنی فضا میں لانیکے بعد متحرک بنا دیتی اور وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اسکی روح کچھ گنگنا رہی ہے“ ”نگار“ لکھنو

”افسر کی شاعری پر روحانیت اس قدر غالب ہے کہ موسیقیت اور ترنم خود اس پر نثار ہونے لگتی ہیں۔ اور پڑھنے والا وجد میں آکر جھومنے لگتا ہے۔“ ”تازیانہ“ لاہور۔

”افسر صاحب کا کلام حب وطن کے جذبات سے معمور ہے۔ نازک تخیل کیساتھ سلاست زبان نے انکے کلام میں ایک خاص تاثیر پیدا کر دی ہے“ ”زمانہ“ کانپور۔

پیام روح کی طباعت نہایت اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی ہے، ہر صفحہ پر رنگین بیل، متعدد رنگین اور سادہ تصاویر، قیمت تین روپے۔ (۳؎)

ڈالی کا جوگ

حامد اللہ افسر کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ قلعہ معلیٰ کی ٹکسالی زبان میں حسیات کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں اور دل ہلا دینے والے واقعات میں جذبات کی ایک دنیا آباد کی ہے۔ ایک فسانہ کی بابت خان بہادر میر ناصر علی صاحب ایڈیٹر اصلاح عام دہلی فرماتے ہیں، کہ:۔ ”اس ادائے بیان کو میر حسن کی ہزار مثنویاں نہیں پہنچ سکتیں“ طباعت نہایت دیدہ زیب، متعدد عکسی تصاویر نے کتاب کی زینت کو دوبالا کر دیا ہے، کتاب کے شروع میں فسانہ نویسی پر ایک اعلےٰ پایہ کا مضمون بطور دیباچہ کے شامل ہے، قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ **مینجر نگد لو انڈین پریس لمیٹڈ، الہ آباد**

کاجل ۔ سُرمہ ۔ چورن ۔ منجن

کاجل ۔ جو آنکھوں کے تمام امراض کے لئے بیحد مفید ہے روز رات کو ایک سلائی کا لگا لینا گویا تمام شکایتوں کا کافور ہو جانا ہے قیمت (۴؍) علاوہ محصول

سرمہ ۔ یہ بیش بہا سُرمہ ۴۰ وٹمنیں جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیسکر طیار کیا جاتا ہے ۔ قیمت فی پڑیا عہ علاوہ محصول

چورن ۔ پیٹ کا درد ۔ نفخ ۔ قبض ۔ ریاح کا پیدا ہونا ۔ سوء ہضم ۔ دستوں کا آنا ایک چٹکی کھانے سے جاتا رہتا ہے قیمت فی ڈبہ ۲ تولہ عہ علاوہ محصول

منجن ۔ اسکی ادنےٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں ۔ قیمت فی ڈبہ ۲ تولہ (عہ) علاوہ محصول ۔

م ۔ بیگم ۔ نمبر ۲/۱۴ نظیر آباد لکھنؤ

رمضان المبارک کا سالانہ رعایتی اعلان

کمزور پرزوں کی سستی گھڑیوں سے بچو اور ہمارے یہاں سے اعلیٰ فولادی مشین والی پاکٹ واچ ورسٹ واچ والارم ٹائم پیس جنکی مجموعی قیمت سولہ روپیہ (عہ) ہے یکمشت صرف دس روپیہ پیشگی ۱۰ میں طلب کیجئے محصولڈاک معاف آپکا نام ہر گھڑی پر سنہری حرفوں میں چھاپ دیا جائیگا

نئی وضع کی نو ایجاد بہت خوبصورت اور مضبوط صحیح ٹائم دینے والی ۲۲ کرٹ رولڈ گولڈ کیس کی گھڑی اپنی خوبیوں میں بڑھیا سے بڑھیا گھڑیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے ہر گھڑی سازکی مدد کے بغیر مدت تک گارنٹی پوری کرتی ہے ۔ ہماری آزمائی ہوئی ہے بے شمار کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے

جلد آرڈر دیجئے ورنہ پھر سال بھر کے بعد یہ رعایت کا موقع ملے گا ۔

مقبول خاص و عام

الارم ٹائم پیس

قیمت عام ۴ روپیہ

اگر آپ کی آنکھ سحری یا تہجد کے وقت نہیں کھلتی اور خواہش ہو کہ کسی آدمی کے بغیر خود بخود بیدار ہو جائیں تو آپکو یہ الارم ٹائم پیس اپنی خوشگوار آواز سے جس وقت چاہو گے ضرور جگا دے گا ۔ کوالٹی بہت بلند ہے وقت کا سچا اور مضبوط ہے ۔ بحفاظت رکھا جاوے تو برسوں خراب نہیں ہوتا ۔ ہم کا امتحان کیا ہوا ۔ قیمت معہ محصولڈاک چار روپیہ (للعہ)

نکل کیس تبک شیپ امتحان کئے ہوئے پرزوں کی مضبوط مشین والی بیحد خوبصورت اور صحیح ٹائم دینے کی وجہ سے مقبول عام ہے ۔ ہزاروں مرتبہ کی آزمائی ہوئی آجتک اس کے متعلق کوئی شکایت نہیں آئی ۔ قیمت چھ روپیہ (ٹے)

ایک اور دینی فائدہ

ان تینوں گھڑیوں کا پورا سیٹ خریدنے والوں میں جو صاحب حلفیہ یقین دلائیں گے کہ کم از کم ایک کلام مجید رمضان المبارک میں ختم کرینگے اُن کو یہ خوبصورت حمائل شریف تحفۃً گھڑیوں کے ہمراہ روانہ کی جائے گی ۔ یہ رعایت فقط بند الصنف ۔

المشتہر :- منیجر نصیر واچ کمپنی نمبر ۵ صدر بازار میرٹھ (یو ۔ پی)

رمضان المبارک کے لئے سالانہ رعایتی اعلان

سحری اور افطار کے اوقات کی پابندی شرعاً فرض ہے اگر اس کے اندر ذرا بھی بے اعتدالی یا غفلت
سے کام لیا گیا تو دن بھر روزہ رکھنے کی محنت ضایع جانیکا احتمال ہے۔ اس مسئلہ کا
حل صرف صحیح ٹائم دینے والی گھڑیوں ٹائم پیسوں سے ممکن ہے۔ ہماری فرم کی مندرجہ
ذیل ٹائم پیس اور گھڑیاں نہایت مضبوط اور عمدہ وقت دینے کے لئے مشہور ہیں چنانچہ حضرت
خواجہ حسن نظامی مدظلہ اپنے روزنامچہ مندرجہ رسالہ درویش دہلی مجریہ یکم اکتوبر و ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ
نصیب واچ میرٹھ نے ایک ٹائم پیس بھیجا ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے چھتیس (۳۶)
گھنٹہ کی کوک کا ہے اور اس میں ایک نئی قسم کی الارم
کی گھنٹی لگی ہوئی ہے ... ٹھیک وقت دیتی ... علاوہ ازیں
... ہے وغیرہ" ... ہماری پاس ...

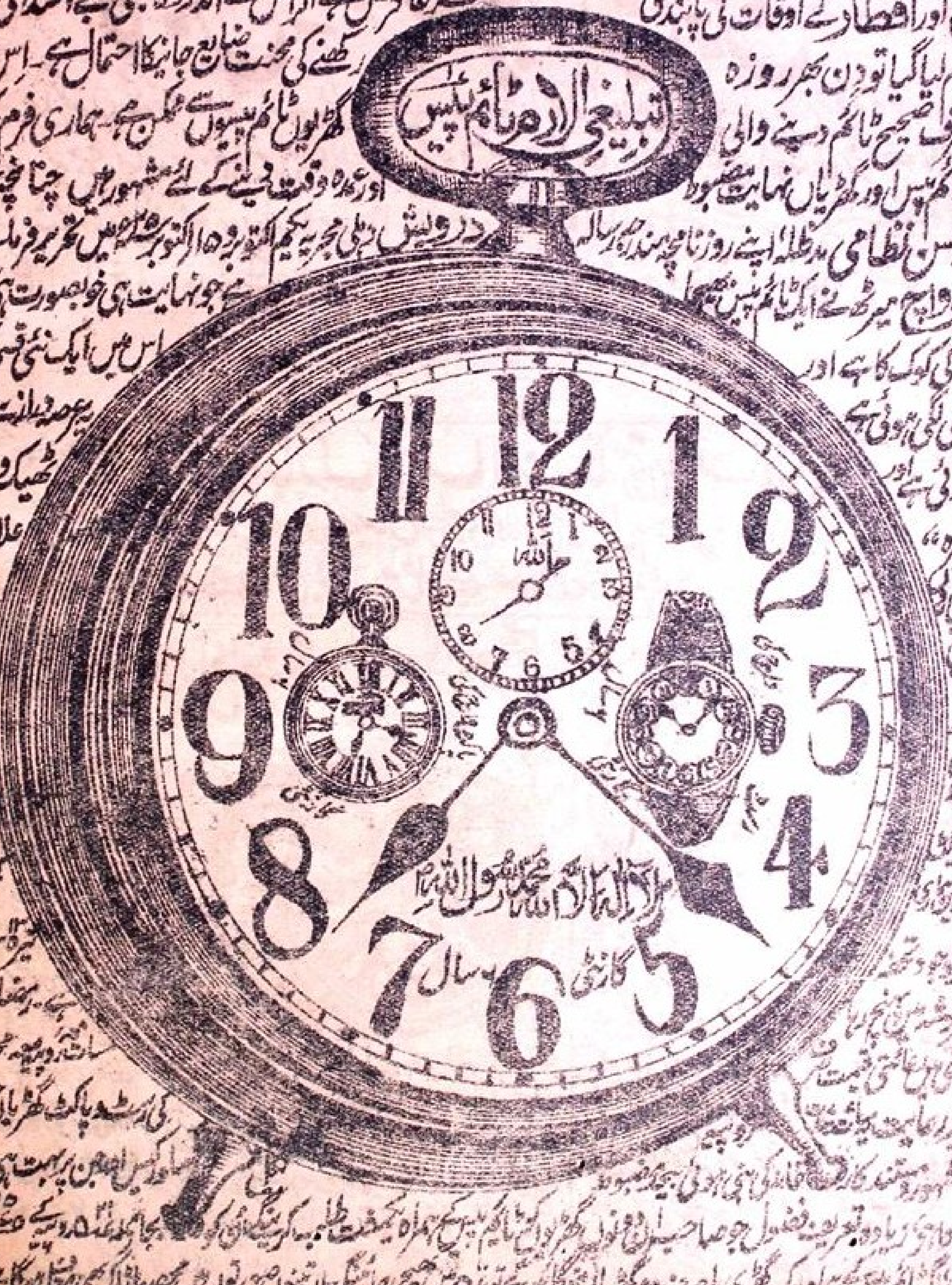

... رمضان المبارک ... محصول ڈاک
... پاکٹ گھڑیاں ... روپیہ
... نہایت مضبوط ... رعایت ...
... کے ہمراہ ... ٹائم پیس ... روپیہ ...
... ایک گھڑی ... محصول ڈاک بھی معاف ہوگا۔ جلد آرڈر دیجئے
(نوٹ) ... رعایت ... برخوردار

۱۵ شعبان المکرم سے یہ رعایتی سلسلہ جاری ہوتا ہے کہ خریدار مناسب قیمت میں گھڑیاں منگا کر شروع رمضان المبارک سے کام میں لاسکیں

حق مضمون اشتہار ہذا محفوظ ہے کوئی صاحب اسے نقل کرکے فائدہ کی جگہ نقصان نہ اٹھائیں

فائدہ اٹھانے کا — نادر موقعہ

رعایت کا مبارک مہینہ

جو سال میں ایک ہی بار آتا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھائیے

گیارہ ماہ گذر جانے کے بعد خدا کے فضل و کرم سے پھر ہم کو اور آپ کو رمضان المبارک کا مہینہ نصیب ہوتا ہے۔ یہ بھلائیوں اور نیکیوں کا مہینہ ہے اس لئے ہم نے بھی یہی مہینہ اپنے خریداروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے انتخاب کر رکھا ہے۔ لہذا حسب معمول اعلان کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل گھڑیوں۔ ٹائم پیسوں اور گھنٹوں کی قیمت میں بہت رعایت کردی گئی ہے اس رعایت سے ہر شخص خواہ کسی مذہب و ملت کے ہوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جلد سے جلد فرمائشیں بھیجئے ورنہ یہ زریں موقعہ پھر ایک سال بعد آئے گا۔ — سائنس منیجر

رولڈ گولڈ کیس کی لیور سٹواچ

یہ گھڑی اصلی رولڈ گولڈ کیس کی لیور ہے اور اسکی مشین میں ۔ یاقوت جڑے ہیں ... کبھی خراب نہیں ہوتی رعایتی قیمت معہ اسٹراپ تیرہ روپے بارہ آنہ

چاندی کیس کی شب بین سٹواچ

اس گھڑی کا ڈائل اور سوئیاں ریڈیم ہیں جن سے دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہوتا ہے۔ ٹائم کی سچی اور پائیدار ہے۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ آٹھ روپے دو آنے

شب چراغ لیور پاکٹ واچ

یہ خوبصورت گھڑی دن کے علاوہ رات کو بھی اندھیرے میں ٹائم بتاتی ہے پرزوں کی مضبوط اور ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت صرف چھ روپے

خوشوضع قابل ۸ روزہ چابی کی سٹواچ

دیکھنے میں نہایت خوشنما ہے پرزوں کی مضبوط مشین لیور اور چونکہ ایک چابی اسمیں آٹھ روز میں ایک بار دیجاتی ہے ہر روز چابی دینے اور کلائی سے کھولنے کی ضرورت نہیں ہوتی ٹائم صحیح بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چودہ روپے دس آنے

گیس والی کار آمد خوشنما سٹواچ

اس سٹواچ کا کیس نکل سلور کا ہے اس کا ڈائل اور سوئیاں ریڈیم ہیں جو شب کو اندھیرے میں بھی مثل دن کے وقت بتاتی ہے ٹائم کی سچی اور پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے چودہ آنے

نیو فیشن گولڈن سٹواچ

سنہری کیس کی سٹواچ مختلف نمونہ ... خوشنما ڈائل کی بنی ہوئی ہے اور محض خوبصورتی ہی نہیں بلکہ پائیدار اور وقت صحیح بتانیوالی بھی ہے پرزے بھی سخت مضبوط ہیں رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے آٹھ آنے

فینسی شاندار گولڈن سٹواچ

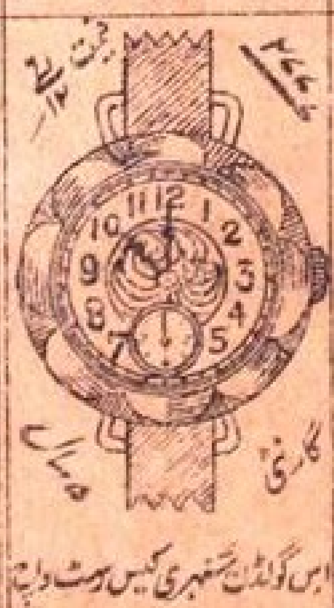

اس گولڈن سنہری کیس بہت دلچسپ کی پوری خوشنمائی یہ کاغذی نقشہ ظاہر نہیں کرسکتا بہت ہی خوشنما مختلف ڈیزائن میں بنی ہوئی ہے ٹائم کی سچی اور پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے بارہ آنے

اصلی ریلوے ریگولیٹر لیور واچ

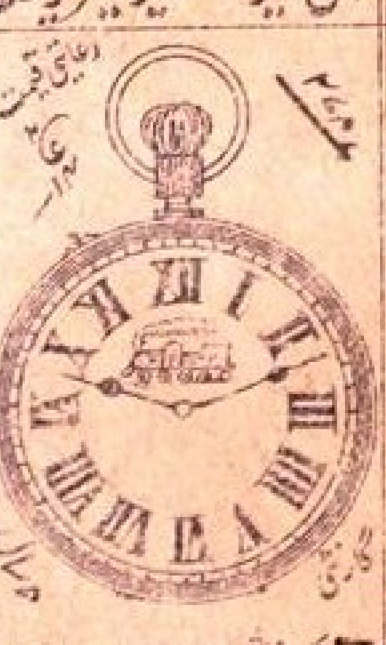

شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو اس پائیدار اور سچا وقت بتانیوالی اصلی انجن مارکہ ریلوے ریگولیٹر کے نام سے واقف نہ ہو اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ پرزوں کی مضبوط ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت دو روپے چودہ آنے

ڈبل بیل الارم ٹائم پیس

نکل سلور کیس۔ خوشنما۔ پائیدار۔ ٹائم کا سچا ہے دو گھنٹی کے باعث الارم بلند آواز سے بجا کر خواب سے بیدار کرکے ایک چوکیدار کا کام دیتا ہے۔ رعایتی قیمت تین روپے بارہ آنے

خوشنما پائیدار سٹواچ

نئے فیشن کی گھڑی کلائی پر باندھنے کی نہایت خوشوضع اور پائیدار ہوتی ہے اکثر معززین و شائقین اس گھڑی کو پسند کرتے ہیں وقت بتانے کی سچی پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ تین روپے ...

محصول ڈاک۔ پیکنگ منی آرڈر فیس کل ۱۳ ار

روزہ میں سب سے بڑی تسکین گھڑی سے حاصل ہوتی ہے

نمبر ۲۸۱

موٹے گلاس کی لیور کیس پاکٹ واچ

اس گھڑی کی مشین لیور اور جو لمدار ایسی پائیدار اور پختہ ہے کہ بگڑنے کا نام تک نہیں لیتی گلاس بھی اس کا موٹے قسم کا ہے جو صدمہ سے بھی نہیں ٹوٹتا ٹایم کی سچی اور خوشنما ہے رعایتی قیمت نو روپے بارہ آنے

نمبر ۲۸۲

موٹے گلاس کی ریلوے واچ

یہ گھڑیاں اپنی خوبی کے باعث لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہیں ہر شخص اسکے نام سے واقف ہے پرزے مضبوط ٹایم کی سچی ہے خوشنما اور چھوٹے سائز کی ہے رعایتی قیمت پانچ روپے آٹھ آنہ

گارنٹی۔ ذمہ داری

ہر گھڑی ڈبہ میں رکھ کے ہمراہ دستخطی گارنٹی بھیجی جاتی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ گھڑی اگر احتیاط سے رکھی جائے تو اتنی مدت چلیگی بلکہ بعض گھڑیاں تو مدت گارنٹی سے بھی زائد چلتی ہیں۔ مگر احتیاط لازمی ہے

نیو فیشن پائیدار نفیس رسٹ واچ

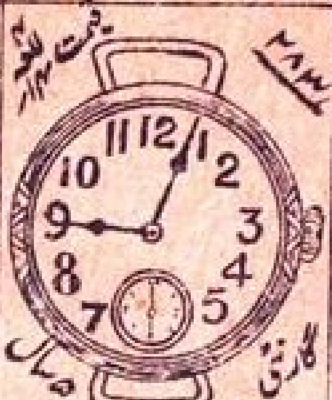

یہ رسٹ واچ دیکھنے میں خوبصورت اور چال کی اچھی ہے پرزے اسکے پختہ پائیدار ہیں وقت بھی صحیح بتاتی ہے اس میں سکنڈ کی سوئی بھی لگی ہوئی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چار روپے چودہ آنے

نو ایجاد بیحد خوبصورت نقشی رسٹ واچ

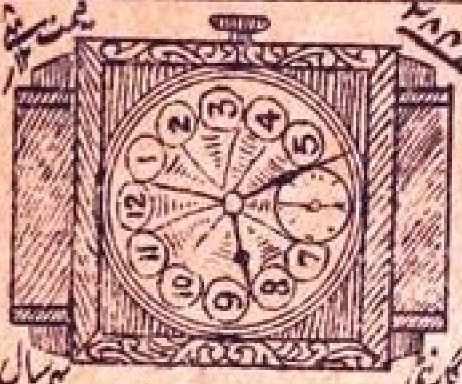

اس رسٹ واچ کی خوشنمائی کاغذی نقشہ کسی طرح بھی ظاہر نہیں کر سکتا ایسی خوبصورت ہے کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے اس کا کیس نہایت نقشی اور ڈائل بہت نفیس ہے دیکھنے میں یہ گھڑی ڈیڑھ دو سو روپے کی معلوم ہوتی ہے مشین پائیدار ہے اور وقت بھی صحیح بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ آٹھ روپے بارہ آنے

خوبصورت و مضبوط لیور پاکٹ واچ

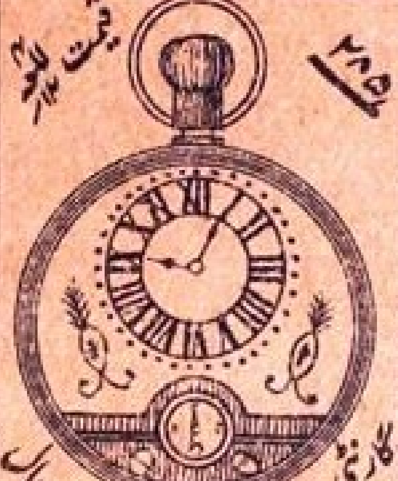

یہ نکل سلور کیس کی گھڑی لیور مشین کی نہایت خوش وضع بنی ہوئی ہے۔ پرزے اسکے مضبوط اور ٹایم کی سچی ہے۔ رعایتی قیمت چار روپے بارہ آنے

او کٹگن خوشنما رسٹ واچ

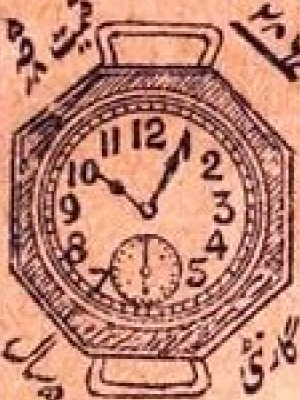

یہ گھڑی سنہری کیس کی آٹھ پہل اور چھ پہل شیپ کی بہت خوشنما بنی ہوئی ہے اسکی مشین پائیدار اور پرزہ پختہ ہیں وقت سچا بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے آٹھ آنہ

کارآمد ریڈیم رسٹ واچ

اس گھڑی کا ڈائل و سوئیاں ریڈیم کی ہیں دن کے علاوہ شب کو اندھیری میں بھی وقت بتاتی ہے پرزے اسکے مضبوط ٹایم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے دو آنے

خوشنما سنہری کیس کی رسٹ واچ

یہ گھڑی بیحد خوشنما فینسی ڈائل اور سنہری کیس کی ہے دیکھنے میں ساٹھ ستر روپے کی معلوم ہوتی ہے پرزے اسکے پختہ ٹایم کی سچی اور مختلف ڈیزائن کی ہیں۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے بارہ آنے

نمبر ۲۸۹

یہ ٹایم پیس علاوہ دن کے رات کو اندھیرے میں بھی ٹایم بتاتا ہے اور اس کا الارم مقرر کردہ وقت پر دونوں طرح سے بجتا ہے سوتے ہوئے شخص کو بیدار کرنے کے لئے ایک چوکیدار کا کام دیتا ہے پرزے اسکے مضبوط اور ٹایم کا سچا ہے۔ رعایتی قیمت صرف آٹھ روپے۔ محصول ڈاک۔ پیکنگ کیس منی آرڈر فیس ایک روپیہ بذمہ خریدار

اصلی ریلوے ریگولیٹر لیور پاکٹ واچ

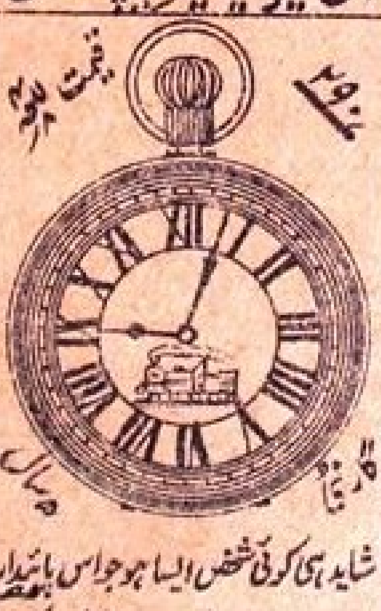

شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو اس پائیدار اور سچا وقت بتانے والی اصلی انجن مارک ریلوے ریگولیٹر کے نام سے واقف نہ ہو نہایت پائیدار ٹایم کی سچی اور چھوٹے سائز کی ہے رعایتی قیمت چار روپے آٹھ آنہ۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار

جوئلدار لیور ریڈیم رسٹ واچ

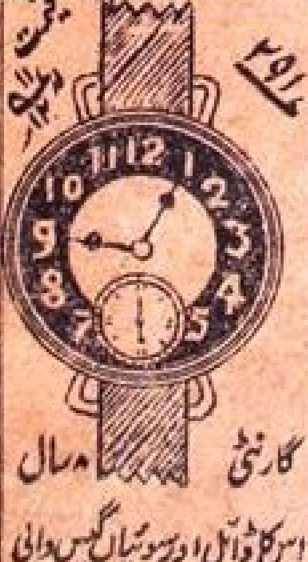

اس کا ڈائل اور سوئیاں گیس والی ہیں جو اندھیرے میں مانند ستاروں کے چمکتی ہیں جن سے دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہوتا ہے مشین لیور اور دس جوئل والی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ گیارہ روپے بارہ آنہ

گولڈن کیس والی رسٹ واچ

یہ گھڑی سنہری کیس خوشنما پائیدار ٹایم کی سچی ہے ڈائل و سوئیاں چمکنے والی ہیں جن سے دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہوتا ہے۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ سات روپے چودہ آنہ

رمضان المبارک میں ہر کام باعث خیر و برکت ہوتا ہے اس لئے یہ خرید و فروخت بھی مبارک ثابت ہوگی

ویسٹ اینڈ واچ کمپنی

کی جیبی و دستی گھڑیاں، اور ٹائم پیس ہر وقت ہر شکل میں موجود رہتے ہیں آپ کو جو گھڑی مطلوب ہو طلب فرمائیں نیز مرمتی گھڑیوں کی درستی بھی ہمارے ہاں باقاعدہ اور رعایت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

اصلی جسٹم راسکوپ پیٹنٹ لیور واچ

نمبر ۲۹۳ — قیمت

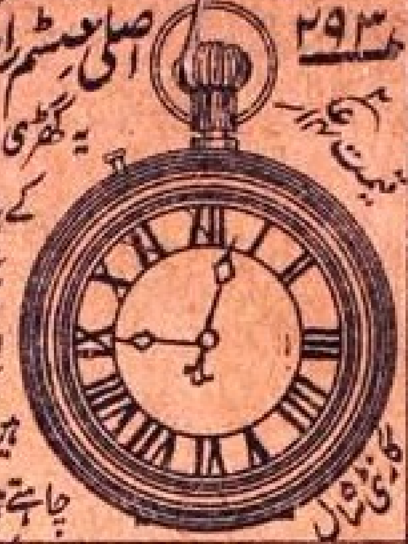

یہ گھڑی اپنی مضبوطی اور صحیح وقت بتانے کے باعث نہایت مقبول ہوئی ہے ہر شخص اسکے نام سے واقف ہے اسکے پرزے نہایت مضبوط و پائدار ہیں اگر آپ کم خرچ و بالانشین گھڑی لینا چاہتے ہیں تو اسکو منگا لیجئے رعایتی قیمت

گارنٹی ۵ سال

خوشنما و پائیدار گیس والی پاکٹ واچ

نمبر ۲۹۴ — قیمت

اس گھڑی کی سوئیاں اور ہندسہ رات کو مانند ستارہ کے چمکتے ہیں جن سے مثل دن کے رات کو اندھیرے میں بھی وقت باسانی معلوم ہوتا ہے مشین اسکی بہت پختہ اور پرزے پالش دار ہیں ٹائم نہایت صحیح بتاتی ہے کیس نکل سلور کا ہے۔ رعایتی قیمت چھ روپے چار آنے

گارنٹی ۵ سال

لیونیڈو جوبلی والی رسٹ واچ

نمبر ۲۹۵

گارنٹی ۵ سال

اس رسٹ واچ کی مشین لیونیڈو جوبلی نہایت پختہ ہے دوڑ بھاگ میں خراب نہیں ہوتی ٹائم کی نہایت سچی اور خوشنما ہے کنڈے قبضہ دار ہیں رعایتی قیمت معہ اسٹراپ بارہ روپے بارہ آنہ

نیو پیٹنٹ خوشنما رسٹ واچ

نمبر ۲۹۶

گارنٹی ۵ سال

یہ گھڑی نکل سلور کیس کی خوشنما پائیدار بنی ہوئی ہے وقت صحیح بتاتی ہے چابی ۳۰ گھنٹے کی ہے مشین لیور اور پرزے پائیدار ہیں۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے سات آنہ

پائیدار گیلیس و پن فیس پاکٹ واچ

نمبر ۲۹۷ — قیمت

گارنٹی ۵ سال

یہ گھڑی کھلے منہ کی نہایت خوشنما بنی ہوئی ہے چابی اسمیں ۳۰ گھنٹے کی ہے اور پرزے مضبوط ہیں۔ وقت صحیح بتاتی ہے رعایتی قیمت صرف تین روپے دو آنے محصولڈاک بذمہ خریدار

سونیکے ملمع کی جالدار چوڑی کی جڑاؤ رسٹ واچ

نمبر ۲۹۸ — رعایتی قیمت سات روپے آٹھ آنہ

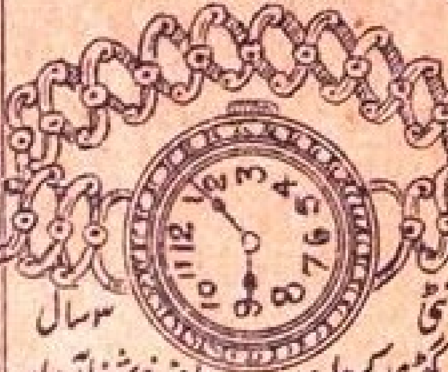

گارنٹی ۳ سال

اس گھڑی کے چاروں طرف خوشنما آبدار نگ جڑے ہوتے ہیں اسکی چوڑی اسپرنگدار ہے جسکے باعث ہر موٹی و پتلی کلائی پر ربڑ کی طرح کھنچکر فٹ ہو جاتی ہے مستورات اسے بڑے شوق سے پسند کرتی ہیں۔ ٹائم کی سچی ہے پرزوں کی مضبوط ہے۔ رعایتی قیمت سات روپے آٹھ آنے

خوشوضع اٹھپہل رسٹ واچ

نمبر ۲۹۹

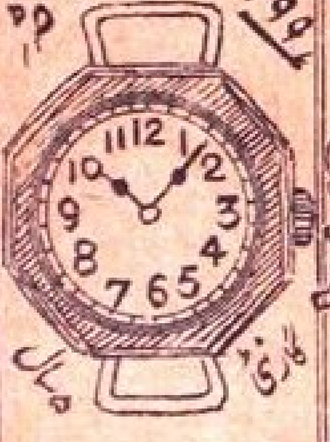

گارنٹی ۵ سال

۲۲ کیرٹ گولڈن (سنہری) فینسی شیپ بہت خوبصورت پرزوں کی مضبوط ٹائم کی سچی اور سوئز میڈ ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ صرف پانچ روپے

اندھیرے میں وقت بتانے والی رسٹ واچ

نمبر ۳۰۰

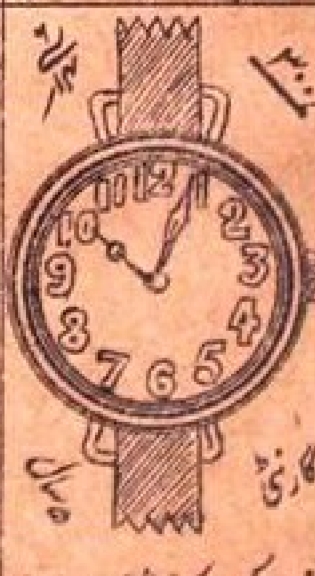

گارنٹی ۵ سال

یہ سنہری کیس کی خوشنما اور پائیدار سچا وقت بتانیوالی گھڑی دن میں وقت بتانیکے علاوہ شب کو اندھیرے میں بھی وقت بتاتی ہے۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ صرف چھ روپے چودہ آنے

خوشوضع ریڈیم رسٹ واچ

نمبر ۳۰۱

گارنٹی ۵ سال

اگر آپ مثل دیکھ اسکو اندھیرے میں بھی وقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس گھڑی کو منگا لیں اسکے ہندسہ و سوئیاں مثل ستارہ کے چمکتے ہیں ٹائم کی سچی پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ سات روپے دو آنے۔

سکنڈ والی اصلی ریلوے ریگولیٹر واچ

نمبر ۳۰۲ — قیمت

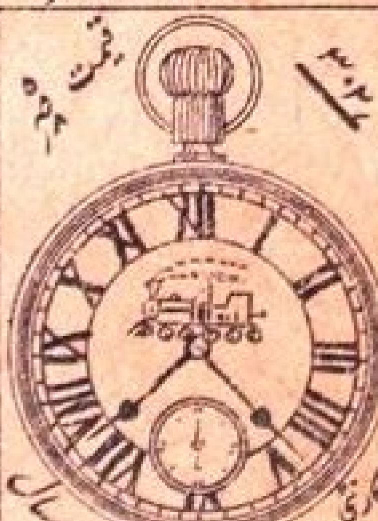

گارنٹی ۵ سال

ہمارے خیال میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس نے ریلوے گھڑی کا نام نہ سنا ہو یہ اپنی مضبوطی اور صحیح ٹائم بتانے کے باعث تمام عالم میں ڈنکا بجا چکی ہے اسکا کیس بھی اسپر بہت دبیز (موٹا) لگا ہوا ہے رعایتی قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

انسونیہ کارخانہ کا امریکن الارم ٹائم پیس

نمبر ۳۰۳

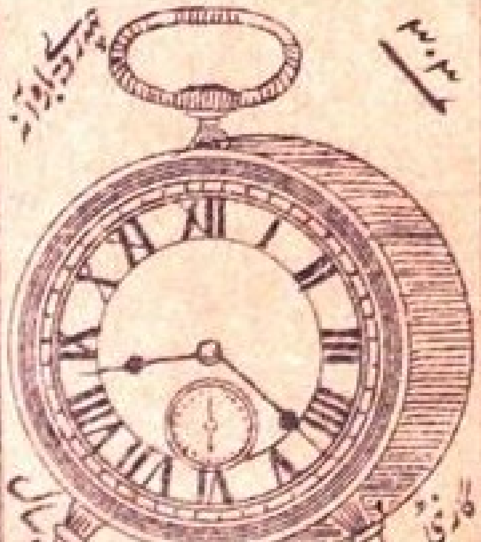

گارنٹی ۵ سال

یہ ٹائم پیس مشہور و معروف انسونیہ کارخانہ کا بنا ہوا ہے نکل سلور کیس کا مضبوط ٹائم کا سچا ہے اسمیں الارم بھی پشت کیطرف لگا ہوا ہے جو بوقت ضرورت صحیح ٹائم پر الارم بجاتا ہے۔ رعایتی قیمت صرف چھ روپے بارہ آنے محصولڈاک وغیرہ ۱۳

نوایجاد گولڈن فینسی رسٹ واچ

نمبر ۳۰۴

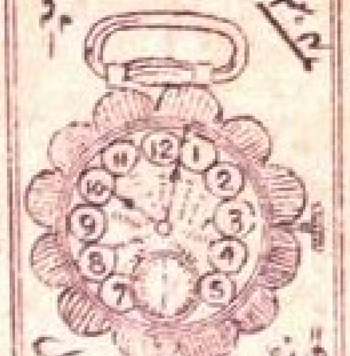

گارنٹی ۵ سال

یہ سنہری رسٹ واچ بالکل نئی وضع مختلف شیپ کی قبضہ دار کنڈوں کی جسکی خوشنمائی اور دلکشی اپنی خود آپ ظاہر کرنا مشکل ہے دیکھنے سے تعلق ہے پرزوں کی مضبوط ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ سات روپے آٹھ آنے

ایک اچھی گھڑی روزہ کو مکروہ اور باطل ہونے سے بچاتی ہے

ہفت روزہ چابی کی خوبصورت پاکٹ واچ

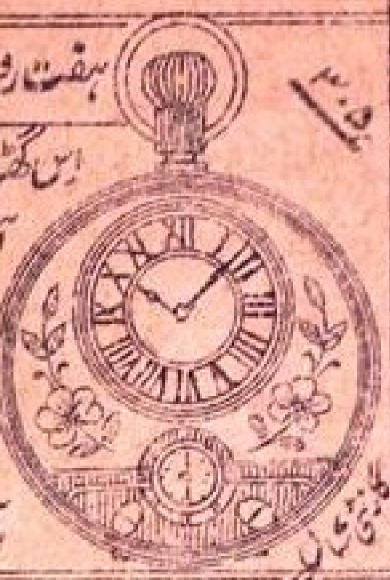

اس گھڑی میں خوبی یہ ہو کہ چابی بجائے روزانہ کے آٹھ روز ہے روز روز چابی دینے کی زحمت نہیں ہوتی اس کا بیلنس پھرتا ڈائل کی طرف معلوم ہوتا ہے مشین لیور اور جولیدار ہے پرزوں کی مضبوط ٹایم کی سچی ہے۔ رعایتی قیمت نو روپے چھ آنہ

کار آمد ریڈیم پاکٹ واچ

یہ گھڑی نکل سلور کیس کی خوشنما وضع لیور مشین پرزوں کی مضبوط ٹایم کی سچی ہے اور اسکے ہندسے و سوئیاں گیس والی ہیں چمکنے باعث رات کو اندھیرے میں بھی مثل دن کے ٹایم معلوم ہوتا ہے رعایتی قیمت چار روپے بارہ آنے

آپکے فائدہ کی بات

تین گھڑیاں ایک قسم کی خواہ تین قسم کی اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو محصول ڈاک و پیکنگ بکس اور منی آرڈر فیس معاف صرف گھڑیوں کی قیمت ہی چارج کی جائیگی

خوبصورت گیس والی سٹواچ

اس گھڑی کے ہندسے و سوئیاں گیس والی ہیں جن سے دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی ٹایم معلوم ہوتا ہے پرزوں کی مضبوط اور ٹایم کی سچی ہوتی ہے قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے دو آنہ

پروٹیکٹر والی خوشنما لیور سٹ واچ

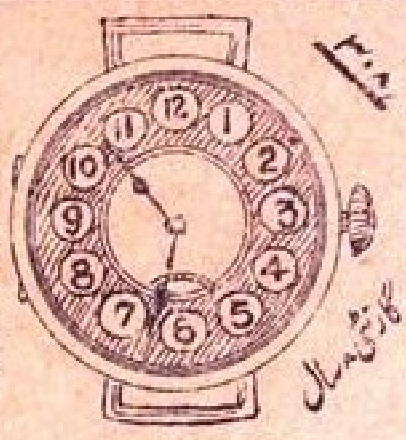

اس گھڑی کے ٹایم کیطرف بھی شیشے کی حفاظت کیلئے ایک ڈھکنا لگا ہوا ہو جسمیں مثل جالی کے سوراخ بنے ہوئے ہیں جنہیں سے ٹایم بآسانی معلوم ہوتا ہو مشین لیور جولدار نہایت مضبوط ہے اور ٹایم کی نہایت سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ اٹھارہ روپے بارہ آنے

خوشوضع سنہری کیس کی پاکٹ واچ

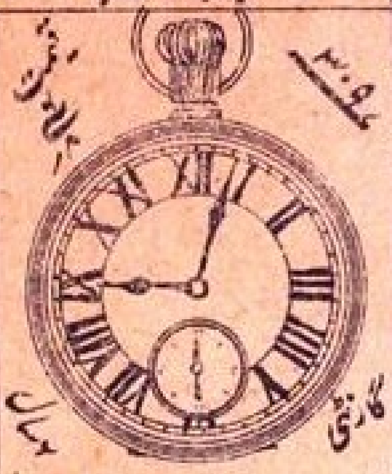

یہ گھڑی نہایت خوشنما اور پرزوں کی پائیدار ٹایم کی نہایت سچی ہے خوبصورت ہونیکے باعث یہ گھڑی اکثر تحفہ جات میں دی جاتی ہو۔ رعایتی قیمت صرف چھ روپے آٹھ آنے

اسکوائر گولڈن سٹ واچ

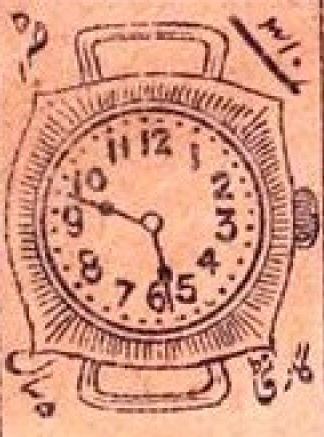

یہ چوکس گھڑی مختلف شیپ میں نہایت خوشنما اور پائیدار ہوتی ہے وقت سچا بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ صرف پانچ روپے

خوشوضع سلور کیس کی سٹواچ

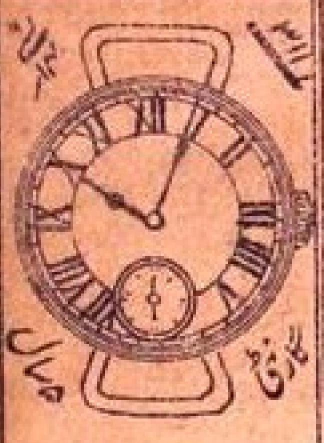

اس سٹواچ کا کیس چاندی کا ہی ہے اسکے پختہ پالش اسمیں نفت بالکل صحیح بتاتی ہو اور بہت خوبصورت ہو رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے چودہ آنہ

شب چراغ نیو فیشن رسٹ واچ

اگر آپ مثل دن کے رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس گھڑی کو منگائیں اسکے ہندسے و سوئیاں اندھیرے میں مانند ستاروں کے چمکتے ہیں ٹایم کی سچی پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ سات روپے دو آنہ

سوتوں کو جگانیوالا الارم واٹایم پیس

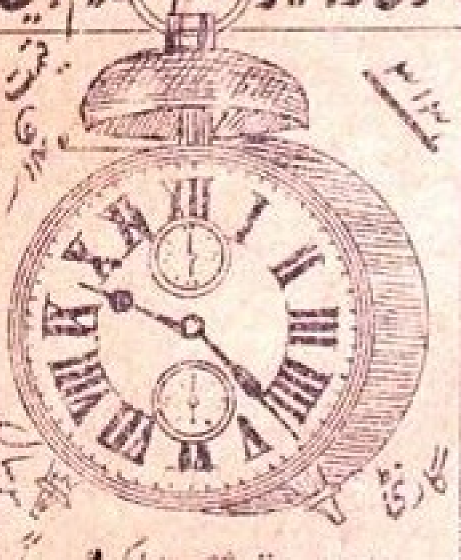

علاوہ پائیدار اور وقت صحیح بتانیکے زور دار گجر الارم بجا کر ٹھیک وقت پر جگا دیتا ہو جس ٹایم پر آپ کو جاگنا منظور ہو اسکے الارم کی سوئی کو اسی ٹایم پر لگا کر الارم میں چابی بھر دیجئے بس ٹھیک وقت پر تیز آواز سے الارم بجکر آپ کو بیدار کر دے گا رعایتی قیمت صرف دو روپے چودہ آنے

۲۲ کیرٹ گولڈن فینسی پاکٹ واچ

اس گھڑی کے ڈائل مختلف شکل کے بنے ہوئے خوشنما اور فینسی بنے ہوتے ہیں کیس سنہری ڈائمنڈ شیپ کا ہے پرزے مضبوط چال کی لیور ٹایم بتانے کی سچی ہے رعایتی قیمت صرف پانچ روپے محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار

۲۲ کیرٹ گولڈن سٹواچ

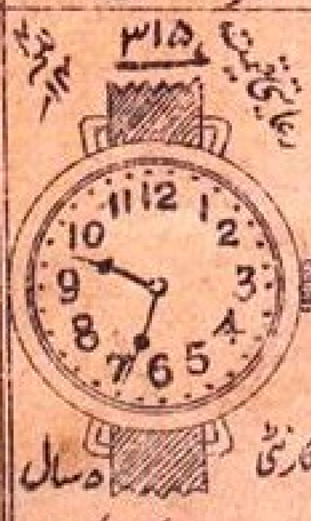

یہ سٹواچ سنہری کیس کی خوشنما دیدہ زیب ہوتی ہے ٹایم بالکل صحیح بتاتی ہے اور پرزے بھی پختہ پالش دار ہیں۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چار روپے چودہ آنے

رولڈ گولڈ کیس کی ریڈیم سٹواچ

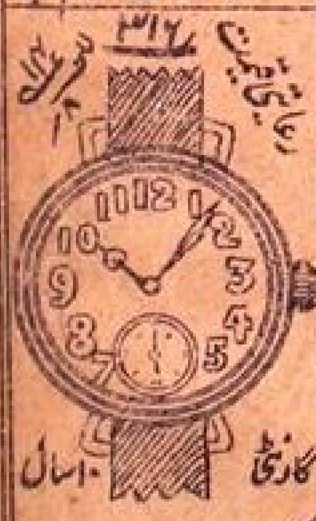

اسکی مشین سترہ جوئل والی ایسی پائدار ہے کہ سواری دوڑ بھاگ میں بھی خراب نہیں ہوتی ٹایم کی سچی ہو اور دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی وقت بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چودہ روپے آٹھ آنہ

حق مضمون اشتہار ہٰذا محفوظ ہے کوئی صاحب اسے نقل کر کے فائدہ کی جگہ نقصان نہ اٹھائیں

تھوڑے داموں میں ایک اچھی گھڑی حاصل کرنے کا یہ نادر و نایاب موقع ہے جو سال میں ایکبار آتا ہے

ایک گھڑی مفت

چھ گھڑیاں ایک قسم خواہ چھ قسم کی اگر آپ بیکمشت طلب فرمائیں تو ساتویں گھڑی جناب کو بلا قیمت بھیجی جائے گی مگر محصول ڈاک۔ پیکنگ بکس۔ منی آرڈر فیس آپ کو ادا کرنا ہوگا۔

نہایت پائیدار جوئلدار لیور کیلیس پاکٹ واچ

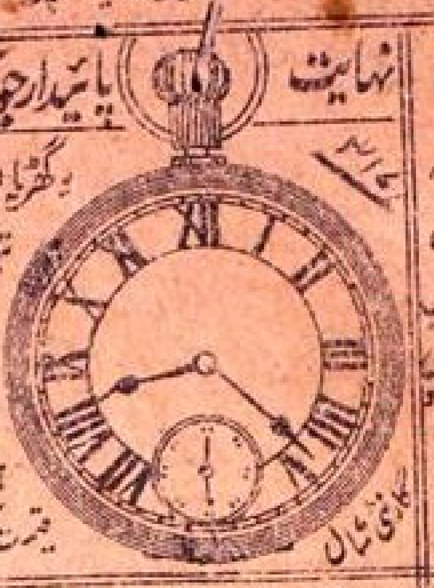

یہ گھڑیاں ہم نے خاص طور پر سوئزرلینڈ سے تیار کرا کر منگائی ہیں لیور مشین گیارہ یاقوت (جول) مشین میں نصب کئے ہیں ٹائم کی نہایت سچی ہے ڈائل پر ہماری فرم کا نام تحریر ہے رعایتی قیمت گیارہ روپے آٹھ آنے۔

گارنٹی ۱۰ سال

نہایت خوشنما ہاف ہنٹنگ پاکٹ واچ

اس گھڑی کے ٹائم کی طرف بھی شیشہ کی حفاظت کے لئے ڈھکنا لگا ہوا ہے ڈھکنے پر اندر کے ڈائل کا پورا نقشہ بنا ہوا ہے ڈھکنے کے بیچ میں ایک چھوٹا شیشہ لگا ہوا ہے جس میں سے اندر کی سوئیاں و ڈائل صاف نظر آتے ہیں باعث ٹائم معلوم ہو جاتا ہے وقت سچا بتاتی ہے رعایتی قیمت چھ روپے بارہ آنہ

گارنٹی ۵ سال

خوشنما بجلی والی رسٹ واچ

اسکے ہندسے و سوئیاں شب کی مانند بجلی کے چمکتی ہیں جن سے رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہوتا ہے ٹائم کی سچی پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے چودہ آنہ

پندرہ جوئل والی لیور رسٹ واچ

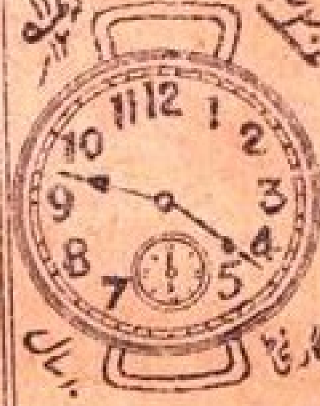

اس گھڑی کی مشین لیور اور پندرہ جوئلدار ایسی پائیدار ہے کہ سواری شکار اور دوڑ بھاگ میں خراب نہیں ہوتی ٹائم کی بھی بہت سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ گیارہ روپے بارہ آنہ

سونے کے ملمع کی خوشنما پاکٹ واچ

اس گھڑی کے ڈائل مختلف شکل کے بیحد خوشنما اور فیشنی بنے ہوئے ہیں اور کیس سنہری عمدہ نمونہ کا ہے پرزہ مضبوط و پائیدار ہیں چال کی لیور اور ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت صرف پانچ روپے

شب بین لیور پاکٹ واچ

اس گھڑی کی سوئیاں و ہندسے اندھیرے میں مثل ستاروں کے چمکتے ہیں جن سے دن کے علاوہ رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہو جاتا ہے ٹائم کی سچی اور پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت صرف چار روپے۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار

نیو ڈزائن کی گولڈن رسٹ واچ

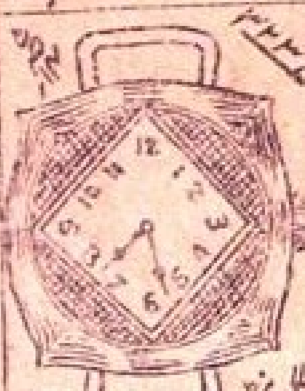

یہ رسٹ واچ مختلف ڈزاین کی ایسی خوشنما ہے کہ اسکی پوری خوشنمائی یہ کاغذی نقشہ ظاہر نہیں کر سکتا نہایت مضبوط اور ٹائم کی بھی سچی رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے چودہ آنہ

خوشنما چاندی کے کیس کی رسٹ واچ

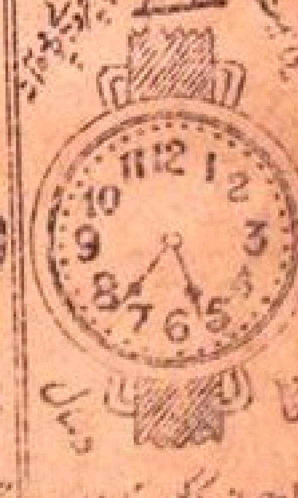

یہ رسٹ واچ چاندی کے کیس کی نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے پرزے اسکے مضبوط و پائیدار ہیں وقت سچا بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے چودہ آنے علاوہ محصول ڈاک

گولڈن کیس کی فیشنی رسٹ واچ

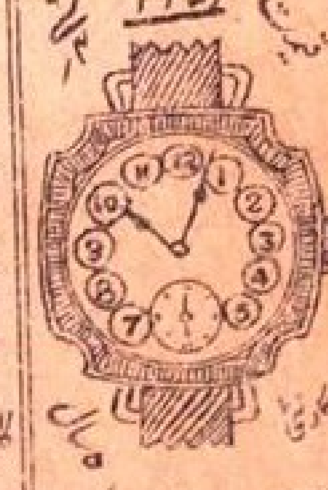

یہ گھڑی بہت ہی خوشنما ہے اسکی پوری خوشنمائی یہ کاغذی نقشہ ظاہر نہیں کر سکتا گھڑی کو دیکھنے ہی سے معلوم ہوگی۔ پرزوں کی مضبوط اور ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے چار آنے

اوپن فیس کیلیس لیور پاکٹ واچ

یہ گھڑی اگرچہ کم قیمت ہے مگر پائیداری اور درستی ٹائم میں چالیس پچاس روپے کی گھڑی کا مقابلہ کرتی ہے اور یہی باعث ہے کہ گھڑیاں لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہیں اور خوشنما بھی ہے رعایتی قیمت تین روپے آٹھ آنے

پشت کی گھنٹی والا الارم ٹائم پیس

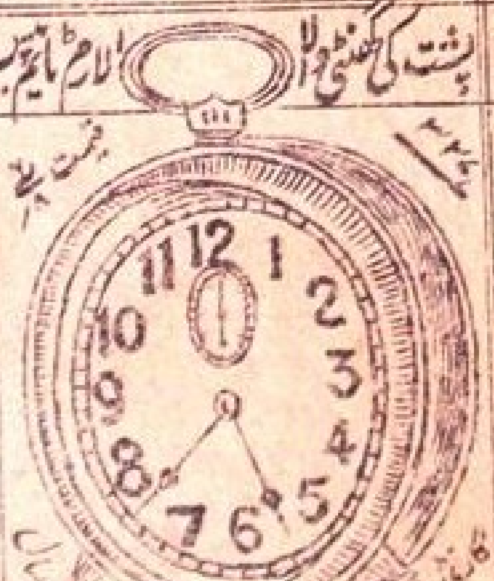

اس ٹائم پیس میں الارم کی گھنٹی پشت پر ہے اسکی گھنٹی کی آواز اتنی تیز ہے کہ غافل سے غافل آدمی اسکی آواز سے بیدار ہو جاتا ہے شب میں عبادت اور ڈیوٹی پر جانے کے لئے یہ ایک چوکیدار کا کام دیتا ہے وقت نہایت صحیح بتاتا ہے پرزے نہایت پائیدار ہیں باوجود ان خوبیوں کے رعایتی قیمت چھ روپے آٹھ آنہ

سنہری کیس کی شب چراغ رسٹ واچ

اسکی سوئیاں اور ہندسے رات کو اندھیرے میں مثل ستارے کے چمکتے ہیں جن سے مثل دن کے رات کو بھی ٹائم معلوم ہوتا ہے پرزوں کی مضبوط اور ٹائم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ آٹھ روپے دو آنہ

حق مضمون اشتہار ہذا محفوظ ہے کوئی صاحب اسے نقل کر کے فائدہ کی جگہ نقصان نہ اٹھائیں

اگر ان گھڑیوں میں سے کوئی گھڑی آپ نے پسند کی ہو تو خریداری کے لئے اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا

۳۲۹ حیرت انگیز خوشنما کلنڈر یعنے جنتری واچ

رعایتی قیمت

اس گھڑی میں اسکے کاریگر نے عجیب و غریب عقل آرائی کی ہے گھڑی کیا ہے پوری جنتری ہے اسمیں چند ڈائل ہیں ایک سے تاریخ دوسرے سے دن تیسرے سے مہینہ چوتھے سے چاند کا گھٹنا بڑھنا مثل آسمانی چاند کے پانچویں سے سکنڈ چھٹے سے گھنٹہ منٹ معلوم ہوتا ہے۔ رعایتی قیمت تیرہ روپے آٹھ آنے۔

گارنٹی ۵ سال

۳۳۰ کم خرچ بالانشین لیور پاکٹ واچ

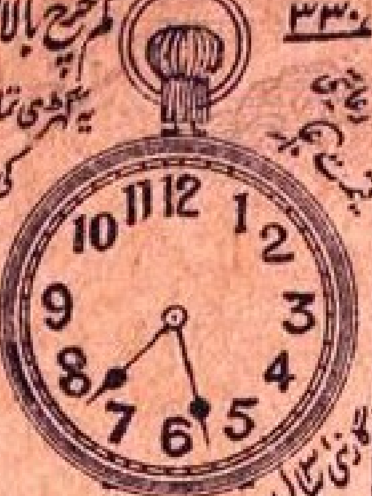

یہ گھڑی تمام کم قیمت گھڑیوں میں اعلےٰ درجہ کی ہے ٹایم صحیح بتانے میں پچاس روپے کی گھڑی کا مقابلہ کرتی ہے اور پرزوں کی بھی مضبوط ہو وقت صحیح بتاتی ہے۔ رعایتی قیمت دو روپے دس آنے

گارنٹی ۳ سال

ویسٹ اینڈ واچ کمپنی

کی ونیز ہر قسم کی گھڑیوں کی درستی ہمارے ہاں باقاعدہ اور کفایت کے ساتھ کی جاتی ہے درستی کے لئے اگر کوئی گھڑی آپ کے پاس ہے تو بھیج دیجئے

سنہری کیس کی فینسی رسٹ واچ

گارنٹی ۵ سال

یہ رسٹ واچ فینسی ڈائل کی نہایت خوشنما سنہری کیس کی ہے پرزے مضبوط اور ٹایم بتانے کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ صرف پانچ روپے چودہ آنے۔

خوشنما جالدار چوڑی سونے کے ملمع کی رسٹ واچ

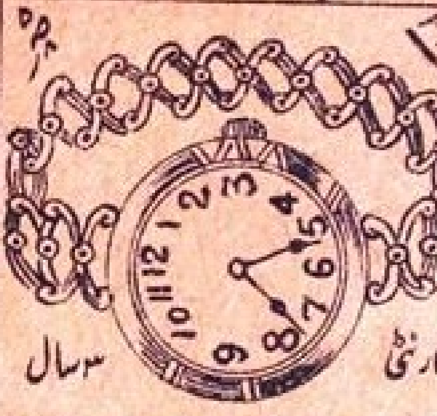

گارنٹی ۳ سال

اس خوبصورت قابل دید گھڑی میں چوڑی اسپرنگ دار لگی ہوئی ہے جو ہر موٹی و پتلی کلائی پر ربڑ کی طرح کھنچکر فٹ ہو جاتی ہے۔ گھڑی کی گھڑی اور کلائی کی زینت مستورات بڑے شوق سے پسند کرتی ہیں وقت سچا بتاتی ہے اور پرزے بھی مضبوط ہیں رعایتی قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

دس جوئل والی لیور رسٹ واچ

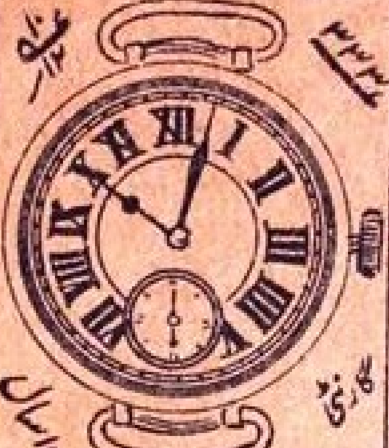

گارنٹی ۱۰ سال

اس گھڑی کی مشین لیور دس جوئل دار اور بہت مضبوط ہے کہ ٹینس وغیرہ میں بھی خراب نہیں ہوتی ٹایم کی سچی اور خوبصورت ہر کنڈے بھی قبضہ دار ہیں۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ دس روپے بارہ آنے

نئے فیشن کی گولڈن رسٹ واچ

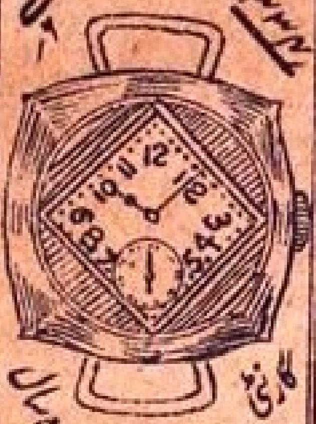

گارنٹی ۵ سال

یہ سنہری کیس کی رسٹ واچ مختلف شیپ ڈائل کی بہت ہی خوشنما بنی ہوئی ہے پرزوں کی پائیدار اور ٹایم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے چھ آنہ

تاریکی میں وقت بتانیوالی رسٹ واچ

گارنٹی ۵ سال

اس گھڑی کے ہندسے و سوئیاں ریڈیم والی ہیں جن سے دیکھ علاوہ دن کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم ہوتا ہے ٹایم کی سچی اور سنہری کیس کی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ سات روپے دو آنہ

سنہری کیس کی ریڈیم رسٹ واچ

گارنٹی ۵ سال

اگر آپ مثل دن کے رات کو اندھیرے میں بھی وقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو یہ گھڑی منگا لیں اسکے ہندسہ و سوئیاں اندھیرے میں مانند ستارہ کے چمکتے ہیں وقت بالکل صحیح بتاتی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ آٹھ روپے دو آنہ

نہایت پائیدار امریکن الارم ٹایم پیس

رعایتی قیمت

گارنٹی ۲ سال

پائیداری اور وقت صحیح بتانے میں مشہور ہے اس لیے اسکی تعریف لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں اسمیں جو الارم لگا ہوا ہے وہ بوقت ضرورت ٹھیک ٹایم پر سوتے ہوئے شخص کو بیدار کرنے کیلئے ایک چوکیدار کا کام دیتا ہے رعایتی قیمت چار روپے آٹھ آنے۔

اصلی ریگولیٹر لیور پاکٹ واچ

۳۳۸

قیمت

گارنٹی ۲ سال

یہ گھڑیاں لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہیں اسکی زیادہ بکری اور مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ وقت صحیح بتاتی ہے اور ریگولیٹر ہونے کے باعث بہت پائیدار ہے قیمت میں بھی ارزاں ہے رعایتی قیمت صرف چار روپے۔ بوقت فرمائش اپنا پتہ خوشخط تحریر فرمایئے

شاندار سنہری کیس کی رسٹ واچ

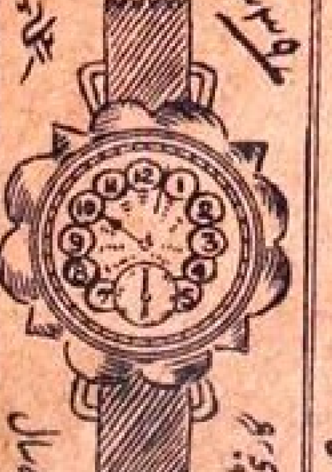

گارنٹی ۵ سال

یہ گھڑی بیحد خوبصورت مختلف وضع کی ہے اکثر شادیوں اور تحفہ جات میں دی جاتی ہے مرد و عورت دونوں اسے پسند فرما کر استعمال کرتے ہیں پرزوں کی مضبوط ٹایم کی سچی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ چھ روپے بارہ آنے

بیحد نفیس سنہری رسٹ واچ

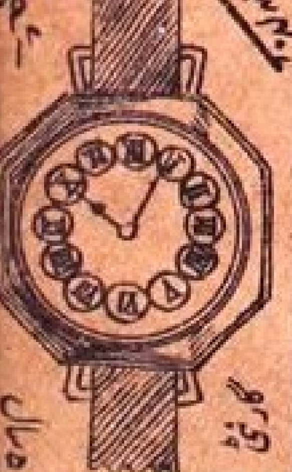

گارنٹی ۵ سال

یہ رسٹ واچ مختلف ڈزائن و شیپ کی نہایت ہی خوشنما ہے اگرچہ خوبصورتی کا معمولی اندازہ نقشے سے ہوتا ہے مگر پوری خوشنمائی تو گھڑی کے ملاحظہ سے معلوم ہوگی ٹایم کی سچی پرزوں کی مضبوط ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے آٹھ آنے

نوٹ: [illegible] گھڑیاں [illegible] طلب کریں [illegible] محصول ڈاک وغیرہ آپ کو ادا کرنا ہوگا۔

بعض لوگ سوچتے رہ جاتے ہیں اور موقعہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے

خوشنما اور مضبوط آفس کلاک

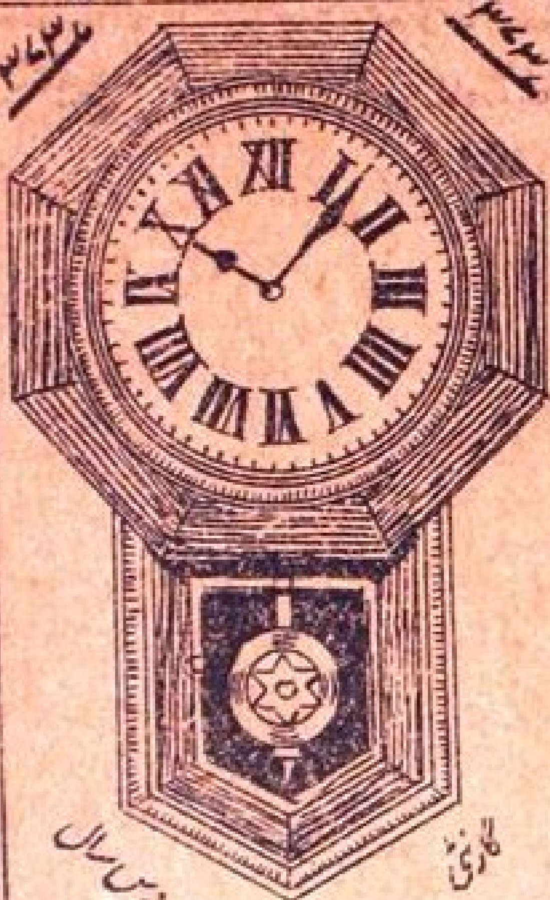

یہ آفس کلاک نہایت خوبصورت اور پائیدار بنا ہوا ہے اس میں چابی آٹھ روز بعد دی جاتی ہے۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ آواز سے بجاتا ہے۔ اسکی لمبان ۱۹ انچ چوڑان ۱۲ انچ ہے۔ رعایتی قیمت گیارہ روپے آٹھ آنے۔

ایضاً درمیانہ سائز اسکی لمبان ۲۱ انچ چوڑان ۱۴ انچ ہے رعایتی قیمت تیرہ روپے آٹھ آنے۔

ایضاً بڑا سائز اسکی لمبان ۲۶ انچ چوڑان ۱۴ انچ ہے رعایتی قیمت پندرہ روپے آٹھ آنے۔

نہایت خوبصورت اور پائیدار امریکن فینسی کلاک

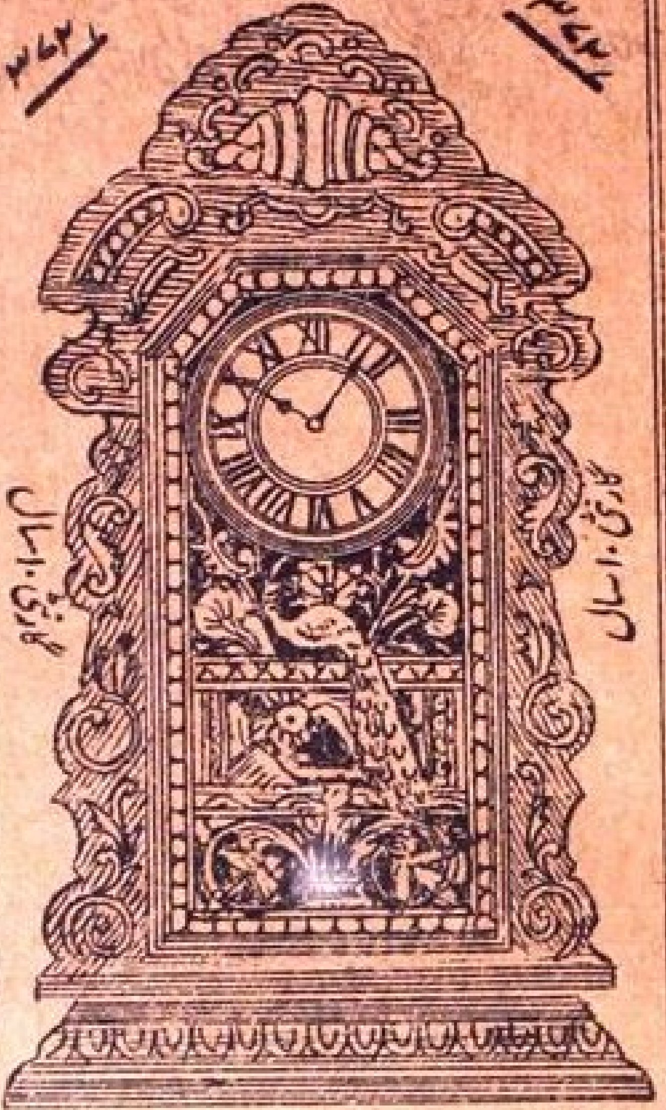

اس امریکن فینسی کلاک کے پرزے نہایت مضبوط و پائیدار ہیں۔ ٹایم بالکل صحیح بتاتا ہے چابی اسمیں آٹھ روز میں ایک بار دیجاتی ہے۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ آواز سے بجاتا ہے اسکے کیس پر نہایت کاریگری سے نقش ونگار کیا گیا ہو دیکھنے میں بہت خوبصورت ہے۔ کمرہ۔ آفس مکان میں جہاں چاہیں لگا سکتے ہیں۔ رعایتی قیمت سولہ روپے

ایضاً اس میں الارم بھی لگا ہوا ہے رعایتی قیمت اٹھارہ روپے

۱۴ کیرٹ گولڈ نب کا فونٹن پن

اس کا نب ۱۴ کیرٹ گولڈن ہے رعایتی قیمت صرف دو روپے

۱۴ کیرٹ یہ انگلینڈ ساخت ۱۴ کیرٹ نب کا سیلف فیلنگ (از خود سیاہی کھینچنے والا) فونٹن پن ہر قسم کے کاغذ پر رواں اور خوشخط لکھتا ہے اسمیں سیاہی نہ رکتی ہے نہ پھیلتی ہے مدتوں خراب نہیں ہوتا اور خوشنا بھی ہو رعایتی قیمت چار روپے آٹھ آنہ

فینسی گولڈن رسٹ واچ

یہ مختلف قسم کی رسٹ واچ ایسی خوشنما بنی ہوئی ہو کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہو کیس سنہری اور پرزہ پختہ و پالشدار ہیں وقت سچا بتاتی ہے۔ رعایتی قیمت معہ اسٹراپ پانچ روپے بارہ آنے

ریڈیم لیو جو ئلدار رسٹ واچ

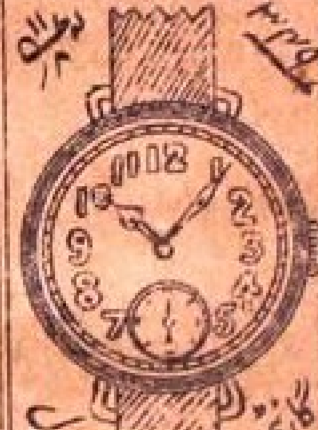

اس گھڑی کی مشین میں ۱۵ یاقوت (جوئل) لگے ہوئے ہیں اور مشین بھی نہایت پائیدار اور مضبوط ہے دوڑ بھاگ سواری شکار ٹینس وغیرہ میں خراب نہیں ہوتی کیس نکل سلور کا ہو اس میں ڈائل و سوئیاں ریڈیم والی لگی ہوئی ہیں جسکے باعث شب کو اندھیرے میں بھی مثل دن کے وقت معلوم ہوتا ہو۔ وقت نہایت صحیح بتاتی ہے چابی بجائے ۲۴ گھنٹے کے ۳۰ گھنٹہ کی ہے رعایتی قیمت معہ اسٹراپ گیارہ روپے آٹھ آنے

نوٹ:۔ فرمایش کے ہمراہ مبلغ پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر پیشگی بھیجنے چاہئیں کیونکہ پارسل بوجہ وزنی ہونے کے ریل گاڑی سے روانہ کیا جاتا ہے۔ ریلوے پارسل کی تعمیل بغیر کچھ رقم پیشگی آئے نہیں کی جاتی۔ اور اپنے قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام انگریزی میں معہ لائن لکھنا چاہیئے۔

ریپیٹ ولانگ الارم ٹایم پیس

اس کے الارم کی گھنٹی بڑے سائز اور بلند آواز کی ہے جو پشت کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اس کا الارم دو طرح سے بجتا ہے ٹھہر ٹھہر کر اور ایک دم۔ الارم کی آواز اس قدر بلند ہے کہ غفلت کی نیند والا بھی جلد ہوشیار ہو جاتا ہے۔ پرزوں کا مضبوط اور ٹایم کا سچا ہے۔ رعایتی قیمت صرف سات روپے۔

نوٹ۔ ہر پارسل کا محصولڈاک پیکنگ کمیشن منی آرڈر فیس بذمہ خریدار ہوگا

مشہور و معروف دہلی کے ساخت کے سادہ کاری رولڈ گولڈ چاندی اور سونے کے ملمع کے نفیس و منقش زیورات

سونے کے ملمع کے نقشی قمیص کے بٹن

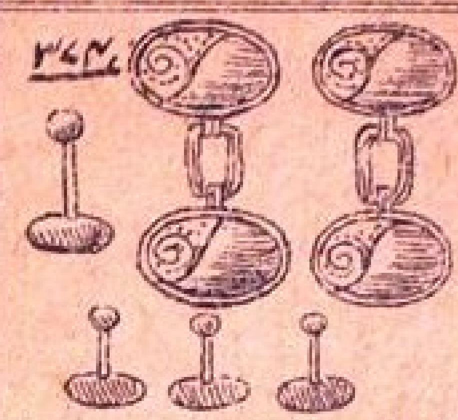

۳۷۴ یہ بٹن اصلی چاندی کے نہایت خوبصورت بنے ہوئے ہیں مضبوط ایسے کہ مدتوں کام دیتے ہیں اپر سونے کا ملمع پختہ کیا ہوا ہے قیمت فی سٹ دو روپے آٹھ آنہ

سونے کی جڑاؤ ڈائمنڈ کٹ لونگ

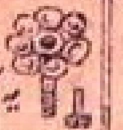

۳۷۵ یہ کیل سونے کی نہایت خوش وضع بنی ہوئی ہے اسپر ڈائمنڈ کٹ کا کام نہایت کاریگری سے کیا ہوا ہے درمیان میں ایک نگ بھی جڑا ہوا ہے قیمت فی عدد دو روپے چار آنہ

سونے کی قابلدید جڑاؤ لونگ

۳۷۶ یہ لونگ نہایت ہی نفیس و خوشنما بنی ہوئی ہے اسپر خوشنما و آبدار نگ مختلف رنگ کے جڑے ہوئے ہیں قیمت فی عدد دو روپے بارہ آنہ

سونے کے ملمع کے ایرنگ (بندے)

۳۷۷ یہ بندے خالص چاندی کے سونے کے ملمع کے نہایت خوشنما و صوفیانہ بنے ہوتے ہیں ہر عمر کی عورت و لڑکیوں کیلئے موزوں ہوتے ہیں قیمت فی جوڑہ دو روپے چار آنہ

سونے کی نئی وضع کی خوشنما لونگ

۳۸۸ یہ کیل بالکل نئی وضع کی نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے اسپر صوفیانہ کام نہایت کاریگری سے کیا ہوا ہے قیمت فی عدد تین روپے چار آنہ

سونے کے ملمع کے خوش وضع اصلی چاندی کے زنجیر دار ڈائمنڈ کٹ بٹن

۳۷۹ یہ کرتے میں لگانے کے بٹن خوشنما اور بہت بنے ہوتے ہیں مرد و عورت دونوں بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ان پر سونے کا نہایت آبدار ملمع کیا ہوا ہے۔ قیمت فی سٹ تین روپے آٹھ آنے

۳۸۰ یہ خالص چاندی کے ہیں ان پر ملمع نہیں ہے۔ قیمت فی سٹ دو روپے آٹھ آنے۔

خوشنما سونے کے ملمع کے بندے

۳۸۹ یہ بندے خالص چاندی کے نہایت خوشنما بنے ہوئے ہیں اپر سونے کا ملمع آبدار کیا ہوا ہے مستورات کثرت سے انہیں پہنتی ہیں۔ قیمت فی جوڑہ دو روپے چودہ آنے (۱۴ عہ)

نہایت خوشنما سونے کا ملمع شدہ چندن ہار

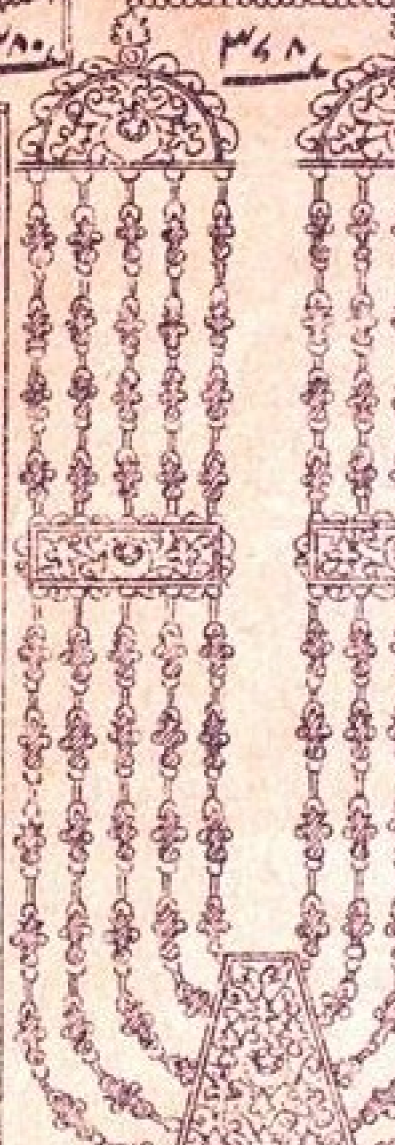

۳۷۸ اس چندن ہار کی پوری خوشنمائی یہ کاغذی نقشہ ظاہر نہیں کرسکتا اسکی خوبصورتی چمک دمک رنگ و روپ بناوٹ ایسی ہے کہ جب تک کسوٹی پر نہ کسا جائے نقلی و اصلی کا پتہ نہیں چلتا بالکل سو۔۔۔ کا پانچ چھ سو روپے کی مالیت کا معلوم ہوتا جہاں ایک جاتا ہے وہاں سے درجنوں کی مانگ آتی ہے قیمت فی عدد صرف چار روپے۔

خالص چاندی کے سونے کے ملمع شدہ زنجیر دار کرتے کے بٹن

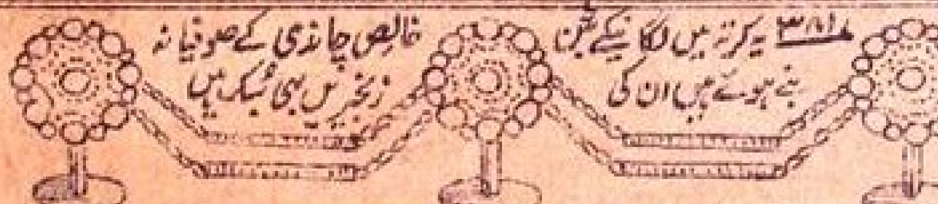

۳۸۱ یہ کرتے میں لگانے کے بٹن خالص چاندی کے صوفیانہ بنے ہوئے ہیں ان کی زنجیریں بھی ٹھیک ہیں اپر سونے کا ملمع نہایت آبدار چڑھا ہوا ہے۔ قیمت فی سٹ تین روپے بارہ آنے۔

۳۸۲ یہ صرف چاندی کے ہیں۔ قیمت فی سٹ دو روپے بارہ آنے

قمیص میں لگانے کے سونے کے ملمع کے پلین بٹن

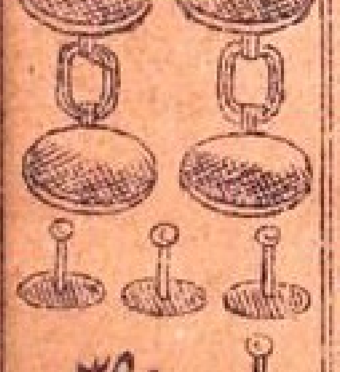

۳۹۰ یہ بٹن خالص چاندی کے بنے ہوتے ہیں نہایت صوفیانہ پلین بنے ہوتے ہیں ایک سٹ مدتوں کام دیتا ہے اپر سونے کا ملمع کیا ہوا ہے مرد و عورت دونوں کے کام کی چیز ہے قیمت فی سٹ دو روپے چار آنے

۳۹۱ ان پر سونے کا ملمع نہیں ہے خالص چاندی کے ہیں قیمت فی سٹ صرف ایک روپیہ چار آنہ

سونے کے ملمع کے کرتے و قمیص میں لگانے کے زنجیر دار خوشنما بٹن

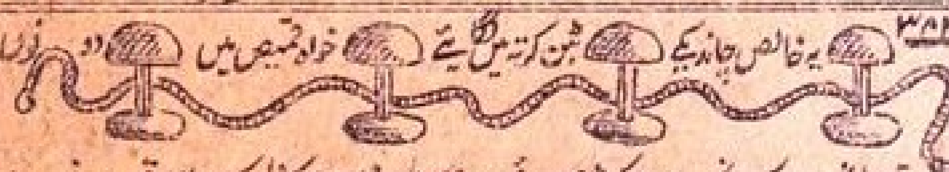

۳۸۳ یہ خالص چاندی کے بٹن کرتے میں لگتے خواہ قمیص میں دونوں کام دیتے ہیں باریک زنجیر چاندی کی پڑی ہوئی ہے سونے کا ملمع نہایت چمکدار کیا ہوا ہے۔ قیمت فی سٹ دو روپے چھ آنہ

۳۸۴ یہ صرف چاندی کے ہیں۔ قیمت فی سٹ ایک روپیہ دو آنے۔

خوشنما خالص چاندی کے سونے کے ملمع شدہ قمیص و کرتے کے بٹن

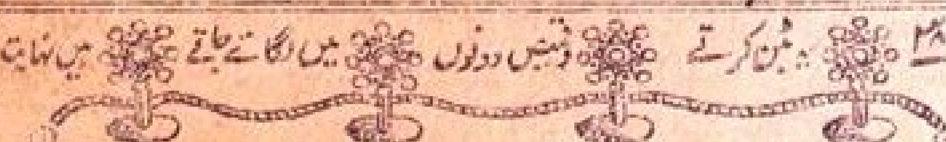

۳۸۵ یہ بٹن کرتے و قمیص دونوں میں لگائے جاتے ہیں نہایت خوش وضع ڈائمنڈ کٹ کے بنے ہوئے ہیں ان کی زنجیر بھی باریک سبک بنی ہوئی ہے سونے کا ملمع نہایت آبدار کیا ہوا ہے قیمت فی سٹ دو روپے آٹھ آنہ

۳۸۶ یہ خالص چاندی کے ہیں قیمت فی سٹ ایک روپیہ چار آنہ

سونے کے ملمع کی ہاتھوں کی منقش چوڑیاں

۳۸۷ بہت کوشش سے یہ رولڈ گولڈ کی چوڑیاں اہتمام تیار کرائی ہیں صحیح پیٹرن کی ساخت چمک دمک و ملمع کی آب و تاب ایسی ہے جو دیکھنے میں بالکل سونے کی معلوم ہوتی ہیں بغیر کسوٹی کے نقلی و اصلی کی تمیز نہیں ہوسکتی چھ چھ چوڑیاں ہر ہاتھ میں پہنی جاتی ہیں بارہ چوڑیوں کی سٹ کی قیمت فی سٹ تین روپے۔

نوٹ۔ زیبائش کے ہمراہ کلائی کا ناپ ضرور آنا چاہئے بچوں کی چوڑیوں کی قیمت فی سٹ دو روپے آٹھ آنہ

تاجران زیورات ملنے کا پتہ ڈی۔ ایس۔ ریکر عشاق اینڈ کمپنی زیورات کو لاکر حیدر منشی بازار چاندنی چوک ۱۹۹۹ شہر دہلی۔ آرڈر کار جسٹرڈ پتہ واضح لکھئے

اس زرین موقع سے ضرور فائدہ اٹھایئے

اگر آپ

رسالہ حریم کی خریداری جنوری سنہ ۱۹۳۱ء ہی سے منظور فرمالین

اور

اپنا سالانہ چندہ للعہ ذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادین

تو

رسالہ حریم کے ساتھ ہی آپ کی خدمت مین ایک انعامی کتاب

موج تبسم (غیر مجلد) مصنفہ شوکت تھانوی

یا

طرز زندگی (ایک حصہ) مصنفہ نسیم انہونوی

بھی روانہ کر دی جائے گی۔

ایسا موقع پھر نہ آئے گا۔ فوراً منی آرڈر روانہ کر دیجیے۔

(رسالہ نگار کا حوالہ ضروری ہے)

منیجر: رسالہ حریم لکھنؤ

رسالہ حریم لکھنؤ

نہ صرف آپکے لیئے بلکہ آپکی اور بیوی بچون کے لئے بھی نہایت مفید اور دلچسپ ہے

اسلیئے کہ

یہ ہندوستان کا پہلا نسوانی رسالہ ہے جو عورت کی دنیا پر اس کے تمام کوائف و حالات سے بحث کرتا ہے جس مین نسائی زندگی کے تمام اہم و سنجیدہ ضروریات پر بہترین معلومات و مضامین شائع کیئے جاتے ہین، تاکہ مرد یہ جان سکین کہ عورت کس تربیت و سلوک کی مستحق ہے اور عورتین یہ سمجھ سکین کہ فطرت نے انھین کس مقصد کے لیئے پیدا کیا ہے اور ملک و قوم کا مستقبل اُن سے کس سعی و عمل کا طلبگار ہے۔

اُس کی

ترتیب بالکل اچھوتی، اس کے مقاصد نہایت اہم، اس کی زبان بے انتہا پاکیزہ اور اُس کے مضامین حد درجہ لطیف، مفید اور دلچسپ ہین۔ اسمین بیش بہا تصاویر ہین جو نہ صرف دیدہ زیب ہوتی ہین بلکہ معلومات مین اضافہ کرتی ہین۔ مختصر یہ کہ آجتک ایک جگہ کسی رسالہ مین یہ تمام باتین پائی نہین گئین۔

بچون کے لیئے

اس مین ایک حصہ مخصوص ہے جو نہایت ہی سہل اُردو مین لکھا جاتا ہے اور مصوّر ہوتا ہے

چندہ سالانہ (للعہ) چار روپیہ

(نمونہ کا پرچہ ۱۲ کا ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا)

مینیجر:۔ رسالہ حریم لکھنؤ

مولانا شبلی

سیرۃ النبی جلد اول عہ
" دوم صہ
" سوم سعہ
الفاروق عار و ے
سیرۃ النعمان عمہ
الغزالی عمہ
المامون عمہ
سوانح مولانا روم عمہ
سفرنامہ مصر و شام ہر و عار
علم الکلام ہر و عار
الکلام ہر و عار
رسائل شبلی عمہ
مقالات شبلی عہ
شعر العجم جلد اول عار ۱۲
" دوم عار
" سوم عار
" چہارم عار
" پنجم عمہ ۱۲
موازنۂ انیس و دبیر ے
مضامین عالمگیر عہ و ۱۲ر
آغاز اسلام ۱۲ر و ہ
کلیات فارسی شبلی عار
کلام شبلی اردو عمہ و ہر

رتن ناتھ سرشار

سیر کہسار ے
خدائی فوجدار عمہ
جام سرشار عار
الف لیلہ بطرز ناول صہ
کامنی عہ

سوانح عمر و عیار عمہ

منشی سجاد حسین مرحوم

احمق الذی ۸ر
حاجی بغلول ۸ر
پیاری دنیا ۸ر
کایا پلٹ ۸ر
میٹھی چھری ۶ر
طرحدار لونڈی عہ
طلسمی فانوس عمہ ۱۲

جوالا پرشاد برق

مرنالنی ۱۰ر
مار آستین ۱۰ر
بنگالی دولہن ۱۲ر
معشوقۂ فرنگ ۸ر
پرتاب ۱۲ر
روہنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی عہ
ملکہ زنوبیہ ۳ر
قرۃ العین ۳ر
مخدرات عمہ
جویائے حق للعہ
لعبت چین عہ
فاتح و مفتوح عمہ
بابک خرمی عمہ
الفانسو ۱۲ر
ایام عرب عار
قیس و لبنیٰ عمہ
یوسف و نجمہ عمہ
زوال بغداد عمہ

مینا بازار عہ
مقدس نازنین عمہ
رومۃ الکبریٰ عمہ
فلپانا عمہ
شوقین ملکہ عمہ
منصور موہنا ۸ر
حسن انجلینا ۸ر
ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
فردوس برین ۸ر
حسن کا ڈاکو عمہ
دربار حرام پور ۱۰ر
غیب دان دولہن عہ
بدر النساء کی مصیبت ہر
میوۂ تلخ ۸ر
نیکی کا پھل عہ

شوق قدوائی

ترانۂ شوق عمہ
قاسم و زہرہ ۱۲ر و عہ
نیرنگ جمال ہر

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب ۹ر
نیلی چھتری عمہ
بہرام کی گرفتاری عہ

دلچسپ تاریخی جاسوسی ناول

شعلۂ رنگین ۸ر
محاصرۂ پیرس عہ
شیخ چلی عہ
بہرام کی واپسی ہر
انقلاب فرانس عمہ
حسن بنارس ۸ر

فطرتی جاسوس عمہ
ترکی حرم سرا ۸ر
جنگ طرابلس ۸ر
بہرام چور عمہ
زر پرست عمہ
کنجی کا راز عمہ
عبدالرحمن ناصر عار
عروس مصر عار
سیلاب خون عمہ
سیاحت زمین عمہ
سیاحت ہوا عہ
نازنین مراکش ۸ر
سمندر کی سیر عار
اسرار بالشویزم عمہ
روح لیلیٰ ے
ڈین بک عہ
حجاج بن یوسف عمہ
یوسف پاشا عمہ
انقلاب عثمانی عمہ
بہرام کی رہائی عمہ
بہرام کی آزادی ۱۲ر
بہرام کی سرگذشت عمہ
لال کھٹور عمہ
پراسرار قتل عار

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب ے
بزم خیال ہر
نشاط سخن عہ
انشار نسواں ۶ر
مکاتیب محسن الملک عمہ

لیلیٰ مجنوں ڈراما ہر

مراثی

مراثی دبیر عار
مراثی انیس للعہ
مراثی ضمیر عہ
مراثی مونس ۱۲ر ے
مراثی دلگیر ۱۲ر ے

تذکرۃ الشعراء

تذکرہ حسینی ۱۱ر
گلشن ۱۰ر
سراپائے سخن عہ
سوانح نظیر اکبر آبادی عار

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز عمہ ۱۲
کلیات عراقی ۱۲ر
دیوان حافظ عمہ
دیوان بیدل عمہ
دیوان عرفی ۱۲ر
کلیات جامی عمہ
کلیات غالب عمہ
کلیات صائب عمہ ۱۲
دیوان ناصر علی ۶ر
کلیات سعدی عمہ
کلیات حزیں عار ۱۲
دیوان عنصری ۱۴ر
دیوان غنی کشمیری ۶ر
دیوان ہلالی ۶ر

دواوین اردو

کلیات ظفر عار ۱۲
کلیات مومن عہ

دیوان ناسخ عہ
کلیات میر عمہ
کلیات سودا عمہ
کلیات انشا عمہ
کلیات نظیر اکبر آبادی عہ
گلزار داغ عمہ
دیوان رند ۹ر
دیوان ذوق ۱۲ر
کلیات اسمعیل عار
مراۃ الغیب عہ
ضمیمۂ عشق عار
فریاد داغ ہر
دیوان قائل ۸ر
دیوان شہیدی ہر

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات } عہ ۱۲
تصویر رنگین }
" با تصویر سادہ للعہ
مجمع الفنون ہے
طلسم فرنگ عار
کارخانۂ عالم عہ

رنالڈز کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین و لیلیٰ عمہ ۱۲
فریب حسن عار
سوزن عشق عمہ
روزا لیمبرٹ للعہ
ندول اسرار عار
شام جوانی ہے
طلسمی فانوس عہ ۱۲

نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمائیے

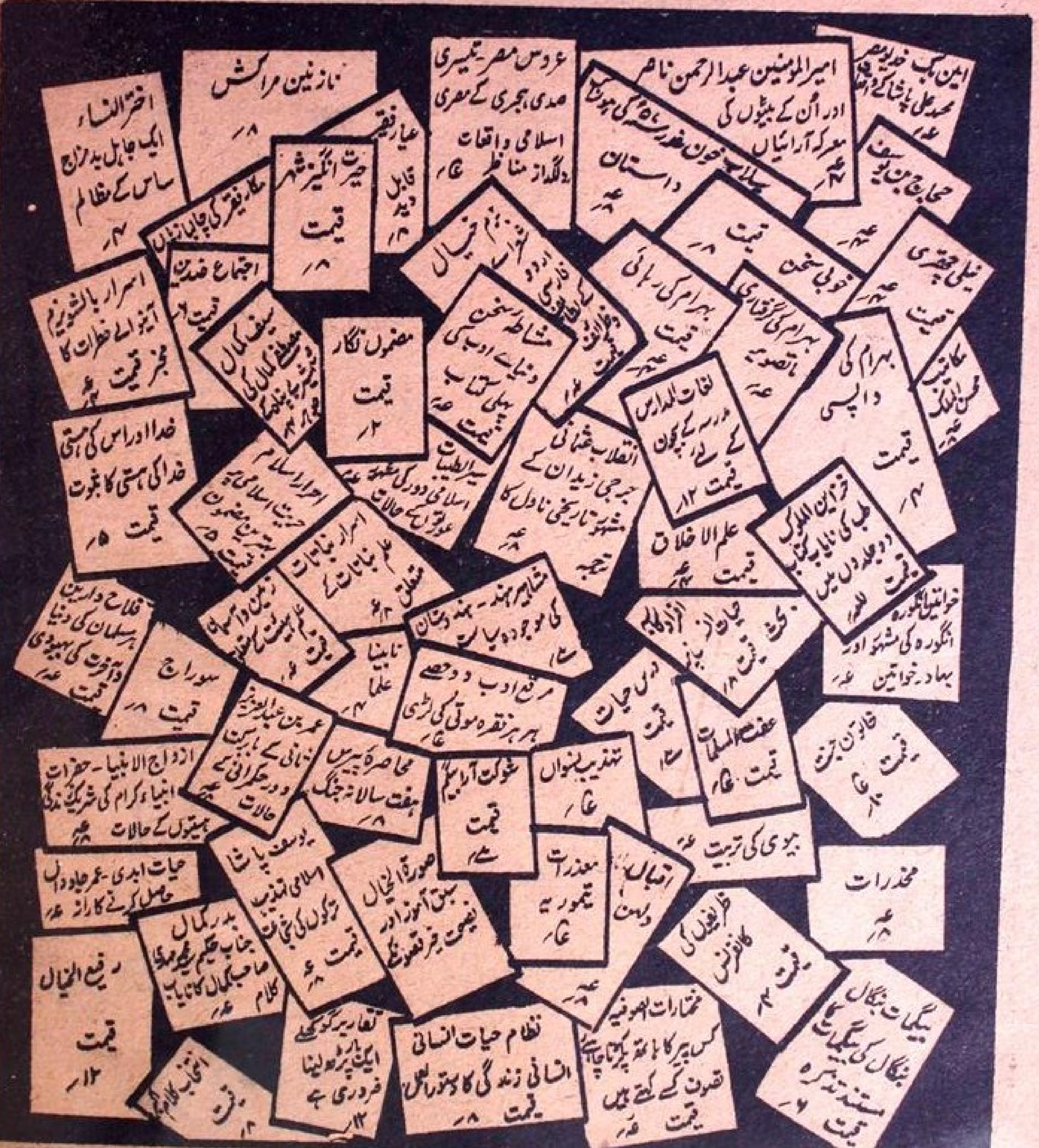

منیجر رسالہ ''نگار'' نظیر آباد لکھنؤ